وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

- حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- حافظ مسعود عالم
- حافظ محمد شریف
- ڈاکٹر حافظ عبد الرشید اظہر
- پروفیسر عبد الجبار شاکر
- پروفیسر نجیب اللہ طارق

جمع و ترتیب: محمد منیر اظہر

دار التربیة للنشر والتألیف فیصل آباد

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

- حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی رحمہ اللہ
- مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ
- حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ
- حافظ محمد شریف حفظہ اللہ
- ڈاکٹر حافظ عبد الرشید اظہر حفظہ اللہ
- پروفیسر عبد الجبار شاکر رحمہ اللہ
- پروفیسر نجیب اللہ طارق حفظہ اللہ

دار التربية للنشر والتأليف فيصل آباد

نام کتاب: مقالات تربیت

جمع وترتیب: محمد منیر اظہر

ناشر: دار التربیة للنشر والتألیف

فیصل آباد۔فون: 041-8789325

تعداد: 1100

تاریخ طباعت: نومبر 2009ء

مطبع: دارالسلام انٹرنیشنل پرنٹنگ پریس، لاہور

فون: 042-37232400

ملنے کا پتہ

مکتبہ اسلامیہ

(A) غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔

(B) کوتوالی روڈ فیصل آباد۔فون: 041-2631204

فہرست مقالات

پیش لفظ

بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف ''اسلام'' ہی ہے یہ ایک ایسی بین حقیقت ہے جس پر قطعی اور نا قابل تردید دلائل قائم ہیں۔ دین اسلام کی بے شمار خوبیوں اور امتیازات میں سے ایک واضح امتیاز یہ ہے کہ اس دین کی بنیاد علم پر ہے اور یہ وہ یقینی علم ہے جس کا محور و مدار وحی الٰہی ہے اور امت مسلمہ کے ہاں آج تلک یہ کتاب وسنت کی شکل میں من وعن محفوظ ہے۔ اس صحیح علم کی بنا پر ہی انسان قُرب الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے اولین فریضہ صحیح علم اور معرفت الٰہیٰ کو ہی قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾

''(اے پیارے حبیب ﷺ) اس بات کا علم حاصل کیجئے کہ اس (اللہ) کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور اپنی کوتاہی اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بخشش طلب کیجئے''۔ (محمد: ۱۹)

اللہ تعالیٰ نے وحی الٰہی کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھا رکھا ہے اور حقیقت واقعہ اس کا زندہ ثبوت ہے۔ انسانی تاریخ میں یہ ایک منفرد واقعہ ہے کہ قرآن وحدیث ایسے علمی اور تحقیقی معیار کے مطابق محفوظ ہیں کہ دیگر مذہبی کتب اور ادیان میں کسی کم تر درجہ میں بھی اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ لیکن وسائل واسباب کی دنیا میں وحی الٰہی کی خالص اور روشن تعلیمات کو یاد رکھنا، ان کا فہم حاصل کرنا اور اس کے مطابق صحیح نمونہ عمل پیش کرنا اور پھر دوسروں تک ابلاغ علماء کرام کی ذمہ داری ہے۔ انہیں یہ شرف حاصل ہے کہ وہ انبیاء کرام کے حقیقی وارث ہیں۔ ہمارے ہادی ورہبر حضرت محمد ﷺ نے خود یہ صراحت فرمائی ہے کہ علم کی بقا علماء کی بقا سے ہے اور اس علم کو زوال علماء کے زوال سے ہی آئے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعاً يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ

اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُساً جُهَّالًا ، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَ أَضَلُّوا"

(صحیح بخاری، کتاب العلم: ۱۰۰)

"اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح ختم نہیں کرتا کہ بندوں (کے سینوں) سے اس کو نکال لے بلکہ علماء کو قبض (فوت) کر کے علم کو قبض کر لیتا ہے حتی کہ جب کوئی بھی عالم باقی نہ رہے تو لوگ جاہلوں کو اپنا رئیس بنا لیتے ہیں، پھر ان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ بغیر علم کے فتوے دیتے ہیں، اس طرح خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

اس حدیث کی روشنی میں غور وفکر کیا جائے تو آج ہمارا معاشرہ بھی اس کا عملی مصداق نظر آتا ہے جہاں پر ہر بڑے منصب اور عہدے پر جاہل اور علم سے تہی دامن طبقہ براجمان ہے گویا ؎

ہر شاخ پہ اُلو بیٹھا ہے
انجام گلستاں کیا ہوگا

کی تصویر دکھائی دیتی ہے، دینی پیشوائی اور سیادت کے دعویدار خود صحیح علم وفکر سے عاری ہیں، اور ہر طرف یوں دکھائی دیتا ہے کہ تاریک گھٹائیں مزید گہری ہوتی جا رہی ہیں۔ جہاں پر وارثانِ منبر ومحراب کتاب وسنت کے صافی چشموں کو چھوڑ کر موضوع اور من گھڑت روایات کا سہارا لیتے ہوئے شرک وبدعت سے اٹی ہوئی متعفن دعوت کے لیے اپنا دن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف تجدد پسند طبقہ اور روشن خیالی کے حاملین بزعم خویش اصلاح وتجدید کے علمبردار بن بیٹھے ہیں، ہر طرف کتاب وسنت اور سلف کے منہج سے دوری نظر آتی ہے۔ تشکیک کا مرض عام ہوتا جا رہا ہے، بہت سے لوگ مسلمہ عقائد میں بھی تردد اور ارتیاب کا شکار ہیں اور کسی واضح عقیدہ وفکر اور اس کے مطابق صحیح عمل کے زیور سے بہرہ ور لوگ بہت کم ہیں۔

عوام اور عصری تعلیم یافتہ لوگوں سے صرف نظر بھی کر لیا جائے تو خواص، علماء وخطباء اور بڑے بڑے اداروں کے پروفیسرز حضرات بھی کسی اختلافی نقطۂ نظر میں فیصلہ کی استعداد سے محروم نظر آتے ہیں، غیروں کی نقالی اور تقلید کو ہی کمال سمجھا جا رہا ہے، ان کے نظریات وافکار کا چربہ بلکہ سرقہ ایک معمول سا بنتا جا رہا ہے۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص احسان کی بدولت جو پختہ کار، ثقہ علماء اور سلیم الفکر مصلحین ہمارے درمیان موجود ہیں، ان کے علم وفکر سے استفادہ کیا جائے تاکہ امت مسلمہ اپنے اصل دین پر مستند اسوۂ رسول کے مطابق عمل پیرا ہو سکے اور شرک وبدعت اور تشکیک واضطراب کا خاتمہ ہو، اس کے لیے یقیناً وہ قابل قدر علماء ہی مفید اور مستقیم رہنمائی فرما سکتے ہیں جن کا عمل بھی ان کے رسوخ اور فکری سلامتی کی گواہی دیتا ہے۔

مرکز التربیہ الاسلامیہ نے 20، 21 مارچ 2004ء میں اسی غرض کے حصول کے لیے ایک تربیتی اجتماع کا انعقاد کیا جس میں مرکز سے فارغ التحصیل علماء اور دیگر داعی حضرات نے بھرپور شرکت کی اور اس پروگرام میں تشریف لانے والے معزز علماء کرام نے اپنی گہری بصیرت اور علم وفہم کے ساتھ بہت قیمتی دروس ارشاد فرمائے، اس سے داعی حضرات میں ایک نیا عزم اور ولولہ پیدا ہوا، اور انہوں نے بہت سے پیچیدہ مسائل میں علمی رہنمائی بھی حاصل کی۔

بہت سے دوستوں کا اصرار تھا کہ ان علماء کے قیمتی مقالات زیورِ طباعت سے آراستہ ہوں تاکہ ان سے استفادہ عام ہو اور ملک اور بیرون ملک میں موجود دینی حمیت اور جذبہ رکھنے والے قارئین ان سے فائدہ اٹھائیں اور ان کبار علماء کی آراء اور توجیہات کو اپنی عملی زندگی میں مشعل راہ بنائیں۔

ان مقالات کے عناوین پر نظر دوڑانے سے قارئین کرام کو اندازہ ہوگا کہ یہ کس قدر اہمیت کے حامل ہیں ان مقالات میں فکر ونظر کی بہت سی بحثوں کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تحریک اسلامی کے مخلص کارکنان اور علماء ودعاۃ کے لیے کئی نئے ابواب اور میادین عمل کھلتے ہوئے نظر آتے ہیں جن میں کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

علاوہ ازیں علماء کے ان فرمودات میں طلبہ وعلماء میں ایک نیا حوصلہ، ولولہ اور جذبہ عمل پیدا کرنے کی مخلصانہ کاوش کی گئی ہے۔

یہ اکثر مقالات ابتدا میں تحریری شکل میں نہ تھے۔ انہیں ریکارڈ شدہ کیسٹوں سے ضبط تحریر میں لایا گیا اور پھر ان کی مزید اصلاح وترمیم کی گئی، اس کے بعد ان میں سے اکثر علماء نے خود ان کو

پڑھا، ان میں مزید اضافے کیے، حوالہ جات بڑھائے گئے اور بعض تشنہ پہلوؤں کی تکمیل کی گئی، اس میدان کے شہسوار جانتے ہیں کہ یہ سب کام بہت محنت طلب اور نہایت جاں گسل ہیں اور شاید یہی اسباب ہیں جن کی وجہ سے ان کی طباعت میں مسلسل تاخیر ہوتی رہی۔

اب یہ مقالات اپنی بہترین شکل میں منظر عام پر آرہے ہیں جس پر ہم سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں جس نے ہمیں یہ توفیق ارزاں فرمائی۔ اور اس کے بعد ان علماء کرام کے شکر گزار ہیں جنہوں نے ہماری دعوت کو قبول فرمایا اور اپنے قیمتی فرمودات سے نوازا۔

اس کے ساتھ ساتھ ان علماء کا خصوصی طور پر شکر یہ ادا کرنا ضروری ہے جنہوں نے دوبارہ بلکہ کئی بار ان مقالات کی تصحیح اور ان میں اضافہ کا مشکل کام کیا۔ خصوصاً اپنے برادر گرامی قدر ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر حفظہ اللہ کا تہی دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے اہم علمی موضوع کو اس شرح وبسط کے ساتھ پھیلایا کہ ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے، اسی طرح محترم مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ اور پروفیسر عبدالجبار شاکر حفظہ اللہ نے قیمتی وقت نکال کر اپنے اپنے مقالات میں مزید اضافے کیے اور ان کی تکمیل فرمائی۔

میں اس موقع پر بالخصوص پر جماعت کے جلیل القدر بزرگ اور عظیم مصلح حافظ محمد یحی عزیز رحمہ اللہ کے لیے دعا گو ہوں کہ جن کا مقالہ بھی شاملِ اشاعت ہے، آج وہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں، اور ہم ان جیسے زندہ دل، بیدار مغز اور بے لوث دینی رہنما اور روحانی طبیب سے محروم ہو چکے ہیں، قارئین سے التماس ہے کہ ان کی مغفرت کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔

اسی طرح اس سارے عمل میں دیگر ارکان کے ساتھ ساتھ ہمارے ادارہ کے معتمد رفیق مولانا محمد منیر اظہر حفظہ اللہ دن رات مصروف عمل رہے اور ان مقالات کی جمع وترتیب اور انہیں طباعت کے مراحل تک پہنچانے میں حقیقی وعملی کردار انہی کا ہے۔ قارئین کرام کی تشنگی کو محسوس کرتے ہوئے انھوں نے اصحاب مقالات کا مختصر تعارف بھی شامل کر دیا ہے۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دین ودنیا میں بہترین صلہ سے نوازے، اسی طرح محترم زبیر کلیم صاحب نے بڑی محنت سے کمپوزنگ کے مراحل کو مکمل کیا۔ اللہ تعالیٰ تمام علماء اور کارکنان نے عزم وخلوص کے ساتھ جو محنت ومشقت برداشت

کی اسے شان کریمی سے ان کی حسنات میں شامل فرمائے، اور ادارہ کی طرف سے شائع ہونے والے ''مقالات تربیت'' کو عام مسلمانوں اور خاص طور پر علماء و دعاۃ کے لیے کار آمد اور راہنما بنائے، اور ہم سب کو اخلاص نیت، جہد مسلسل اور عمل صالح کے ساتھ دعوت کے عظیم عمل میں لگائے رکھے۔

آمین یا رب العالمین۔

وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب

کتبہ:

(حافظ) مسعود عالم بن محمد یحییٰ

۲۵ رجب ۱۴۳۰ھ

بمطابق 19 جولائی 2009ء

تعارف شرکاء

حافظ محمد یحیٰ عزیز میر محمدی رحمہ اللہ

حافظ محمد یحیٰ عزیز دسمبر 1927ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ضلع قصور کے مشہور گاؤں ''میر محمد'' سے ہے آپ کے والد حافظ محمد نہایت متقی اور باعمل شخصیت تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے قرآن مجید پڑھا، اور حفظ کیا اور لاتعداد لوگ ان کی تبلیغ اور اخلاق سے متاثر ہوکر جادہ حق پر قدم زن ہوئے۔ آپ نے دینی تعلیم مدرسہ غزنویہ امرتسر اور دار العلوم تقویۃ الاسلام لاہور وغیرہ سے حاصل کی۔ اساتذہ میں سے مولانا عطاء اللہ حنیف اور محدث العصر حافظ محمد گوندلوی رحمہما اللہ سے خصوصی فیض پایا۔ پھر تبلیغ دین اور اصلاح معاشرہ کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کردی۔

حافظ صاحب نہایت دھیمے مزاج، وجیہہ اور پروقار شخصیت کے حامل تھے، اخلاص وخشیت اور للّٰہیت میں بلند مقام پر فائز تھے۔ نہایت پُرسوز انداز سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے۔ آپ کے وعظ وارشاد سے متاثر ہوکر بہت سے عام لوگوں نے اپنے دلوں کو آباد کیا اور بہت سے خواص نے تبلیغ دین کو بطور مشن اپنا لیا۔ انھوں نے پھول نگر (بھائی پھیرو) کے قریب ادارۃ الاصلاح کے نام سے ایک تعلیمی وتربیتی مرکز بھی قائم کیا، اور پورے ملک میں تبلیغی وفود کا سلسلہ جاری فرمایا، یہ بے لوث دینی راہنما اور روحانی طبیب 21 نومبر 2008ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے انوار رحمت کی برکھا برسائے۔ آمین۔

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر حفظہ اللہ

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر یکم فروری 1953ء کو ضلع ساہیوال کے ایک گاؤں L-170/9 میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں اور جامعہ سعیدیہ خانیوال سے حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے علوم اسلامیہ کی تکمیل فرمائی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا حافظ محمد عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، شیخ ابوبکر الجزائری اور شیخ عبدالمحسن بن حمد العباد جیسے کبار علماء شامل ہیں۔ 1985ء

میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم اے۔ اسلامیات کا امتحان پاس کیا اور یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ فراغت کے بعد آپ نے جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے علاوہ دیگر مختلف اداروں میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ 1985ء میں پنجاب یونیورسٹی، شعبہ عربی میں مہمان استاذ کی حیثیت سے منسلک رہے۔ اب ایک عرصہ سے مکتب الدعوۃ اسلام آباد میں الباحث العلمی (Research Scholar) اور مشرف الدعاۃ کے عہدہ پر فائز ہیں اور تعلیم ودعوت میں اصلاح وترقی کے لیے بہت سے منصوبوں کی نگرانی فرماتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جامعہ سعیدیہ خانیوال اور اسلامک کونسل پاکستان کے رئیس بھی ہیں۔ انھوں نے 2002ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، ان کے مقالہ کا عنوان ''الدراسة المقارنة بين التفسير المظهرى و فتح البيان'' ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے بہت سی کتابوں کے اردو تراجم بھی کیے اور ان کی روانی قلم سے اہم دینی موضوعات پر قیمتی مقالات معروف مجلّات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ نے نیپا (NIPA) لاہور میں زیر تربیت افسران کو اصول اجتہاد پر اور پولیس کالج سہالہ میں آفیسر ٹریننگ کورس میں انسانی حقوق پر لیکچرز بھی دیئے۔ اس کے علاوہ سال بھر ملک کے مختلف اطراف میں دعوتی دروس اور محاضرات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ علاوہ ازیں متعدد بار برطانیہ، امریکہ، سعودی عرب اور انڈونیشیا وغیرہ کے دعوتی سفر پر بھی گئے اور مختلف موضوعات پر بین الاقوامی کانفرسوں میں خطابات فرمائے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت وعافیت کے ساتھ رکھے اور مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

مشہور محقق ومصنف مولانا ارشاد الحق اثری انیس سو اڑتالیس (1948ء) میں تحصیل فقیر والی ضلع بہاول نگر کے گاؤں 72/7-R میں پیدا ہوئے، آٹھویں جماعت تک تعلیم چک نمبر چوبیس (24) لیاقت پور میں مکمل کی، جہاں پر ان کے والدین منتقل ہوگئے تھے۔ اس کے بعد بالترتیب مدرسہ قاسم العلوم لیاقت پور، جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور مدرسہ تدریس القرآن جھوک کٹو، تاندلیانوالہ

میں دینی تعلیم حاصل کی۔ انیس سواڑسٹھ (1968ء) میں گوجرانوالہ میں محدث العصر حافظ محمد گوندلوی سے درس حدیث لیا۔

جماعت کے ثقہ علماء نے اسلامی علوم میں تخصص کے لیے ادارہ علوم اثریہ، منٹگمری بازار فیصل آباد کی بنیاد رکھی۔ مولانا ارشاد الحق اس ادارے کے ابتدائی طالب علموں میں شامل ہوئے، اسی نسبت سے اثری کہلوائے۔ پھر اسی ادارے سے منسلک ہو گئے، اور علمی و تحقیقی زندگی اختیار کر لی۔ تصنیف و تالیف کے سلسلے میں انہوں نے بڑی خدمات سرانجام دی ہیں۔ اب تک بیسیوں کتابیں تحقیق کے بعد شائع کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سی مستقل کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جن میں سے اکثر مطبوع و متداول ہیں۔ وہ حقیقی معنوں میں قرآن و حدیث اور مسلکِ محدثین کے محافظ اور پہریدار ہیں۔ اس کے علاوہ دعوتی و تعلیمی میدان میں بھی خطبات، محاضرات، علمی دروس کی شکل میں ان کی خدمات کا سلسلہ ملک اور بیرون ملک تک پھیلا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اوقات میں برکت عطا فرمائے اور مزید توفیق سے نوازے۔

فضیلۃ الشیخ حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ

حافظ صاحب معروف عالم دین اور واعظ مولانا محمد یحییٰ شرقپوری کے فرزند ارجمند ہیں اور ان کا باقی خاندان بھی علمی و دینی طور پر مسلک سلف کا حامل ہے۔ حافظ صاحب 1383ھ بمطابق 1953م میں ضلع خانیوال کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے جہاں پر ان کے ننھیال آباد تھے، اور بعد میں ان کے والد محترم نے شرقپور کو اپنا مستقل مستقر بنا لیا، اور تبلیغ کی خاطر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت کے مراحل اپنے والد گرامی قدر سے طے کیے اور ان کی تعلیم و تربیت میں ان کے چچا بھی شریک رہے۔ 1972م میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں شیخ ابوالبرکات وغیرہ اساتذہ سے نقلی و عقلی علوم میں کسب فیض کیا۔ یہاں سے فراغت کے بعد جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں آخری دو سال تعلیم مکمل کی۔ جہاں پر ان کے شیوخ میں حافظ عبداللہ بڈھیمالوی اور شیخ ثناء اللہ مدنی جیسی شخصیات تھیں۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور کلیۃ الشریعۃ سے ممتاز حیثیت سے فراغت پائی۔ جہاں انہیں شیخ محمد امین شنقیطی

جیسے متجر عالم اور مفسر قرآن سے استفادہ کا موقع ملا اور اسی طرح شیخ عبدالمحسن العباد وغیرہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فراغت کے بعد عرصہ چھ سال تک جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے اور مدیر التعلیم کے عہدہ پر فائز رہے۔ اس کے بعد دس سال تک جامعہ ابی بکر کراچی میں مدرس اور عمید (Dean) کلیہ الشریعہ رہے۔ اور اب 1991م سے دوبارہ جامعہ سلفیہ میں شیخ التفسیر اور نائب شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مرکز التربیہ الاسلامیہ میں مدیر التعلیم اور استاذ التفسیر بھی ہیں۔ تعلیم اور دعوت کے میدان میں انہوں نے نہایت قابل قدر مساعی جمیلہ انجام دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلوب بیان، جوہر خطابت اور حکمت وبصیرت سے حظ وافر عطا فرمایا ہے۔ حافظ محمد یحیٰ عزیز رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کو ادارۃ الاصلاح پاکستان کا امیر مقرر کیا گیا۔ اسی طرح آپ ''التربیہ انٹرنیشنل ٹرسٹ'' کے جنرل سیکرٹری بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی علمی کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور انہیں ایمان اور صحت وعافیت کے ساتھ طویل عمر سے نوازے تاکہ لوگ ان کے وعظ ونصیحت اور توجیہات سے اپنے دامن بھرتے رہیں۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر حفظہ اللہ

جناب عبدالجبار شاکر یکم جنوری 1947ء کو حسین خانوالہ ضلع قصور میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام حکیم عبدالعزیز تھا جو کہ علاقے کی معروف شخصیت تھے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت اپنے والد اور چچا سے حاصل کی۔ 1962ء میں پتوکی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج ساہیوال سے گریجویشن کی اور 1966ء میں اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اردو کیا، اس کے بعد گورنمنٹ کالج پتوکی سے بطور استاد اپنی عملی زندگی کی ابتدا کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایل ایل بی بھی کیا اور مختلف علماء سے علوم اسلامیہ کا درس بھی لیتے رہے۔ جوانی میں ہی آپ نے جامعہ محمدیہ پراناڈالاریاں میں خطبہ جمعہ دینا شروع کر دیا تھا۔

1981ء میں پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے ''ڈائریکٹوریٹ آف پبلک لائبریریز'' کے لیے ڈائریکٹر مقرر ہوئے اور 2004ء میں اسی عہدہ سے ریٹائرڈ ہوئے۔ موصوف مختلف علوم،

لسانیات اور خصوصاً علوم سیرت پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ دور حاضر میں معلومات کی وسعت، جامعیت اور حسن خطابت کے اعتبار سے ان کا کوئی ثانی نہیں۔ ایک درجن سے زائد کتابوں کے مؤلف ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے بہت سے متنوع مضامین مختلف رسالوں اور اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں۔

موصوف کچھ عرصہ دعوۃ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ڈائریکٹر جنرل کے عہدہ پر فائز رہے، ساتھ ساتھ فیصل مسجد میں خطبہ جمعہ کی سعادت بھی ان کے حصے میں آئی۔ آج کل اسلامک یونیورسٹی میں ہی سیرت سٹڈیز کے چیئرمین ہیں۔

آپ نے بے شمار تعلیمی، دعوتی اور فکری کانفرسوں سے خطابات فرمائے اور بہت سے ملکوں کے سفر بھی کیے۔ اس کے علاوہ نہایت قیمتی کتب کو شائع کیا اور لاہور میں ''بیت حکمت'' کے نام سے ایک ضخیم، مثالی لائبریری بھی قائم کی ہے جو ملک بھر کی لائبریوں میں ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔ قدیم وجدید مراجع کا وافر ذخیرہ اس میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم لائبریری کو قبول فرما کر ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

حافظ محمد شریف حفظہ اللہ

معروف استاد اور مربی حافظ محمد شریف صاحب نے رائیونڈ ضلع قصور کے قریبی گاؤں بھمبہ کلاں میں 1958ء میں آنکھ کھولی، آپ کے والد فتح محمد ایک زمیندار تھے۔ ناظرہ قرآن کریم اور پرائمری تک تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد قریبی گاؤں ''میر محمد'' میں حافظ محمد یحیی عزیز کی زیرنگرانی مدرسہ میں صرف چھ ماہ میں قرآن پاک حفظ کرلیا۔ آپ کے حفظ کے استاد قاری صدیق الحسن رحمہ اللہ تھے۔ خاندان میں آپ پہلے فرد تھے جو دولت توحید سے بہرہ ور ہوئے اور اس راستے میں ان کو بہت سے مصائب وآلام کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ حفظ قرآن کے بعد ابتدائی کتب میر محمد اور مدرسہ ضیاء السنہ۔ راجہ جنگ میں پڑھیں، اور اس کے بعد جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں چھ سال رہ کر تعلیم مکمل کی۔ جہاں پر انہیں حافظ محمد گوندلوی، حافظ عبدالمنان نورپوری اور ماہر علوم عقلیہ مولانا جمعہ خان جیسے نابغۂ روزگار اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ اس کے بعد جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں آخری سال کی تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی۔ 1981ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

تشریف لے گئے اور کلیۃ الحدیث سے ممتاز حیثیت کے ساتھ فراغت حاصل کی، جہاں پر انہیں ڈاکٹر ربیع بن ھادی المدخلی، الشیخ عبدالفتاح العشور، الشیخ عبدالموجود اور الشیخ عمر فلاتہ جیسے کبار اساتذہ سے کسب فیض کا موقعہ ملا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں روشن قوت حافظہ عطا فرمائی تھی لہذا آپ نے رسمی تعلیم کے ساتھ ساتھ ھدایۃ النحو، الفیہ ابن مالک، بلوغ المرام اور مختصر بخاری حفظ بھی کیں۔

جامعہ اسلامیہ سے فراغت کے بعد عرصہ پانچ سال تک جامعہ ابی بکر الاسلامیہ کراچی میں تدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔ اس کے بعد دس سال کا عرصہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں مسند تدریس کی رونق رہے۔ دینی مدارس وجامعات میں علمی انحطاط اور تربیتی کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے تخصص کی غرض سے 1990ء میں مرکز التربیۃ الاسلامیۃ کی بنیاد رکھی۔ جس کی خدمات کا دائرہ بہت وسعت اختیار کر چکا ہے۔ اور اس سے فارغ التحصیل تقریباً اسی (80) علماء ودعاۃ ملک کے طول وعرض میں دین حنیف کی خدمت کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں ملک بھر میں آپ کے دعوتی دروس اور خطبات کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ دینی اور رفاہ عامہ کے کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ انہی خدمات کی ترتیب وتنظیم کے لیے 2007ء میں ''التربیۃ انٹرنیشنل ٹرسٹ'' کی بنیاد رکھی۔ رب کریم سے دعا ہے کہ صحت وعافیت کے ساتھ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، اور ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔

پروفیسر نجیب اللہ طارق حفظہ اللہ

مولانا نجیب اللہ طارق 24 دسمبر 1955ء کو بھوپال والا ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حکیم عبداللہ تھا اور وہیں پر ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے گریجویشن کی اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں دینی تعلیم شھادۃ العالیہ تک مکمل کی، وفاق المدارس السّلفیہ سے ایم اے عربی اور ایم اے اسلامیات کا امتحان پاس کیا۔ 1978ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے مدینہ یونیورسٹی تشریف لے گئے اور کلیۃ الدعوۃ سے اجازہ عالیہ حاصل کر کے تکمیل فرمائی۔

یونیورسٹی سے فراغت کے بعد رأس الخیمہ - متحدہ عرب امارات میں بطور داعی کام کرتے رہے اور عرصہ دس سال تک دعوتی، تعلیمی اور تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ 1994ء میں وطن

واپس آ گئے اور تا ہنوز جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

پروفیسر صاحب ایک عالم اور مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ بے لوث دینی راہنما اور کارکن بھی ہیں۔مہاجرین کشمیر اور افغانستان کے لیے انھوں نے بہت زیادہ رفاہی کام کیا۔اسی طرح ملک کے طول وعرض میں مختلف آفات ومصائب میں ہمیشہ امدادی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ دعوت اسلام کی خاطر نہایت جانفشانی کے ساتھ ہمہ وقت مصروف عمل ہیں، اور کسی تعریف وستائش سے حد درجہ مستغنی بھی۔اللہ تعالیٰ ان کو صحت وعافیت کے ساتھ مزید توفیق مرحمت فرمائے۔آمین۔

دعوت کی اہمیت اور داعی کی صفات

حافظ محمد یحیی عزیز میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله أما بعد! فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم "كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ" (آل عمران: ١١٠)، "إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" (فاطر: ٢٨)، "يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ" (المجادلة: ١١)۔

صحت خراب ہونے کی وجہ سے چند ضروری باتیں بیان کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا ہے اس کے مطابق انسان عمل کر رہے ہیں۔ جنگل، سمندر کی ساری مخلوق اللہ کو پہچانتی ہے ان کے ذمے ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کی تسبیح بیان کریں اور وقت پر عبادت کریں۔ لیکن انسان جب اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے، وہ بے علم ہوتا ہے سوائے اس کے کہ وہ دودھ پینا جانتا ہے یہ اس کو سکھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے بعد پوری زندگی اس کا علم حاصل کرنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حصول سب سے بڑا علم ہے۔ اپنی زندگی کے متعلق اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے بارے میں اس کی تعلیمات اور ہدایات کو جاننا بھی اس علم کا حصہ ہے۔

سب سے پہلے استاد اللہ کی طرف سے انبیاء مقرر ہوتے ہیں وہ لوگ اللہ کی ذات وقدرت اور اختیارات کا تعارف کرواتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ ﷺ کے ذمہ جو کام لگایا ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کو اللہ کی پہچان کروانی ہے اور اس کے دین حق پر انھیں قائم کرنا ہے اگر وہ اس عظیم کام میں کوتاہی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول نہیں کرے گا بلکہ اس دنیا میں بھی کفر کو غلبہ دے دے گا اور دین حق مغلوب ہو جائے گا۔ دور اول میں ہر کلمہ پڑھنے والا مسلمان یہ سمجھتا تھا کی قرآن کو سمجھنا اور اسے آگے لوگوں تک پہچانا مجھ پر فرض ہے، اور اس کی تعلیم کو عام کرنا بھی میری ڈیوٹی ہے۔ کچھ لوگوں نے اس ذمہ داری کو پورا کرنے اپنے لئے ذریعہ معاش بھی نہیں اپنایا بلکہ صفہ میں اس انتظار میں بیٹھے رہتے کہ رسول اللہ ﷺ قرآن وحدیث بیان فرمائیں اور ہم سب یاد کر لیں۔ ان کا اسی طرح وقت گزرتا تھا، کھانے پینے کی ان کو فکر نہیں صرف اسی

بات کی فکر میں بیٹھے ہیں کہ کب آپ تشریف لاتے ہیں اور لعل وموتی ہماری جھولی میں پڑ جائیں اس کام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سب سے مقدم ہیں، وہ فاقوں پر فاقے برداشت کرتے ہیں اور کسی کو بتاتے بھی نہیں ہیں کہ مجھے بھوک لگی ہوئی ہے، اگر میں اپنی معاش کے لیے کہیں ادھر ادھر چلا جاؤں تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلے الفاظ سے محروم نہ رہ جاؤں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ فلاں مسئلہ تو مجھے معلوم ہے لیکن جو الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلے تھے وہ بھول گیا ہوں تو وہی الفاظ حضرت عبداللہ بن انیس کی زبان سے سننے کے لیے ملک شام کے دارالخلافہ دمشق میں پہنچے۔ اس کے لیے منڈی سے جاکر سواری خریدی اور سفر کیا۔ وہ آج کل کی سہولیات کے مقابلے میں بہت صعوبتوں والے اور خطرناک سفر تھے راستہ میں بھوک و پیاس برداشت کرنا پڑتی، کبھی درختوں کے پتوں پر گزارا ہوتا۔ وہاں پہنچ کر ان کے دروازے پر دستک دی اور کہا کہ میں جابر ہوں، آپ کی ملاقات کے لئے مدینہ منورہ سے آیا ہوں۔ انھوں نے کہا! جابر بن عبداللہ" کہا: "جی ہاں" وہ جلدی سے باہر تشریف لائے، معانقہ کیا، بڑے خوش ہوئے اور دریافت کیا کہ آپ نے اتنا لمبا سفر کس غرض سے کیا ہے؟ فرمایا: مجھے پتا چلا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کے بارے میں وہ الفاظ یاد ہیں جو اس وقت آپ نے بیان کئے تھے "فخشيت أن أموت قبل أن أسمعها " (مجھے خطرہ ہوا کہ میں ان الفاظ کے سننے سے پہلے مرنہ جاؤں) انھوں نے جب وہ الفاظ سنائے تو کہنے لگے : "اجازت دیجئے اب واپس چلتا ہوں"۔ انھوں نے کہا کہ آپ نے اتنا لمبا سفر کیا ہے، آپ کو کھانے کی اور آرام کی ضرورت ہے اور اس کے بعد چلو واپس جانا ہی ہے۔ کہتے ہیں: "اگر میں کھانے پینے اور آرام کرنے میں یہاں وقت ضائع کروں تو میرے اپنے مشن کے منافی ہے اور اس اخلاص کے خلاف ہے جس کے لیے میں نے اتنا بڑا سفر کیا ہے لہذا مجھے کھانے کی ضرورت نہیں، میری ضرورت پوری ہوگئی ہے"۔

اسی طرح تمام صحابہ کرام اور ان کے شاگردوں نے دینی علوم حاصل کرنے کے لئے محنتیں، صعوبتیں برداشت کیں۔ تاکہ وہ علم حاصل کرنے کے بعد اللہ کی مخلوق تک وہ علم پہنچائیں، اور اس نور کو پھیلائیں۔ اس کے بعد انھوں نے قرآن مجید میں سوچ و بچار کیا کہ سب سے پہلی بات جو ہم پر ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی قدرت پر یقین رکھیں اور اس کے عذاب سے بچنے کا ڈر رکھیں اس لئے کہ عالم ہی سمجھتے ہیں کہ وہ

طاقت والا ہے اور اس کا اختیار ہے کہ چاہے تو امام الانبیاء نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو بھی گرفتار کر سکتا ہے'' قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَن مَّعِيَ أَوْ رَحِمَنَا فَمَن يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ '' (الملک:٢٨) پیارے نبی ﷺ ان لوگوں کو بتاؤ کہ اللہ تو اتنے بڑے اختیار کا مالک ہے وہ چاہے تو مجھے بھی گرفتار کر لے اور جنھوں نے اپنی پوری زندگی مجھ پر نچھاور کی ہے اور دین کے لئے وہ چاہے، تو ان کو بھی پکڑ لے لیکن آگے بتایا کہ نہیں'' هُوَ الرَّحْمَنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا '' وہ بہت مہربان ہے ہم اس پر بھروسہ کرتے ہیں وہ معاف کرے گا بلکہ اللہ اپنے قریب فرمائے گا۔

دوسری جگہ صاف الفاظ میں فرمایا کہ:'' أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ '' کیا فرمانبرداروں کو ہم ایسے لوگوں کے برابر کردیں گے جو جرائم پیشہ ہیں یہ نہیں ہوسکتا اگر تم ایسی باتیں کرتے ہو تو یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ اسی طرح فرمایا'' أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ '' یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد جو نیک عمل کریں اور دوسری طرف جو ہر وقت گناہوں میں لتھڑے رہیں اور دن رات اللہ تعالی کی نافرمانیاں کرتے رہیں، ہم کل قیامت کو اپنی عدالت میں دونوں کو برابر کردیں''

خشیت الٰہی:

عالم کو پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن کو سمجھنے کے بعد کیا واقعی میرے اندر خوف خدا آ گیا ہے، میری طبیعت میں خشیت ہے، میری نماز میں خشوع ہے؟ اور کیا واقعی جب اللہ اکبر کا نام سنتا ہوں تو میرے جسم میں کپکپی طاری ہوجاتی ہے'' إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ '' کیا یہ کیفیت پیدا ہو رہی ہے؟ ہمیں سوچنا چاہیے کہ کہیں ہمارے مطالعے میں تو کمی نہیں؟ حقیقتاً ہمارے دل کی توجہ میں کمی ہے جب کہ اگر قرآن کو توجہ سے پڑھا جائے تو سو سو سال کی زندگی میں انقلاب آجاتا ہے۔

دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ کیا ہم نے درد دل سے اور مخلوق پر پورے رحم کے ساتھ اللہ کا پیغام پہنچایا ہے یا ایک پیشہ ورانہ تبلیغ کے ساتھ پہنچایا ہے۔ اگر اس میں یہ کیفیت پیدا ہوگئی ہے'' فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفاً''(الکھف:٦) پیارے نبی کریم ﷺ شاید آپ ان کے غم میں بیمار ہوجائیں بلکہ ختم ہی ہوجائیں کہ وہ آپ سے قرآن سننے کے بعد ایمان نہیں لائے، ان کے ایمان نہ لانے

کی وجہ سے آپ کو جو غم پیدا ہوتا ہے اس سے تو آپ کی جان کو بھی خطرہ ہو گیا ہے۔

اب کیا ہمارے اندر بھی کبھی یہ کیفیت پیدا ہوئی کہ اگر لوگ ایمان کی طرف نہیں آئے اور قرآن سننے کی طرف توجہ نہیں دیتے تو کیا واقعی ہمیں بھی ایسے ہی غم ہے۔ تین تین گھنٹے کے مسلسل لیکچر کے بعد ایسی بے ہوشی سے سو جائیں کہ ہمیں یہ بھی یاد نہ رہے کہ آواز آرہی ہے "ھل من مستغفر فأغفر له" آسمان سے آوازیں آرہی ہیں کہ کیا کوئی بخشش مانگنے والا ہے؟ میں تمہیں معاف کرنے آگیا ہوں تمہارے دروازے پر دستک دے رہا ہوں۔ یہ تو نوکروں کا کام ہوتا ہے کہ وہ افسر کے دروازے پر جائیں اور پوچھیں جی کیا حکم ہے؟ اللہ کو اپنے بندوں پر کتنی شفقت ہے کس قدر رحم ہے کہ ان کو معافی دینے کے لئے بھی خود تشریف لاتے ہیں۔ کیا واقعتاً ہی یہ خصوصیت پیدا ہوگئی ہے کہ سارے جہان والے سو رہے ہوتے ہیں ہم جاگ رہے ہوتے ہیں۔

اسوۂ رسول ﷺ سے بے پناہ محبت:

اسوۂ رسول کے حوالے سے کیا ہم نے دل سے سمجھ لیا ہے کہ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" "رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے نمونہ ہیں" کیا ہمارے سب کام نبی کریم ﷺ کے نمونہ کے مطابق ہیں اور اگر ہم ان باتوں کو معمولی سمجھنا شروع کر دیں بلکہ حقارت کی نگاہ سے دیکھیں کہ نبی کریم ﷺ جس برتن میں کھانا کھاتے اس کو انگلیوں سے چاٹ لیتے تھے اور وہ اتنا صاف ہو جاتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم اس برتن کو پہچان لیتیں کہ اس میں محمد مصطفیٰ ﷺ نے کھانا کھایا ہے اس کو دھونے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ لیکن ہم سالن وغیرہ سے ہاتھ اور برتنوں کو آلودہ کر دیتے ہیں کیا یہی سنت رسول ہے؟ کیا ہم صاف کریں؟ ہم تو بے نیاز لوگ ہیں، ہمیں ایسا انداز اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ پڑھا لکھا ترقی کا دور ہے اس طرح کی حرکات ہماری شان کے خلاف ہیں اگر ہم رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق برتن صاف کریں گے تو لوگ ہماری بات نہیں سنیں گے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ عالم دین کی سب سے بڑی غلطی ہے کہ وہ اسوۂ رسول ﷺ کے بارے میں بہت متساہل ہو بلکہ بعض تو بے رغبت ہو جاتے ہیں۔

عرش عظیم کا سایہ جن لوگوں کو نصیب ہوگا ان میں وہ شخص بھی ہے "ورجل ذكر الله خاليا ففاضت عيناه"۔ "جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں"

لیکن ہمارے پڑھے لکھے علمائے دین ان چیزوں پر عمل پیرا ہونا تو در کنار بلکہ ان کا مذاق اڑاتے

ہیں کہ یہ مراقبت فرما رہا ہے، بعض دفعہ تو اس کو اتنا پریشان کیا جاتا ہے کہ وہ اس اچھے عمل کو چھوڑ ہی دیتا ہے اگر آپ کا ذہن یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ نبی ﷺ کے جسم اطہر کی ہر ہر حرکت ہمارے لئے نمونہ ہے تو آپ نے کچھ نہیں پڑھا آپ بے علم اور جاہل ہیں۔

موقع شناسی:

داعی کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ موقع دیکھے اور جس کو کچھ بتانا ہے اس کی قابلیت اور اندازِ فکر کو سامنے رکھے اور اس کے مطابق ہی کوئی بات کرے کیونکہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی اس بات کو سمجھ نہیں سکتا تو دین حق کو چھوڑ دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ بیت اللہ کا ایک ہی دروازہ ہے، جو لوگ اس کے اندر داخل ہوتے ہیں پھر اسی راستے سے باہر آتے ہیں میرا خیال ہے کہ پچھلی طرف سے ایک دروازہ کھول دوں لیکن تیری قوم چونکہ نئی نئی مسلمان ہوئی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ سمجھیں کہ یہ تو دعوی کرتے تھے کہ ہم ملت ابراہیم علیہ السلام پر عمل کر رہے ہیں، انھوں نے تو ایک دروازہ بنایا تھا یہ دو دروازے بنا رہے ہیں۔ یہ تو ملت کے خلاف ہے وہ دین کو ہی چھوڑ دیں اس خطرے کی بنا پر اگر چہ میں اسے پسند کرتا ہوں لیکن میں چھوڑ دیتا ہوں۔ یہ بھی فرمایا کہ ایک بہت بڑا خزانہ بیت اللہ کے صحن میں دفن ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ بے کار پڑا ہوا ہے وہ دین کے کام آجائے کسی غریب مسلمان کے کام آجائے لیکن میں پھر وہی بات سمجھتا ہوں کہ یہ نئے لوگ، ہوسکتا ہے کہ بیت اللہ کی تعظیم کے منافی سمجھیں کیونکہ یہ بیت اللہ کے نام ایک نذر تھی۔ اور کہنے لگیں کہ انھوں نے اس تعظیم کو ختم کر دیا تو اس لئے وہ خزانہ دفن رہنے دو۔ اس لیے ہمیں لوگوں کے انداز فکر اور ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں دعوت دینی چاہیے۔

سہولت اور آسانی:

اس کے ساتھ دین میں جس بات کی بہت زیادہ تاکید آئی ہے وہ یہ کہ "یَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا" "کہ تم آسانی پیدا کیا کرو تاکہ لوگ نفرت نہ کریں"۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو شوق تھا کہ نبی ﷺ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھتے، پھر وہ جس مسجد میں امام تھے وہاں جا کر نماز پڑھاتے اور لمبی سورت سورہ بقرہ شروع کر دیتے۔ ایک آدمی نے درمیان سے سلام پھیر دیا، لوگوں نے کہا یہ منافق ہے، انھوں نے کہا میں تو شکایت کروں گا انھوں نے بتایا:

کہ ہم زمیندار اور مزدور لوگ ہیں، سارا دن کام کرتے ہیں جب نماز کے لئے آتے ہیں تو جناب معاذ رضی اللہ عنہ سورہ بقرہ شروع کر دیتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' أفتان أنت یا معاذ '' معاذ تھکے ماندے لوگوں کی سہولت کا خیال نہیں رکھتے ہو کیا انہیں دین سے متنفر کرنا چاہتے ہو۔

دعوت میں حکمت:

دعوت میں حکمت کی اشد ضرورت ہے، ہم حکمت کی اہمیت کو نہیں سمجھتے، بس یہ کہتے ہیں کہ ماشاءاللہ بڑا اچھا لیکچر دیا ہے۔ لیکچر دینے والے کا خیال ہے کہ میں نے اپنا موضوع مکمل کرنا ہے اور ایک کیسٹ مکمل کرنی ہے اور اپنی ڈیوٹی کو پورا کرنا ہے۔ اصل کام یہ ہے کہ جن کو ہم نے سمجھایا ہے وہ سمجھے ہی نہیں تو ایسی تقریر سے کیا حاصل؟ اس لیے داعی کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ موقع کی نزاکت کو دیکھے اور جس قوم سے وہ مخاطب ہے اس کا اندازِ فکر دیکھ کر بات کرے۔ بعض دفعہ دانائی سے تبلیغ کرنے میں انسان کامیاب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ میرا مطالعہ بہت کمزور ہے، اس لئے میں ایسی مثالیں تو شاید نہ پیش کرسکوں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کی ہوں۔ ابھی کچھ وقت پہلے مجھے ایک دوست نے بتایا کہ سندھ کے علاقے میں بڑی جہالت ہے۔

ہمارے سفرائے کرام تو ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ ایک سفیر صاحب وہاں پہنچے۔ مسجد میں دیکھا کہ پانی کا انتظام نہیں ہے اس نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے؟ انھوں نے کہا کہ جی یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر وضو کی معافی ہو جائے تو ہم پھر نماز پڑھیں گے۔ بار بار ہاتھ منہ دھونا، چوپایوں کو چارہ وغیرہ ڈالنا ہوتا ہے۔ تو اس طرح اگر ہم سارا دن وضو میں پھنسے رہیں گے تو ہمارے کام متاثر ہوں گے مولانا صاحب نے کہا کہ بھائی وضو کے بغیر تو نماز نہیں ہوتی۔ تو اس نے کہا کہ چند ٹکے جو آپ کو یہاں سے ملتے ہیں، لے لو اور جاؤ۔

پھر ایک ایسے عالم وہاں تشریف لائے جو حکیم بھی تھے۔ انہوں نے بھی مسجد میں پانی نہ ہونے کا پوچھا تو گاؤں والوں نے کہا یہاں جی کوئی آدمی نہیں آتا جو ہمیں وضو کی معافی دے دے ورنہ ہم نماز پڑھ سکتے ہیں۔ عالم دین نے کہا کہ جنگل کے سبھی جانور اللہ کی نماز پڑھتے ہیں لیکن کبھی کسی نے وضو کیا ہے؟ گاؤں والوں نے کہا نہیں، عالم نے کہا تو پھر تم پر کیسے فرض ہو گیا؟ آپ لوگ نماز پڑھیں۔ انھوں نے گاؤں میں اعلان کر دیا کہ آج ایک مولانا صاحب تشریف لائے ہیں انھوں نے وضو کی معافی بیان کی ہے۔ اس عالم کا ارادہ ہوا کہ

دین پہنچانے آیا ہوں خواہ اس میں کتنا وقت ہی لگ جائے ،ان کو دین پر لگاؤں گا پھر گھر واپس جاؤں گا۔ کچھ وقت اس طرح گزرتا رہا کہ لوگ بے وضو ہی نمازیں پڑھتے رہے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ جو حجاب تھا وہ ختم ہوگیا ہے، اب نماز کے لئے ان میں کچھ شوق پیدا ہوگیا ہے تو اب ان کو بتانا چاہیے،تو خطبہ ارشاد فرمایا'' يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ '' عالم نے کہا کہ جی مجھ سے بڑی غلطی ہوئی کہ میں نے کبھی پہلے چند پارے پڑھ لیے اور کبھی آخر کے چند پارے۔ چھٹا پارہ جب آج میرے سامنے آیا تو اس میں میں نے دیکھا کہ اللہ پاک تو ہمیں حکم دے رہا ہے کہ وضو کیا کرو پاک وصاف ہو کر اللہ سے ملاقات کیا کرو بھئی یہ تو واقعی ہی مسئلہ نکلا۔

لوگوں نے کہا آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ واقعی قرآن میں وضو ہے؟ تو قرآن کو عالم نے ان کے سامنے کر دیا تو لوگوں نے کہا کہ اگر وضو واقعی ہی ضروری ہے تو پھر ہمیں اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔ ایک ہی دن میں پانی کا انتظام ہوگیا اور تمام لوگ وضو کرنے لگے۔

بات یہ ہے کہ ہم اللہ کا قانون تو بیان کر دیتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ جس کے سامنے میں یہ قانون الٰہی بیان کر رہا ہوں وہ اس کو لینے والے بھی ہیں یا نہیں۔ ہمارے ایک بزرگ صوفی ولی محمد صاحب تھے۔ ایک جہالت کے علاقے میں پہنچے وہاں سب لوگ گیارہویں شریف اور تیجہ ساتواں کرنے والے تھے۔ انھوں نے سوچا کہ یہ لوگ اس پر اڑ چکے ہیں اس لئے یہاں اللہ اللہ کرنی چاہیے۔ وہ وہاں گول مول ہو کر نماز پڑھتے لیکن انھوں نے دم جھاڑے کا کام شروع کر دیا۔ جس پر آج بہت فتوے لگ گئے ہیں حالانکہ وہ ایک تبلیغ کا ذریعہ ہے۔ اگر نہیں کرے گا تو وہ ایک پیر صاحب کے پاس جائیں گے۔ وہ کہے گا کہ کالے رنگ کا بکرا ذبح کرواور اس کا سر جنگل میں پھینک دو تا کہ بلائیں اسے کھانے میں مصروف ہو جائیں اور تمہیں بھول جائیں۔ صوفی ولی محمد صاحب نے دم جھاڑے کا کام شروع کر دیا۔ بے شمار لوگ آنا شروع ہو گئے۔ اوران کے مرید ہوئے جب دیکھا کہ اب یہ لوگ ہماری بات مانیں گے۔ تو انھوں نے بتایا کہ انسان کا علم کمزور ہے اور بہت سی باتیں میرے علم میں بھی نہیں تھیں اور مجھ میں طاقت بھی نہیں تھی۔ آج میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اصل مسلک اہل حدیث ہے جو قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہیں، ادھر ادھر دیکھتے ہی نہیں ہیں تو اس لئے اگر آپ اللہ سے جنت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اللہ کے عذابوں سے بچنا چاہتے ہیں تو اس کا یہی طریقہ ہے کہ عقیدہ توحید اور اتباع

سنت اختیار کی جائے۔ وہ سارا علاقہ اہلحدیث ہوگیا اب اگر وہ پہلے جاتے ہی سب کچھ بیان کرتے تو ایک ہی دن میں ان کی چھٹی ہو جاتی۔

رائیونڈ کے قریب ایک اسٹیشن ''حلہ'' ہے وہاں ایک دہلی سے آنے والے حکیم صاحب ڈیرہ لگا کر بیٹھ گئے۔ ایک دن انھوں نے مجھے بتایا کہ جب میں یہاں آیا تو سب طرف گیارہویں اور دیگر بدعات عام تھیں۔ تو میں نے سوچا کہ اگر یہاں کام کرنا ہے تو مجھے خاموشی سے اور اپنے آپ کو ذرا بچا اور چھپا کے رکھنا پڑے گا انھوں نے بتایا کہ جب کوئی گیارہوں کی کھیر میرے پاس لاتا تو میں قبول کر لیتا پھر رات کو اس کو کتوں کے سامنے ڈالتا۔ پھر میں نے تعلیم دینا شروع کر دی۔ قاعدہ سے شروع کیا، پھر قرآن باترجمہ پڑھایا، جب مکمل ہوا تو میں نے پوری مشکوۃ بغیر نحوی وصرفی قوانین کے پڑھا دی۔ مجھے ایک دن میرے شاگردوں نے کہا کہ حضرت ہم نے قرآن وحدیث ترجمہ سے پڑھا ہے آپ ان کے خلاف عمل کرتے ہیں آپ کوئی مولوی ہیں انھوں نے کہا کہ جی میں کمزور مولوی ہوں، اگر میں سارا حق بیان کروں تو لوگ مجھے کان سے پکڑ کر باہر نکال دیں گے۔ تو بیٹا کیسے میں لوگوں کے سامنے حق بیان کر سکتا ہوں؟ طلبا نے کہا کہ استاد جی کون ہے آپ کو نکالنے والا؟ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور دل ودماغ سے سوچ کر پڑھا ہے اس لئے کسی کی بھی جرات نہیں ہوگی کہ وہ آپ کو یہاں سے نکال دے استاد نے کہا کہ اچھا اگر آپ سمجھ گئے ہیں تو پھر یہی عمل شروع کر دیں کہتے ہیں کہ جب شام کی نماز ہوئی تو تمام طلباء نے اونچی آواز سے آمین کہہ دی۔ تب سارے گاؤں میں شور پڑ گیا ان کے باپ دادا اور چچا آگئے انھوں نے کہا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ انھوں نے کہا: کہ آپ تو سنی سنائی باتوں پر عمل کرتے ہیں، ہم نے تو خود پڑھا ہے اور ہمارے پاس دلائل ہیں جس کو چاہو ہمارے سامنے لاؤ۔ آپ کے پاس تو قرآن وحدیث والا دین ہے ہی نہیں ہم نے تو خود پڑھ کر سوچا ہے اس لئے آپ کو بھی مان لینا چاہیے، ہم آپ کی اولاد ہیں اور آپ کے خیر خواہ ہیں۔ ایک ہی دن میں مسجد قرآن وسنت پر عمل کا گہوارہ بن گئی اور پورے گاؤں میں مسلک اہلحدیث پھل پھول رہا تھا۔

میرے بھائی! بعض مقامات ایسے ہیں کہ وہاں پورا پورا بیان حکمت کے خلاف ہوتا ہے پھر لوگوں میں گروہ بندی اور تقسیم ہو جاتی ہے، کچھ کو ہتھ کڑیاں لگ جاتی ہے وہی مولانا صاحب جو فرماتے ہیں کہ حق بیان کر کے رہوں گا، میں ٹانگیں توڑ دوں گا جب جیل سامنے نظر آتی ہے اور پولیس آتی ہے تو یہی مولوی صاحب

برقعہ پوش ہو کر بھاگ رہے ہوتے ہیں اس لئے موقع کے مطابق بات کریں۔ اللہ کو جس فرعون کے بارے میں علم تھا کہ وہ کفر کی حالت میں مرے گا اس کے بارے میں اپنے پیغمبروں کو ہدایت دی ہے'' قُولا لہ قَوْلاً لَّيِّناً لعَلَّه يتذَكَّرُ أوْ يَخْشٰى ''اس کو نرم انداز میں بات کہیں'' یہ تو وہاں نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے گا لیکن فرمایا: ''لعله'' یہی ایک طریقہ ہے جس کی وجہ سے وہ اپنا تزکیہ کر کے اپنے عقیدہ کو درست کر سکتا ہے، وہ پھر نیک عمل کر کے جنت میں جا سکتا ہے۔ جب کہ ہم لوگ کہتے ہیں کہ نہیں جی یہ کافر ہے، بے ایمان ہے، کتا بلا۔ ہم اس کا کیوں احترام کریں؟

کیا یہ خدا کو سمجھ نہیں آتی آپ کو سمجھ آتی ہے آپ ماشاء اللہ بڑے دینی دور میں اور بڑے غیرت مند ہیں، تو غیرت کو ذرا چھپا کے رکھ لیں جب موقع آئے گا تو آپ کی غیرت بھی دیکھی جائے گی کہ وہ کیا گل کھلاتی ہے۔ لیکن کم از کم جو اس نے ہدایات دی ہیں، ان کا لحاظ رکھنا سب سے بڑی بات ہے۔

کثرت ذکر اللہ:

داعی کے لئے سب سے زیادہ مددگار اور معاون چیز یہ ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لے۔ اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا'' فَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَى ''(طه: ١٣٠) اے پیارے حبیب! آپ کو غم تو ہوتا ہے جو لوگ آپ کے خلاف بکواس کرتے ہیں، جھوٹ بکتے ہیں کبھی کذاب، کبھی ساحر اور کبھی آپ کو مجنون کہتے ہیں۔ اس کا دل پر بوجھ تو پڑتا ہے لیکن فرمایا کہ اس بوجھ کو ہلکا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کا ذکر کیا کرو اور خصوصی اوقات میں زیادہ توجہ دو۔ ساتھ ہی فرمایا'' لعلك ترضى '' اس سے آپ کو امید پیدا ہو سکے گی کہ ہم آپ کو کیا دیں گے، آپ کو خوشی نصیب ہوگی۔ لوگ آپ کو پریشان کریں گے، آپ پر طرح طرح کی زیادتیاں کریں گے اور آپ ان کے حق میں اتنا بلند حوصلہ فرمائیں گے کہ ان کو معاف کرنا زیادہ پسند کریں گے، اور ان کے حق میں ہدایت کی دعائیں کریں گے۔ ہم نے اپنے اساتذہ کو دیکھا ہے، ہمارے استاد محترم محدث گوندلوی رحمہ اللہ جب ہمیں مدرسہ میں پڑھاتے تھے ہم نے دیکھا کہ وہ صبح کی نماز کے بعد سورج کے طلوع تک وہاں بیٹھے اللہ کا ذکر کرتے رہتے۔ لیکن ہم اپنے بارے میں محسوس کریں تو حقیقت ہے کہ ہم اس مسئلہ میں بہت کمزور ہیں۔ لیکن اصل بات یہی ہے کہ روحانی قوت

اسی سے ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان اوقات میں اپنی خصوصی مدد سے نوازتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ کے بارے میں مجھے کسی نے بتلایا کہ وہ کافی اونچا سورج آنے تک ذکر میں بیٹھے رہتے حالانکہ انہوں نے ماشاء اللہ کتنی زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن وہ اتناذکر کرتے، کہتے کہ یہ میری جان ہے اگر میں اتناذکر نہ کروں تو جان کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے، ہوسکتا ہے میں ختم ہو جاؤں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہی فرمایا: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْراً كَثِيراً وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلاً '' اور اس کا انعام بتایا کہ فرشتے ان کے حق میں دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ اندھیروں سے نکلنے کا طریقہ یہی ہے کہ ذکر کثرت سے کیا جائے۔ میدان جنگ میں لڑنے والوں کو نبی کریم ﷺ کی نصیحت تھی کہ آپ لوگ لڑائی کا سوال نہ کریں ''لا تتمنوا لقاء العدو'' کہ دشمن کے مقابلے کی خواہش نہ کرو لیکن اگر موقع بن جائے تو ثابت قدم رہو اور لڑو لیکن ساتھ ہی فرمایا'' واذکرو اللہ کثیرا لعلکم تفلحون ''تم ہتھیار کا استعمال اور اپنی مردانگی کا اظہار کرو لیکن ان باتوں پر اعتماد نہ کروں بلکہ یہ سمجھو کہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہوں اس لئے وہ میری مدد فرمائے گا۔ جب ہم اللہ کا ذکر کریں گے تو اللہ کی مدد آئے گی۔ جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد'' فانتشروا فی الارض ''رزق کو تلاش کرو، رزق کو اللہ نے فضل فرمایا ہے کہ یہ تمہاری محنت کا پھل نہیں ہے یہ تو ہماری مہربانی ہے۔

کثرت ذکر عالم دین کے لئے بہت زیادہ ضروری ہے دیکھئے نبوت کے آغاز میں ہی نبی ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ آپ اتنی بڑی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد اب آپ کملی اوڑھ کر سوئیں گے تو آپ ذمہ داری پوری نہیں کرسکیں گے۔ اس لئے فرمایا'' قُمِ اللَّيْلَ إِلا قَلِيلا ''ساری رات کا قیام کرو، ہاں تھوڑا سا آرام بھی کرلو۔ ایک عالم دین کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ اس کا تعلق اللہ سے رہتا ہو کہ وہ نیند میں زیادہ وقت لگانے کی بجائے جاگنے میں زیادہ وقت لگائے۔ جہاں ہمیشہ ہم نے جاگنا ہے، اس کے لیے کچھ سامان جمع کرلیں۔ یہ فکر جب اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمائے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں ایسی مدد ملے گی کہ انسان جن مراحل کو سمجھتا ہے کہ میرا پرسان حال اور سہارا نہیں ہے وہاں اللہ ہمارا سہارا اور کارساز بن جائے گا، جو میدان مشکل ہوگا وہ آسان تر ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے اور اس کی پوری پوری سمجھ عطا فرمائے کہ ہمارے بولنے، گفتگو کرنے اور سیکھنے سکھانے کا انداز بھی پیارے مصطفیٰ ﷺ جیسا ہو جائے۔ اس کے بعد ان

شاءاللہ آپ خود اپنے اندر وہ سکون محسوس کریں گے جو اللہ تعالی دین والوں کو دیا کرتا ہے اللہ دنیا میں بھی انہیں ایسے انعامات سے نوازتا ہے کہ جب سارا جہان پریشان ہوتا ہے وہ علماء مطمئن ہوتے ہیں" لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون "اس کا تعلق صرف آخرت کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اس دنیا کے ساتھ بھی ہے آپ کو اللہ تعالی ہر غم سے نجات دے گا۔ ان مختصر الفاظ میں میں نے اپنے فریضہ کو ادا کیا ہے۔

اللہ تعالی ہم سب کو اپنے دین حنیف کی خدمت کے لئے قبول فرمائے آمین۔

عقیدہ، فقہ اور سیاست میں محدثین کا منہج

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر حفظہ اللہ

إنَّ الحَمْدَ للِّهِ، نَحْمَدُهُ، ونَسْتَعِيْنُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِن شُرُورِ أنفُسِنا، وَمِنْ سيئاتِ أعْمَالِنا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ، فَلا هَادِيَ لَهُ، وأَشْهَدُ أنْ لا إلٰهَ إلا اللّٰهُ وَحْدَهُ لا شَرِيكَ لَهُ، وأشهدُ أنَّ مُحَمَّدًا عبْدُه ورَسُولُه.

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلا تَمُوتُنَّ اِلا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: ١٠٢) ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء: ١) ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (الأحزاب: ٧٠، ٧١)

اللّٰهم صلى على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد. اللّٰهم بارك على محمد وعلى آل محمد كمابارکت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد.

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (الانعام: ١٥٣)

اللہ رب العزت کی حمد وثنا جیسے اس کی عظمت کے لائق ہے اور سیدنا رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر صلوٰۃ وسلام کے بعد:

آپ حضرات دو دن سے مسلسل علم وعرفان کی بارش سے مستفید ہو رہے ہیں اور معلوم ہے کہ محترم حافظ محمد یحییٰ عزیز حفظہ اللہ کا ہر محاضرہ حیات طیبہ کا دستور العمل ہوتا ہے اور پھر مولانا ارشاد الحق حفظہ اللہ کے

ارشادات جو ہمیشہ حق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں آپ سماعت فرما چکے ہیں، اور حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ کا محاضرہ سننے کی سعادت بھی حاصل کر چکے ہیں۔

اتنا کچھ ــــــ اور اس کے ساتھ یہ کہ آپ اللہ کے فضل وکرم سے طلبۃ العلم ہیں اور اساتذہ بھی۔ نیز علم سے آپ کا گہرا تعلق بھی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس صورتحال میں میں آپ کے علم میں کچھ اضافہ کر پاؤں گا۔ احباب کا اصرار اور ان کا حسنِ ظن اور مہربانی ہے کہ انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا اور اساطینِ علم وفضل کی اس مؤقر مجلس میں یہاں بٹھا دیا ہے۔ اللہ رب العزت سے توفیق کا طلب گار ہوں کہ کوئی کلمۂ خیر منہ سے نکل جائے جو میری اور آپ کی نجات کا باعث بن جائے۔

اصل موضوع پر بات چیت سے قبل میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ''منہج'' کی تعریف اس کی اہمیت وضرورت کے بارے میں مختصر سی تمہیدی گفتگو ہو جائے، نیز محدثین کرام یا اہل الحدیث کی حقیقت اور ان کے اس مبارک نام کی وجہ تسمیہ بھی معلوم کر لی جائے اور ان کا حدود اربعہ بھی متعین کر لیا جائے، تاکہ اصل موضوع کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو سکے۔

مصطلحات اور موضوع سے متعلقہ متداول الفاظ کی توضیح وتشریح اور ان کے مفہوم ومعنیٰ کی تعیین کسی بھی علمی موضوع کا بہترین مدخل ہوتی ہے اور یہی اہلِ علم کا طریق کار ہے۔ طلبۂ علم کو ہمیشہ اس کا تتبع کرنا چاہیے ورنہ موضوعاتی گفتگو اور بحث تشنہ اور بے نتیجہ رہ جاتی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

تو آیئے سب سے پہلے ''منہج'' کے بارے میں بات کرتے ہیں۔

عصر حاضر میں یہ لفظ بکثرت استعمال ہونے لگا ہے اور اہل علم کے ہاں اس نے ایک مخصوص علمی کام اور اس کے طریق کار کے لیے اصطلاح کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

منہج کی لغوی تعریف

النهج: الطريق الواضح، والجمع نهوج ونهاج وهو المنهج والجمع مناهج ("جمهرة اللغة"ابن دريد محمد بن الحسن البصرى الازدى)

"المنهاج كالمنهج ....والمنهاج الطريق الواضح .... والنهج الطريق المستقيم ونهج الأمر وأنهج لغتان اذا وضح" (لسان العرب، ابن منظور الأفريقي، محمدبن مكرم الأنصاري)

"النهج الطريق الواضح كالمنهج والمنهاج.... والفعل كفرح وضرب ....وأنهج وضح"
(القاموس المحيط والقابوس الوسيط ، الفيروزآبادى ، محمد بن يعقوب الشيرازى)

اہل لغت کی ان تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

نَهْج ، مَنهج ، مِنهج، منهاج کے الفاظ واضح اور روشن راستے پر بولے جاتے ہیں اور سیدھی راہ کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں ،جمع کے لیے نہوج ،نہاج اور مناہج کے الفاظ ہیں۔

باب فَعِلَ اور فَعَلَ عین کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ آتا ہے۔نَہَجَ مجرد اور أنْهَجَ مزید فیہ ایک ہی معنی کے لیے دو لغتیں ہیں۔یعنی نَہَجَ اور أنْهَجَ دونوں کا معنیٰ "وَضَحَ" ہے۔

منہج کی اصطلاحی تعریف

ا۔ "المنهج" هو خطوات يتخدها الباحث لمعالجة مسألة أو أكثر يتبعها للوصول إلى نتيجةٍ "۔

(الصحاح فى اللغة والعلوم ، نديم العشرى واسامه مرعشلى ، ط:دار الحضارة،بيروت ،ص: ١٢٠٩)

۲۔ المنهج اصطلاحاً "هو الطريق المؤدى إلى الكشف عن الحقيقة بواسطة من القواعد العامة تهيمن على سير العقل وتحدد عملياته حتى يصل إلى نتيجة معلومة "(مناهج البحث العلمى ، عبدالرحمن بدوى ، وكالة المطبوعات الكويت،ص:٥)

امام قرطبی نے اپنی تفسیر "الجامع لأحكام القرآن" میں ابوعبید سے نقل کیا ہے" المنهاج الطريق المستمر" ایسے ہی انھوں نے ابوالعباس محمد بن یزید (المبرد) کے حوالے سے لکھا ہے۔ " الشريعة ابتداء الطريق ، والمنهاج الطريق المستمر" اور حضرت ابن عباس اور حسن وغیرہما کے حوالے سے لکھا ہے "شرعة و منهاجاً ، سنة و سبيلاً "یعنی سنت اور اس پر مسلسل چلنے کا طریق کار۔

آسان ترین الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ منہج یا منہاج مسائل حل کرنے کے طریقۂ کار کو کہتے ہیں۔ جو دو اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔

أ: بنیادی اصول وضوابط کا تعین۔

ب: ان اصول وضوابط کے مطابق مسئلہ یا مسائل کو حل کرنے کا علمی طریقۂ کار۔

گویا علمی وفکری جد وجہد میں بہتر نتیجے اور حق تک رسائی کے لیے صحیح منہج اختیار کرنا انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ صحیح اصول وضوابط کی تعیین اور فہم وبصیرت کے سفر میں مسلسل ان کی پابندی سے ہی انسانی عقل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اور اسے راہ راست سے بھٹکنے اور بے لگام ہونے سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ کتاب وسنت سے ثابت صحیح اصول وقواعد کی روشنی میں علمی بحث وتحقیق، صحیح نتیجے تک پہنچنے کا محفوظ ومامون راستہ ہے۔

محدثینِ کرام نے ہر شعبۂ زندگی کے مسائل حل کرنے کے لیے اور ہر علمی موضوع میں حق تک رسائی کے لیے یہی محفوظ راستہ اختیار کیا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بھی ''صراطِ مستقیم'' کے نام سے:

أ۔ یہی راستہ اختیار کرنے

ب۔ اور ہمیشہ اس پر قائم رہنے کی تعلیم دی ہے۔

اور دین ودنیا کے جملہ امور ومعاملات میں اس سے بڑھ کر واضح، روشن اور سیدھا راستہ کوئی نہیں ہے۔

اس لیے اہل علم کہتے ہیں کہ

''جو شخص قرآن کریم کا طریقہ استدلال اختیار کرے، دلیل دینے اور دلیل قبول کرنے میں انبیاء کرام کے طریقے کی پیروی کرے۔

۱۔ اس کا دل مطمئن ہوتا ہے۔

۲۔ دلیل مضبوط ہوتی ہے۔

۳۔ اور اپنے فریقِ مخالف پر ہمیشہ غالب رہتا ہے۔

اس لئے کہ اس کا اعتماد معصوم خبر اور دلیل پر ہوتا ہے اور اس کا استدلال عقلِ صحیح اور فطرت سلیم کے عین مطابق ہوتا ہے۔'' (مذکرۃ التوحید، عبدالرزاق عفیفی)

منہج محدثین کا کہہ لیں یا اس جماعت اور گروہ سے بالاتر ہو کر تمام مسلمانوں کا کہہ لیں ہر باب اور

ہر میدان اور ہر شعبۂ زندگی میں ایک ہی ہے اور وہ ہے صراط مستقیم۔

میرا خیال ہے کہ اس مسئلہ میں دو آراء نہیں ہوسکتیں۔ اور یہ ایسا عظیم الشان منہج ہے۔ اور اس قدر عظیم المرتبت طریق کار اور راستہ ہے جس کے لیے ہم اللہ رب العزت سے ہر نماز کی ہر رکعت میں سب سے بہتر طریقہ اختیار کر کے دعا مانگتے ہیں۔

آپ جانتے کہ قرب الٰہی اور توسل اِلی اللہ کے تین ہی بہترین طریقے ہیں جو کتاب اللہ وسنتِ رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔

۱۔ اللہ سے اس کے اسماء وصفات کا واسطہ دے کر مانگنا۔

۲۔ اپنے ایسے اعمال کا واسطہ دے کر مانگنا جو خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے کیے گئے ہوں۔

۳۔ دعا کے ذریعہ مانگنا۔

اللہ نے اپنے بندوں کو سورہ فاتحہ میں جو تعلیم دی ہے، اس میں یہ تینوں طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔ فرمایا:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ☆ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ☆ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾

''سب تعریفیں تمام جہانوں کے رب، بڑے مہربان، نہایت رحم والے، روزِ جزا کے مالک اللہ ہی کو لائق ہیں۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا واسطہ دیا گیا ہے۔

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

''اے رب! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔''

اس میں اپنی مخلصانہ عبادت سے توسل اختیار کیا گیا ہے۔ اس کے بعد مانگا گیا ہے: ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ ''ہم کو سیدھے رستے پر چلا'' صراط مستقیم اس قدر اہمیت کا حامل راستہ اور اتنا عظیم الشان منہج ہے کہ یہی ہر مسلمان کا طریقہ اور طرز عمل ہے کوئی شخص بھی اس سے صرفِ نظر کر کے دنیا وعقبیٰ کی کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوسکتا۔

یہ طریق اس قدر وسیع ہے کہ ساری دنیا بھی اس پر چلے تو تنگ نہیں پڑتا۔ اور اتنا واضح ہے کہ

لیلھا کنھارھا (سنن ابن ماجه :٤٣) رات دن یہاں برابر ہیں۔ یہ اس قدر واضح، روشن، وسیع اور نہایت ہی بین راستہ ہے کہ اس پر چلتے ہوئے گمراہی کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لَا یَزِیغُ عَنْهَا بَعْدِی اِلَّا هَالِكٌ۔ تو یہ راستہ یعنی صراطِ مستقیم کیا ہے؟

صراطِ مستقیم کیا ہے؟

صراط مستقیم کی بہت ہی مختصر اور ایسی تعریف جو ہر وقت ہر طالب علم کے دل و دماغ میں رہنی چاہیے اور جہاں موقع ملے اللہ کے بندوں تک پہنچا دینی چاہیے اور خود بھی دہرا لینی چاہیے۔" ھو العلم النافع و العمل الصالح" ''صراطِ مستقیم علمِ نافع اور عملِ صالح کا نام ہے۔''

علم نافع سے مراد:" ما جاء به رسول الله ﷺ من الکتاب و السنة" ''رسول اللہ ﷺ جو کچھ کتاب اللہ اور اپنی سنت مطہرہ کی شکل میں لے کر تشریف لائے۔''

عمل صالح سے مراد:" التقرب إلى الله سبحانه و تعالیٰ بالاعتقادات الصحیحة و أداء الفرائض و النوافل و الاجتناب من المنهیات و القیام بحقوق الله و حقوق عباده"

''صحیح عقائد اختیار کر کے، فرائض اور نوافل ادا کر کے قربِ الٰہی حاصل کرنا، ایسے ہی ممنوع امور سے اجتناب کرنا اور اللہ کے حقوق اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے کا پورا پورا اہتمام کرنا۔''

اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ

"وذلك لایتم إلا بالإخلاص التام لله سبحانه و تعالى و بمتابعة الرسول ﷺ۔فالدین کله یدور على هذین الأصلین ۔ الإخلاص و المتابعة"۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے مکمل اخلاص اور جناب رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ سارے دین کا دارومدار ان ہی دو بنیادی اصولوں پر ہے۔ اخلاص اور اتباع'' اور یہی صراط مستقیم ہے۔''فمن فاته الإخلاص وقع فی الشرك و من فاته المتابعة وقع فی البدعة" ''جس میں اخلاص کا فقدان ہو وہ شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگر اتباع نہ رہے تو بدعت کے قعرِ مذلت میں جا گرتا ہے۔'' لہذا بالاختصار یہی ''العلم النافع والعمل الصالح'' صراط مستقیم ہے۔

اور اگر قرآن کریم کی روشنی میں مزید غور وفکر کریں اور توجہ دیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ صراط مستقیم اصل میں اتباعِ رسول ﷺ ہے یعنی سنت رسول ﷺ کی پیروی ہی کا نام ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے کافی حد تک واضح ہو جاتا ہے۔

﴿ وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (الأنعام: ١٥٣)

''اور یقیناً میرا سیدھا راستہ یہی ہے سو تم اسی کی اتباع کرنا اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا وہ تمھیں اس راستے سے الگ کر دیں گے، اللہ تم کو اس کا حکم دیتا ہے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔''

اور یہ مسئلہ اس سے بھی زیادہ سورہ الصافات کی اس آیت مبارکہ سے واضح ہو جاتا ہے۔

﴿ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَى مُوسَى وَهَارُونَ ☆ وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ☆ وَنَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ☆ وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ ☆ وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (١١٤-١١٧)

''اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا، اور ان کی قوم کو بڑی کربناک مصیبت سے نجات دی، اور ان کی مدد کی تو وہ غالب ہو گئے اور ان کو روشن کتاب دی، اور ان کو ہم نے سیدھے راستے پر چلایا۔''

'' وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ '' کتاب مستبین کے بعد آگے ذکر کیا ہے'' وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ'' اس سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ صراط مستقیم اصل میں اتباع سنت ہے اور سنت کی پیروی کا نام ہی صراط مستقیم ہے۔

ایک لطیف نکتہ

جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ سنت قرآن کی اتنی محتاج نہیں جتنا قرآن سنت کا محتاج ہے اس طرح نہیں بلکہ اس طرح کہنا چاہیے کہ

''ہم جس قدر سنت کو سمجھنے کے لیے قرآن کے محتاج ہیں اس سے زیادہ سنت کے محتاج ہیں قرآن کو سمجھنے کے لیے۔'' اپنے احتیاج کی بات کرنی چاہیے اس لیے کہ قرآن کریم اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی طرف احتیاج کی نسبت حقیقی ہو یا مجازی، لفظی ہو یا معنوی ذوق

سلیم پر سخت گراں گزرتی ہے اور طبیعت اس سے اِبا کرتی ہے۔ اولاً جس نے یہ بات کہی ہے مقصد اس کا بھی یہی ہو گا۔

الغرض ہم جس قدر قرآن کو سمجھنے کے لیے سنت کے محتاج ہیں اتنے سنت کو سمجھنے کے لیے قرآن کے محتاج نہیں ہیں۔ اس لیے کہ جو لوگ حدیث کے مقام ومرتبہ کے بارے میں پست ذہنی کا شکار ہیں اور اس کا درجہ بیان کرنے میں حدود سے بہت تجاوز کرتے ہیں وہ بھی اسے شرح کہتے ہیں تو شرح کو سمجھنے کے لیے متن کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی جتنی متن کو سمجھنے کے لیے شرح کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ شرح بھی من جانب اللہ بواسطہ رسول ﷺ اور وحی ہے اور صرف امدادی اور اضافی نہیں ہے بلکہ لازمی اور قرینِ قرآن اور اس کے فہم کے لیے ضروری اور دین کا جز ولاینفک ہے۔

سو صراط مستقیم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا نام ہے۔ صراط مستقیم اخلاص اور متابعت رسول کا نام ہے۔ صراط مستقیم علم نافع اور عمل صالح کا نام ہے۔ اب ساری دنیا کا دعویٰ ہے کہ ہم صراط مستقیم پر ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ محدثینِ کرام کی جماعت صحیح معنوں میں صراطِ مستقیم پر گامزن ہے۔ اس حقیقت کا جائزہ لینے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ محدثین جن کے منہج اور طریق علم وعمل کی ہم بات کر رہے ہیں یہ کون ہوتے ہیں، اور ان کی تعریف کیا ہے؟ اس سے ان کے منہج کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔

محدثین کا تعارف اور سلسلۂ اسانید

محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کا حفظ وروایت کا سلسلہ مبارکہ اسانید پر قائم ہے۔ سند کا مطلب ہے: "نقل الثقة عن الثقة يبلغ به النبي ﷺ يخبر كل واحد منهم باسم الذي أخبره ونسبه وكلهم معروف الحال والعين والعدالة والزمان والمكان" (الفصل لابن حزم ج ۲ ص ۸۲)

"ثقہ وقابل اعتماد راوی کا اپنے جیسے ثقہ وقابل اعتماد راوی سے نقل کرنا اسی طرح نبی علیہ السلام تک یہ سلسلہ پہنچائے، ان میں سے ہر راوی جس سے نقل کرے اس کا نام ونسب بتائے، اور وہ سب رواۃ اپنے ذاتی حالات، اپنی شخصیات، اپنی عدالت (دیانت وامانت) اور زمان ومکان کے اعتبار سے معروف ہوں۔"

رواۃ کے تعارف کا یہ اہتمام اس لیے کیا گیا کہ جائزہ لیا جا سکے کہ بیانِ کتاب وسنت میں ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ قرآن وحدیث میں مقرر معیار کے مطابق جو لوگ قابل اعتماد اور ثقہ ہوں حصولِ علم میں ان پر اعتماد کیا گیا اور باقیوں کو غیر ثقہ قرار دے کر اس بزمِ علم میں دخل اندازی سے روک دیا گیا۔

ابن حزم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: "وهذا النقل خص الله تعالى المسلمين دون سائر الملل كلها" (أيضا) ''اخبار وآثار کے نقل کے اس سلسلہ سے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے صرف مسلمانوں کو ہی نوازا ہے۔ باقی تمام اقوام وملل اس سے محروم ہیں۔''

علامہ محمد بن حاتم بن مظفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "إن الله أكرم هذه الأمة وشرفها وفضلها بالإسناد وليس لأحد من الأمم كلها قديمها وحديثها إسناد" (فتح المغيث، ص:٣٣٤) ''بلاشبہ اللہ نے صرف اسی امت کو اسناد کی تکریم، شرف اور فضیلت سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ قدیم وجدید کسی امت کے پاس بھی سندیں نہیں ہیں۔''

علامہ ابو علی الجیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "خصَّ الله تعالى هذه الأمة بثلاثة أشياء لم يُعْطها من قبلها: الإسْنَاد والأنْسَاب والإعراب" (التدريب، ص: ٣٥٩) ''اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تین خصوصیات سے نوازا ہے جو اس سے قبل کسی کو نہیں دیں، اسانید، انساب اور اعراب''

معروف محدث امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لولا الاسناد وطلب هذه الطائفة (يعني أهل الحديث) له وكثرة مواظبتهم على حفظه لدرس منار الإسلام" (معرفة علوم الحديث: ٦) ''اگر سلسلۂ اسناد اور اس گروہ (اہل الحدیث) کے ہاں اس کو طلب کرنے اور کثرت اور ہمیشگی کے ساتھ اس کو یاد کرنے کا رواج نہ ہوتا تو اسلام کے منارۂ نور کی روشنی ماند پڑ جاتی۔''

اور امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا یہ فرمان تو ہر طالبِ حدیث کی زبان پر ہے۔ "لولا الإسناد لقال من شآء ما شآء" (مقدمه صحيح مسلم) ''اگر اسناد کا سلسلہ نہ ہوتا تو جو شخص جو چاہتا (دین کے نام پر) کہہ دیتا۔''

اور یہ بات کہ سلسلۂ اسانید امت محمدیہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، صرف دعویٰ نہیں بلکہ اپنی واقعاتی شہادتیں بھی رکھتی ہے۔ سابق امم کا دینی تعلیمات کا ذخیرہ بشمول کتبِ سماویہ اور ہمارے ہاں باستثناء فقہ الحدیث عمومی فقہ المذاہب کا ذخیرہ۔ جس میں کتاب وسنت پر مبنی مستند احکامِ شریعت تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اقوال الرجال کا کبھی نہ ختم ہونے والا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔

محدثین امت محمدیہ کا امتیاز ہیں

الغرض آسمان سے نازل ہونے والی کتاب وشریعت، اور اس شریعت کا نبی اور رسول علیہ السلام نے اپنے قول وفعل اور تقریر سے جو بیان کیا اسے اور اصل کتاب کو جو لوگ محفوظ رکھتے ہیں وہ محدثین کہلاتے ہیں، اور اس قسم کے لوگ پہلی امتوں میں نہیں تھے بلکہ یہ صرف امتِ محمدیہ کا امتیاز ہیں۔

البتہ سابقہ امتوں میں فقہاء بہت تھے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ضرورت سے زیادہ ہی تھے اسی لیے ان کے ہاں فقہ کا ذخیرہ وافر بھی ہے اور متداول بھی، جو ابھی تک چل رہی ہے۔ محدثین نام کی کوئی جماعت ان میں نہیں تھی۔ یہ جماعت اور مقدس گروہ پہلی امتوں کو نصیب نہیں ہوا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی آسمانی کتابوں کی روایت بھی محفوظ نہ رہ سکی۔

بلکہ اب تو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ یورپ اور امریکہ میں بحثیں ہو رہی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فی الواقع کوئی واقعاتی شخصیت تھے یا کوئی فرضی شخصیت ہیں؟

اور آپ جانتے ہیں کہ تورات اور انجیل کا تو متن تک محفوظ نہیں ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان امتوں کو یہ مقدس گروہ نصیب نہیں ہوا تھا جو دین وشریعت کی روایت کا اہتمام کرتا، سنت کی حفاظت کا انتظام کرتا، جو کچھ سنا اسے یاد کرتا اور من وعن آگے پہنچاتا، دین کے حفظ اور اس کی حفاظت میں دیانت وامانت کا ثبوت دیتا۔

جیسا کہ صحیح مسلم میں مروی ایک حدیث میں ذکر ہے۔

(عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم ﷺ قَالَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ

مُـؤْمِـنٌ وَمَـنْ جَـاهَـدَهُـمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الإِيـمَـانِ حَبَّةُ خَـرْدَلٍ) (صـحـيـح مسـلـم ، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهى عن المنكر من الايمان وأن الايمان يزيد وينقص وأن الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر واجبان)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس امت میں کسی نبی کو مبعوث فرمایا اس کے اپنی امت میں حواری اور اصحاب ہوتے تھے جو اس کی سنت پر عمل کرتے اور اسکے طریقہ کی اقتداء کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد کچھ ایسے ناخلف لوگ آتے جو کہتے تھے وہ کرتے نہیں تھے اور جو وہ کرتے تھے اس کا انہیں حکم نہیں تھا۔ (میری امت میں بھی ایسے لوگ ہونگے) تو جو شخص ان کے خلاف ہاتھ کے ساتھ جہاد کرے گا وہ مومن ہے اور جو ان سے زبان کے ساتھ جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو دل کے ساتھ ان کے خلاف جہاد کرے گا وہ بھی مومن ہے لیکن اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان باقی نہیں ہوتا۔''

اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ سابقہ امتوں کا معاملہ بہت ہی جلد بگڑ جاتا تھا۔ لیکن امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی خوش قسمتی ہے کہ اتنی صدیاں گزرنے کے باوجود محدثین کرام کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں ایک تو دین من وعن محفوظ ہے اور اس سے بڑی اللہ رب العزت کی مہربانی اور رحمت یہ ہے کہ وہ گروہ بھی آج تک موجود ہے جو دین کی حفاظت کا علمی فریضہ بھی ادا کر رہا ہے اور اس کی فکری ونظری اور علمی حفاظت کے ساتھ ساتھ اسے اپنی زندگیوں میں نافذ کر کے اس کی عملی حفاظت بھی کر رہا ہے۔ جس کی بدولت عہد نبوی اور عصر صحابہ وتابعین کا عکس ہر دور میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اور ایسا تا قیام قیامت ہوتا رہے گا، اس دین اور اس پر عمل کرنے والے اس مقدس گروہ کا دوام وثبات بذات خود اس دین کی حقانیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لا تـزال طـائفة من أمتى ظاهرين حتى يأتيهم أمر الله وهم ظاهرون (بخارى عن المغيرة بـن شـعبة عن النبى صلى الله عليه وسلم (رقـم ٧٣١١) ومسلـم (رقم ١٩٢١) وقال البخارى رحمه الله "وهم أهل الـعـلـم" ''میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ دلیل وحجت سے غالب رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آجائے گا اور وہ اسی طرح ظاہر وغالب ہونگے۔'' اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس سے

مراد اہل علم ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ قیامت تک یہ گروہ قائم رہے گا۔ إن شاء اللہ

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے اور لوگ یہ سوال پوچھتے ہیں کہ آخر ایک خاص گروہ کا یہ نام کیسے پڑ گیا؟ حالانکہ ساری دنیا حدیث پڑھتی اور پڑھاتی ہے۔ لغت اور لفظ کی حد تک جو شخص بھی حدیث پڑھتا اور پڑھاتا ہے، وہ محدث کہلا سکتا ہے۔ لیکن یہ نام ایک خاص طبقے تک کیوں محدود ہو گیا؟ اس امتیاز اور اختصاص کی وجہ کیا ہے؟

اس کا پس منظر انتہائی مختصر الفاظ میں:

اسلام غالب رہنے کے لیے آیا ہے

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جب اسلام پوری دنیا میں پھیلا اور روشن ہوا، خوش نصیبوں کو اللہ رب العزت نے دین عطا فرمایا اور وہ ایمان لے آئے جبکہ بدنصیب جلنے لگے کہ یہ دین اس قدر کیوں پھیل رہا ہے۔

اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام اس قدر داخلی اور ذاتی دلائل اور قوت رکھتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹا سکتی ہے اور نہ زیر کر سکتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے غلبہ سے مراد ہی دلیل کا غلبہ ہے کہ دلیل کے ساتھ اسلام پر کبھی بھی کوئی غالب نہیں آیا اور نہ کبھی غالب آ سکتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ (الفتح: ۲۸) ''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے ہر دین پر غالب کرے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے گواہی دینے والا۔''

﴿ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ (الصف: ۹)

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اسے دوسرے تمام ادیان پر غالب کر دے اگرچہ مشرک اسے ناپسند ہی کریں''

بطور دلیل یہی کافی ہے کہ قرآن کریم ایک معجزہ ہے اور اس معجزے میں پھر بے شمار معجزے ہیں۔ سنت کی حفاظت بذات خود ایک معجزہ ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت آج تک ان معجزات کا مقابلہ نہیں

کرسکی اور نہ ہی اِن شاءاللہ کبھی مقابلہ کر سکے گی۔ معجزہ کہتے ہی اسے ہیں جو فریق ثانی کو مقابلہ کرنے سے عاجز ولاچار کردے۔ جس شخص کو اس عظیم اور واضح حقیقت کی سمجھ آجائے اور وہ اس کا اقرار واعتراف کر کے صاحب معجزہ پر ایمان لے آئے وہ خوش بخت وسعادت نصیب ہے اور جو مقابلے پر تُلا رہے اور اپنی سعی لا حاصل جاری رکھے نہ صرف یہ کہ وہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا بلکہ بالآخر دربار الٰہی میں عذاب الٰہی کا شکار ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ﴾ (سبا:۳۸)

''جو لوگ ہماری آیتوں میں کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں ہرا دیں وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے۔''

﴿وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِنْ رِجْزٍ أَلِيمٌ﴾ (سبا:۵)

''اور ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے کی جنہوں نے کوشش کی وہی لوگ ہیں جن کے لیے بدترین قسم کا دردناک عذاب ہے۔''

﴿وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ (الحج:۵۱)

''اور وہ لوگ جو ہماری نشانیوں کو پست کرنے کے درپے رہتے ہیں وہی دوزخی ہیں۔''

مسلمانوں کا نقصان ہو جانا اور بات ہے لیکن اسلام کا کبھی نقصان نہیں ہوا، البتہ حسد کرنے اور جلنے سڑنے کی گنجائش تو ہے۔ سو اسلام کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے چونکہ اسے دبایا نہیں جا سکتا۔ جبکہ اس میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ آخر اس کے لیے محنتیں ہونے لگیں اور فتنے پر فتنے رونما ہونے لگے۔

دوسری اور تیسری صدی میں تو مسلمانوں کو اس قدر فتنوں کا شکار ہونا پڑا۔ اہل حق اور منحرفین اہل بدعت کے مابین ایسا معرکہ بپا ہوا جس کے بیان کے لیے کئی مستقل محاضرات کی ضرورت ہے۔ بالخصوص معتزلہ اور جہمیہ کا فتنہ جو کہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ اس سے پہلے بھی جو فتنہ سر اٹھاتا تھا اس کی سرکوبی کے لیے اللہ رب العزت کی توفیق سے وہی لوگ سامنے آتے تھے جن کا حدیث نبوی سے مخلصانہ علمی وعملی تعلق تھا۔

دین کا دفاع

یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ سب سے پہلے اہل حدیث سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، انکی زندگی کا مطالعہ کرلیں، نص اور سنت پر مکمل اعتماد اور اس کی پیروی، اپنے اجتہادات اور رائے کو اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہ دینا، اس کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر انتہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مشکل وقت اور اہم موقع پر اللہ رب العزت نے ان کی راہنمائی فرمائی اور انھوں نے اپنے علم وعمل سے ثابت کیا کہ خلافت کے وہی اولین حق دار تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حل کرتے تھے۔ ضرب المثل مشہور ہے: "ردة ولا ابابكر لها"

اور یہی امتیاز ہے اہلحدیث کا۔۔۔۔ سب سے پہلے فتنہء ارتداد کھڑا ہوا تو اس کی سرکوبی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس جرات، ہمت اور دلیل کے ساتھ کی جس کی مثال ملنا مشکل ہے، جسے سب لوگ جانتے ہیں۔ عہد صحابہ کے بعد یہ منہج اختیار کرنے والے اہلِ حدیث کا بھی یہی امتیاز تھا۔ جب اسلام میں تشکیک پیدا کرنے کے لیے معتزلہ اور جہمیہ جیسے فتنوں نے سر اٹھایا تو اس کے مقابلے میں اہل سنت والجماعت (حسب توفیق جتنی اللہ نے کسی کو سمجھ اور ہمت دے رکھی تھی) سامنے آئے بالخصوص جب معتزلہ نے امیر المؤمنین مامون الرشید عباسی کے ہاں اثر ورسوخ حاصل کر کے اسے اپنے عقائد وافکار اور شاذ نظریات کا قائل کرلیا۔ جن میں سب سے اہم مسئلہ خلق قرآن تھا۔ اب بحث وجدل اور مباحثوں، مناظروں سے آگے بڑھ کر کڑا وقت آگیا تو جس استقامت کا مظاہرہ اہلِ حدیث نے کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بالضبط سنہ ۲۱۸ سے لیکر سنہ ۲۳۴ کے درمیان کا عرصہ گویا یہ معتزلہ کا عرصہ اقتدار تھا جس میں ان کے باطل نظریات اور خلافِ سنت عقائد کو نشر ہونے کا موقع ملا اور انہیں سرکاری سرپرستی حاصل رہی اور علماءِ اہلِ سنت کو حمایتِ حق کی وجہ سے صبر آزما مرحلے سے گذرنا پڑا۔ تا آنکہ امیر المؤمنین متوکل کا عہد خلافت آیا جو اہل السنہ کے عقائد ومنہج سے متفق تھا۔ اس کے بعد پھر سے جنگی معرکوں اور جسمانی سزاؤں کی بجائے علمی مباحث کا دور شروع ہوا اور اہل علم نے تصنیف وتالیف کے ذریعے حق کی

حمایت کی اور اسے نشر کیا۔ فتنے کے اس زمانے میں اہل السنہ کی نسبت حدیث کی طرف کی جاتی تھی اور انہیں اہل حدیث کہا جاتا تھا اور ان کے مدمقابل اہلِ بدعت تھے۔

حنابلہ اور اہلِ حدیث

پھر اس میدان میں قیادت کا شرف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا اور سنت کے دفاع کے لیے اہل باطل معتزلہ وجہمیہ اور حکومت وقت سے انھوں نے ٹکر لی تو صورت حال میں تبدیلی آ گئی۔

آپ جانتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس میدان میں کتنی مشکلات برداشت کیں اور مار کھائی۔ آپ امام اہل سنت اور امام اہل حدیث تھے، صاحبِ مسند اعظم بھی ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے ہم مسلک جو لوگ فتنوں کا مقابلہ کرتے تھے، کھرے اور خالص اسلام کے داعی اور علمبردار تھے لہذا جو لوگ صحیح عقیدے پر کاربند تھے اور اس کی تعلیم دیتے تھے وہ اہل سنت کہلانے لگے اور امام احمد کی سیادت وقیادت اور امامت کی وجہ سے انہیں حنابلہ بھی کہا جانے لگا تھا۔

اہل بدعت، معتزلہ اور جہمیہ کے مقابلہ میں اہل سنت، یا حنابلہ کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ پھر اللہ رب العزت کی توفیق سے وہ لوگ جو حفظ وروایت اور درس وتدریسِ حدیث میں مشغول تھے وہ میدان میں آ گئے انھوں نے کتب حدیث مرتب کیں، حفظ وحفاظت حدیث کا اہتمام کیا، کتاب وسنت کی روشنی میں عقائد پر کام کیا، اہلِ بدعت کا راستہ روکا، انکی شہرت محدثین یا اہل حدیث کے نام سے ہوئی، جن میں سرفہرت کتب ستہ کے مؤلفین خصوصاً ان کے سرخیل امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام محمد بن اسماعیل البخاری ہیں۔ ان حضرات کی محنتوں کی بدولت خالص اہلِ سنت کو اہلِ حدیث کہا جانے لگا۔ وہ دن اور آج کا دن اہلِ حدیث کا لفظ اور لقب خالص اسلام کے علمبرداروں کی ترجمانی کر رہا ہے۔

جس طرح امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فتنہ خلق قرآن میں آزمائش دیکھی اور مار کھائی، اسی طریقے سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بے حد مصائب وتکالیف برداشت کیں۔ آپ حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں۔ حتی کہ وہ لوگ جو اہل حدیث کی صفوں میں شمار ہوتے تھے، ان میں سے بھی کچھ اس فتنہ کا شکار ہو گئے۔ ان کی طرف سے بھی امام صاحب کو کچھ تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں۔ اس باب میں امام

ذہلی ایک بڑا اور معروف نام ہے۔ غفر اللہ لھم ولہ

خصوصاً امام بخاری رحمہ اللہ، حضرت عثمان بن سعید الدارمی، ابن ابی حاتم اور عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں بہت محنت کی، بہت کچھ لکھا اور اپنے علمی ترکہ میں بلند پایہ کتابیں بھی یادگار چھوڑیں۔ ان لوگوں کے میدان میں آنے کی وجہ سے پھر اہل سنت کی ترجمانی کے لیے حنابلہ کا لفظ پس منظر میں چلا گیا اور فتنوں کے مقابلہ میں جو لوگ میدان میں نکلے اور مکمل طور پر فتنوں سے محفوظ رہے، وہ محدثین کی جماعت کہلوائے۔ اور انہیں آج تک اہلِ حدیث کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، جو حقیقۃً اَہل السنہ کی متبادل تعبیر ہے۔

دوسری صدی کے آخر میں اور تیسری صدی کے شروع میں امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ جو طویل مدت تک معتزلہ کے ساتھ رہے تھے ان کو جانتے تھے، ان کے علوم بھی انھوں نے حاصل کیے تھے اور ان کی طرف داری بھی کرتے تھے اللہ رب العزت نے کسی حد تک انہیں ہدایت دے دی انھوں نے اپنے اعتزال کو چھوڑنے اور اہلِ سنت سے ملنے کا اعلان کر دیا۔

اسی دور میں ابومنصور ماتریدی بھی اہلِ سنت کے ساتھ میدان میں نکل آئے، ان دو اہلِ علم کے اہلِ سنت کے ساتھ ملنے کی وجہ سے اہلِ سنت کو تقویت تو بہت حاصل ہوئی کیونکہ ان کے متبعین اور تلامذہ بہت تھے اور ویسے بھی یہ حضرات معتزلہ اور جہمیہ کے داؤ و پیچ کو خوب جانتے تھے، مناظرہ کرنے کے ماہر تھے۔ لیکن وہ صفائے قلب اور خالص سنت کی پیروی جو محدثین کو میسر تھی وہ ان کو بھی میسر نہ آسکی۔ یہ بھی بعض صفات کے اثبات کے قائل ہو گئے لیکن بعض صفات کی تاویل کے قائل رہے کیونکہ انہیں شبہ تھا کہ ان کے اثبات سے تشبیہ لازم آتی ہے۔ لہذا تشبیہ سے بچنے کے لیے وہ اپنے پرانے سلسلے پر قائم رہے، ان کی وجہ سے کچھ اشاعرہ کہلانے لگے اور کچھ لوگ ماتریدی کہلانے لگے۔ معتزلہ اور جہمیہ تو پہلے ہی الگ تھے۔

اہلِ حدیث کی استقامت

اب ان ساری جماعتوں میں سے چھن کر اور بالکل صاف ستھرے ہو کر سو فیصد منہج صحابہ و تابعین پر

چلنے والے لوگ محدثین کہلوائے جن کے فہم اور توجہ کا مرکز حدیث تھی۔ اس لیے اس دور کے بعد سے اہلِ حق محدثین کہلوانے لگے۔ بلکہ یوں کہہ لیں کہ اہلِ سنت والجماعت کے حقیقی ترجمان اور عقیدے کے باب میں جن کا نقطہ نظر مکمل طور پر درست تھا، وہ محدثین کہلوائے اور انہیں آج تک اہلِ حدیث کے مؤقر لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ جو حقیقۃً اہلِ السنۃ کی متبادل تعبیر ہے اور حقاً متبادل بلکہ نعم البدل ہے۔

اس طرح چھلنی سے نکلنے کے بعد اور اس بھٹی میں کندن بننے کے بعد یہ نام محدثین کو حاصل ہوا، اور انہی محدثین کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ عقیدہ کے بیان میں جس قدر صاف گوئی اور حق کی پیروی ان کے ہاں ہے، اتنی کسی اور کے ہاں نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد بہت سارے ایسے لوگ جن کو واقعی ہم اساطین علم کہہ سکتے ہیں، اسلام کی خدمت کرنے والے، آئمہ کہلوانے والے وہ بھی ماحول سے متاثر ہونے کیوجہ سے ان بدعی لوگوں کی کثرت اور ان کے علمی دبدبے کی وجہ سے باوجود اس کے کہ وہ محدثین کی صف میں تھے، اشعریت کے فتنے کا شکار ہوئے، بلکہ ان میں ایسے ایسے نامور لوگ بھی ہیں جن کے متعلق عامۃ المسلمین کوئی تنقیدی بات سننا بھی پسند نہیں کرتے کیوں کہ ان کی خدماتِ حدیث کی وجہ سے جمہور امت کے دلوں میں ان کا ایک مقام ہے اور حدیث کے حوالے سے ان کی شہرت اور خدمت ہے۔

لیکن یہ تو نصیب کی بات ہے کہ اللہ رب العزت نے ایک مخصوص گروہ اور گنتی کے لوگوں کو ہر طرح محفوظ رکھا اور وہی حق کے حقیقی طرف دار اور صحیح عقیدہ کے علمبردار ٹھہرے۔ ان کی قیادت کا شرف امام بخاری اور اصحاب کتب ستہ رحمہم اللہ اور ان کے بعد ان حضرات کو حاصل ہوا جو ان کے منہج پر چلے اور ساتویں صدی ہجری میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے توفیق دی کہ انہوں نے اس منہج کو بہت ہی نکھار کر لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اس سلسلہ کی جو بھی غلط فہمیاں تھیں، ان کو حتی الامکان اور حسبِ توفیق دور کیا۔

ان معرکوں کے دور کے بعد اہلِ حدیث یا محدثین کا لقب ہر حدیث پڑھنے پڑھانے یا اس کی شرح لکھنے والے کے لیے نہیں رہا، بلکہ کتاب وسنت کے ساتھ مخلصانہ تعلق، ان کی غیر مشروط بالادستی اور سلف صالحین کا صحیح عقیدہ اہلِ حدیث کا امتیازی وصف قرار پایا۔ اور ایسے مخلص لوگ ہی اس لقب سے ملقب

ہیں۔ اسی لیے آپ دیکھیں کہ کتنے ہی شیوخ الحدیث کہلانے والے اور حدیث کے معروف شارحین اہلحدیث کہلانے کو اپنے لیے باعثِ عار سمجھتے ہیں اور اپنے تقلیدی مذاہب اور بدعی عقائد کی تائیدوحمایت میں پورازورصرف کرتے ہیں۔ إلا من رحم اللّٰه ۔

امید ہے کہ اس گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ محدثین کون ہوتے ہیں اورانہیں محدثین کیوں کہا جاتا ہے۔ اورہم اپنا انتساب یالوگ ہمارا انتساب ان کی طرف کیوں کرتے ہیں، اورہم اس کوقبول کیوں کر لیتے ہیں، اوراس پرنکیر کیوں نہیں کرتے؟

عقیدے کے بارے میں محدثین کرام کا منہج

اب آیئے اصل موضوع کی طرف کہ محدثین کا عقیدہ کے باب میں منہج کیا ہے۔؟ یوں تو عقیدہ کا باب بہت وسیع ہے لیکن ہم یہاں صرف اللہ رب العزت پر ایمان لانے کے بارے میں کچھ گفتگو کریں گے۔

عقیدے کے ساتھ تعلق کے چار مراحل اور درجات ہیں:

۱۔ مصدرِ تلقی اور منہجِ تلقی۔

۲۔ منہجِ قبول وعمل۔

۳۔ منہجِ دعوت وتبلیغ۔

۴۔ منہجِ تعامل (الولاء والبراء)۔

اور یہ نکات ہم نے سورۃ العصر کی روشنی میں متعین کیے ہیں۔

تو آیئے ان نکات پر مرحلہ وار بالترتیب گفتگو کرتے ہیں۔

۱۔ محدثین کا منہجِ تلقی

اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ محدثین کرام ایمان وعقیدہ کے مسائل کہاں سے حاصل کرتے ہیں؟ اور کیسے حاصل کرتے ہیں، یعنی دلیل اور استدلال کی نشاندہی۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ عقیدے کا باب تو بہت وسیع ہے۔ ہم اللہ پر ایمان یا مسئلہ صفات الٰہیہ کے بارے میں بالاختصار گفتگو کریں گے۔

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا کہ معتزلہ اور جہمیہ کی جدوجہد کے نتیجے میں مسلمانوں کے بعض حلقوں میں تشکیک پیدا ہوئی جو ابھی تک قائم ہے۔ یونانی فلسفہ آیا تو بات اس حد تک بڑھی اور اتنی جرأت پیدا ہوگئی کہ انسانوں نے اپنا تخیلاتی معبود خود بنانا شروع کر دیا جس معبودِ برحق کا تعارف انبیاء ورسل نے کرایا تھا اس کی ذات وصفات کے بارے میں بدعی عقائد نے ایک بڑے فتنے کی شکل اختیار کر لی۔ کتب

عقائد میں علماء مذاہب کے مقالات پر نظر ڈالنے سے فلاسفہ و متکلمین کے فکری انحراف اور صفات باری تعالیٰ کے بارے میں کج بحثیوں، گستاخیوں اور بوژ روائی عقائد کا صحیح نقشہ سامنے آتا ہے۔ اس کے لیے علامہ ابوالحسن اشعری کی مقالات الإسلامیین اور الإبانة ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

اس طرح ذات وصفات باری تعالیٰ کی معرفت اور ایمان باللہ کے اصل طریقہ کار یعنی کتاب وسنت کی نصوص میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طریقے سے اللہ رب العزت کی ذات اور اسکی نازل کردہ شریعت کے بارے اہلِ اسلام کے عقائد گدلا دیئے جائیں تاکہ معبود برحق کے بارے میں مسلمانوں کا مطلع ایمان دھندلا جائے اور سرمایہ یقین سے محروم ہو جانے کے بعد شریعت کی اہمیت خود بخود ان کے دلوں میں کم ہو جائیگی۔ معبود حقیقی کا مقام ومرتبہ ہی اس کی نازل کردہ شریعت پر عمل کے لیے جذبہ صادقہ پیدا کرتا ہے۔

کتاب وسنت ہی معرفت الٰہی کا واحد ذریعہ ہے

اسلام کا طرۂ امتیاز یہی ہے کہ اللہ رب العزت نے خود اپنا تعارف جو قرآن مجید میں اور محمد رسول اللہ ﷺ نے سنت میں کروایا ہے یہ تعارف اللہ احکم الحاکمین کا پوری دنیا میں کتاب وسنت کے علاوہ کہیں نہیں پایا جاتا۔ اللہ رب العزت پہلے یہ تعارف انبیاء کے ذریعے کروا چکے لیکن اس تعارف کو گدلا کر دیا گیا اور لوگوں کے ذہنوں سے مٹا دیا گیا۔ اپنی مرضی کی باتیں کتابوں میں شامل کر دی گئیں۔ سابقہ کوئی آسمانی کتاب بھی محفوظ نہیں رہی اور جو محفوظ ہے اب اسے غیر محفوظ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جو ایمان اللہ رب العزت کے بارے میں لوگوں کا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ان کی سوچ اور عقیدہ ہے۔ اس کی عزت وجلالت اور کبریائی جو لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے اس کو نکالنے کے لیے لادین عناصر شعوری اور دین کے حامل اہلِ علم غیر شعوری طور پر مصروف کار ہیں۔

﴿ فَإِنَّهُمْ لا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾ (الأنعام:٣٣)

’’یہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے بلکہ ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔‘‘

جس طرح کفار، حضرت محمد ﷺ کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ذات اور آیات کا انکار

کرتے تھے اسی طرح بظاہر نشانہ حدیث اور محدثین کو بنایا گیا ہے۔ اصل مقصود اللہ رب العزت کی عظمت اور جلال کو لوگوں کے دلوں سے ختم کرنا اور اس کی شریعت کو مٹانا ہے۔ خود غور کیجئے! اسماء وصفات باری تعالیٰ کا انکار یا انکی من مانی اور غیر مدلل تاویل جو انکار ہی کی ایک شکل ہے۔ اس میں فریق محدثین اور انکی جماعت ہے یا خود اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب ہے۔ حملہ حقیقت میں کتاب اللہ پر ہے مگر کتاب اللہ کی طرف سے مخالفین کے سامنے سینہ سپر محدثین اور ان کی جماعت ہے اس لئے بظاہر فریق بھی وہی ہیں۔ ﴿ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ﴾ (الفتح: ٢٦)

قرآن کریم کو مخلوق کہلوانے اور منوانے کے لیے بہت بحثیں ہوئیں، اس پر بہت زور لگوایا گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اللہ تو سرے سے کلام ہی نہیں کرتا اور نہ یہ اس کا کلام ہے، اگر اللہ کا کلام ہی نہیں تو شریعت کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ نبی کس لیے بھیجے؟ نبیوں کو اللہ نے کیا دیکر بھیجا اور ان سے کیا کہا؟ نبیوں نے لوگوں کو کیا سنایا؟ کلام اللہ کے انکار سے اور قرآن کریم کو مخلوق ماننے سے ساری بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔۔

امام اُحمد بن حنبل کی آزمائش

اس سے سمجھ آتی ہے کہ بظاہر دیکھنے میں یہ مسئلہ بہت ہی معمولی نظر آتا ہے اور اس معمولی سے مسئلہ کے لیے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے چار خلیفوں (مستعصم بربہ، مأمون، معتصم باللہ پھر واثق باللہ) سے سزا پائی اور مار کھائی، مارنے والے تھک گئے لیکن امام احمد رحمہ اللہ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔

امام صاحب کو بیڑیوں میں جکڑ کر لایا گیا انھوں نے راستہ میں دعا کی اللہ مأمون کا چہرہ نہ دکھانا۔ اللہ نے دعا قبول فرمالی۔ امام صاحب کے آنے سے پہلے ہی اسے دنیا سے اٹھا لیا گیا۔

پھر معتصم کا دورِ حکومت آیا وہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہتا تھا کہ مجھے اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ آپ سے پیار ہے، مجھے آپ سے بڑی محبت ہے لیکن آپ ہمارا عقیدہ تسلیم کرلیں اور جو درباری وسرکاری علماء کہتے ہیں اس سے اختلاف نہ کریں۔

اہلِ بدعت اس کے لیے تیار نہ تھے کہ نص کی ہر بات مانتے چلے جاؤ، یہ عقل وخرد اور دانش کے منافی ہے۔ یہ قدیم زمانے سے رواج ہے کہ متمسکین بالنص اور متمسکین بالکتاب والسنۃ کو ہمیشہ سے کم

عقل سمجھا جاتا ہے، یہ منافقین اور اہلِ بدعت کا مشترکہ مشغلہ ہے۔

اس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ہوا:

﴿وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (البقرة : ۱۳)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لائے تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں بھلا جس طرح بے وقوف ایمان لائے اسی طرح ہم بھی ایمان لے آئیں؟ سن لو کہ یہی بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔''

جو لوگ شریعت مطہرہ کی ہر بات غیر مشروط طور پر مان لیتے ہیں، ان کے بارے میں عقل پرست لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بے وقوف ہیں عقل کو کام میں نہیں لاتے۔ اتنا فلسفہ ہے، اتنے اچھے سے اچھے نظریات ہیں۔ سمجھ کے لیے اتنا مواد ہے کہ ہم خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ دنیا کیسے بنی ہے اور کیسے اسکی انتہا ہوگی؟ انسان کیسے پیدا ہوا؟ اور اس کا انجام کیا ہوگا؟ آغاز وانجامِ جہاں کی حقیقت کیا ہے؟ قدم وحدوثِ عالم کی فلسفیانہ بحثیں فلاسفہ کے غرور اور فکری انحراف کی غمازی کرتی ہیں۔ منافقین، فلاسفہ اور اہلِ بدعت کا خیال ہے کہ نصوص وحی کو فلسفیانہ توجیہات کے بغیر تسلیم کر لینا عالی دماغ اہلِ علم کے شایانِ شان نہیں ہے، یہ فکر ان تمام گروہوں میں قدرِ مشترک ہے، ان کے خیال میں نبوی تعلیمات صرف امی عربوں کے لیے ہیں۔

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (البقرة : ۱۴۲)

''احمق لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلے پر (پہلے سے چلے آتے) تھے (اب) اُس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے تم کہہ دو کہ مشرق ومغرب سب اللہ ہی کا ہے وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر چلاتا ہے۔''

جو لوگ اہلِ حق، اہلِ علم اور اہلِ ایمان کو بیوقوف کہتے ہیں اللہ رب العزت ان کے جواب میں ان کو بے وقوف کہتا ہے۔ اس لیے بظاہر دیکھنے میں خلق قرآن ایک معمولی سا مسئلہ لگ رہا تھا۔ حکمران اور ان کے حواری کہتے تھے یہ ہمارا چھوٹا سا مطالبہ مان لو تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نہیں،

ایسا نہیں ہوسکتا۔ امام موصوف خوب جانتے تھے کہ اس کے نتائج بڑے خطرناک ہیں۔

امام مروزی رحمۃ اللہ علیہ سمجھانے کے لیے آئے کہ اے امام عالی مقام یہ آپ کو مارنا چاہتے ہیں، صرف بہانے تلاش کررہے ہیں۔﴿ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ﴾ (النساء: ۲۹) ''اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔'' ﴿ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾ (البقرۃ: ۱۹۵) ''اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔''

خلقِ قرآن کا انکار کرکے آپ انہیں بہانہ فراہم نہ کریں تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام مروزی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا جاؤ باہر دیکھ کر آؤ کیا صورتحال ہے۔ امام مروزی رحمۃ اللہ علیہ باہر نکلے۔ واپس آکر انھوں نے بتایا کہ سب لوگوں کے ہاتھوں میں کاغذ اور قلم ہیں وہ انتظار میں ہیں کہ امام صاحب کیا کہتے ہیں تاکہ لکھ لیں آپ جو کہیں گے لکھ لیا جائیگا۔ اور جو لکھ لیا جائے گا اسے نشر کردیا جائے گا، وہ ان کے ہاں دین اور عقیدہ بن جائے گا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ (امام اہلِ السنہ) نے دربارِ خلافت میں اس عقیدے کا اعلان کیا تھا۔

فرمایا کہ کیا ان سب لوگوں کو گمراہ کردوں؟ جان دے سکتا ہوں، میں ان کو گمراہ نہیں کرسکتا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خیر خواہ نے استقبال کیا اور کہا امام محترم بات آپ کی ٹھیک ہے۔ جو کہتے ہیں وہ درست ہے لیکن لوگوں کی عقلیں انہیں قبول نہیں کررہیں تو کیا ضرورت پڑی ہے اتنا سخت فتویٰ دینے کی۔ تھوڑی سی تبدیلی کرلیں۔ تو فرمایا آگ سے ڈرتا ہوں، جو جانتا ہوں وہ نہ کہوں، جو میرا علم ہے اس کے مطابق میری زبان نہ ہلے یہ نہیں ہوسکتا۔

؎ یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

سو تشکیک پیدا کرنے کے لیے ایسا کیا گیا۔ بظاہر دیکھنے میں یہ چھوٹا سا مسئلہ لگتا ہے لیکن یہ چھوٹا مسئلہ نہیں اس سے تو شریعت کی بنیادیں ہلتی ہیں۔ اس سے آسمانی کتابوں کی حیثیت ختم ہوجاتی ہے۔ اس سے مسلمانوں کے دل میں اللہ رب العزت کا مقام ومرتبہ کم ہوتا ہے۔ جس بات سے اللہ رب العزت کے مقام ومرتبہ پر حرف آئے، محدثین وہاں خاموشی کیسے اختیار کرسکتے ہیں۔

اس لیے سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ دین لینا اور سیکھنا کہاں سے ہے؟ یعنی علم وہدایت کا ذریعہ کیا ہے۔؟

اس میں عقل حَکَم اور بالاتر ہے یا نصوص وحی اور شریعت کا فیصلہ قولِ فیصل اور حرفِ آخر ہے۔ عقل پرست اہلِ بدعت اور اتباع کتاب وسنت کے داعی محدثین کے مابین معرکے کا آغاز اسی نقطہ سے ہوتا ہے۔

عقل پرستی اور محدثین

ایک گروہ وہ ہے جو عقل پرست ہے۔ عقل پرستی اور خود پسندی ان پر اس قدر غالب ہے کہ ان کا خیال ہے کہ صرف ہم ہی عقل مند ہیں حالانکہ وہ عقل مند نہیں ہیں بلکہ یونانی فلسفہ کے اسیر ہیں ان کی اپنی کوئی فکر نہیں ہے۔ اپنی عقل ہو تو سمجھ آ جائے کہ ایک طرف ہمارا اللہ اور رسول ہے اور ایک طرف کفار وملحدین ہیں۔ کفار کی بات مانتے ہیں اللہ ورسول کی بات کیوں نہیں مانتے۔ عقل کا فیصلہ تو بڑا واضح ہے لیکن عقل سلیم ہو تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ ان کے پاس عقل سلیم نہیں ہے بلکہ عقل سلیم بھی کافی نہیں ہوتی۔ عقل کا استخدامِ سلیم بھی ضروری ہے۔ عقل بے لگام ہو جائے تو خیر کی بجائے ہلاکت کا سامان بن جاتی ہے۔ عقل کا استخدامِ سلیم اسے ہمہ وقت اور ہمہ جہت وحی الٰہی کتاب وسنت اور فہمِ سلف کے تابع رکھتا ہے۔

﴿وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾ (فصلت: ٣٥)

''اور یہ بات اُن ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کی دولت سے سرفراز ہیں، اور اُن ہی کے حصے میں آتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں''۔

سو محدثین کے منہج تلقی کی پہلی اساس کہ صحیح عقیدہ یعنی اللہ رب العزت کی ذات اور صفات کے بارے میں علم کہاں سے حاصل کرنا ہے۔؟

پہلی اور دوٹوک اصولی بات یہ ہے کہ عقل محض کو اللہ تعالیٰ کی صفات کے اثبات اور نفی میں کوئی دخل نہیں ہے، اسماء وصفات باری تعالیٰ کے بارے میں عقل ہرگز کسی فیصلے کی مجاز نہیں ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ جتنی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ ایجاد ہو، اپنے موجد کو کہاں جان سکتی ہیں۔ اس دور میں کمپیوٹر کتنی زبردست ایجاد ہے اور انسان کی تخلیقات میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ تو کیا کمپیوٹر انسان کو جانتا ہے۔ انسان جو اس کو دے گا وہی کرے گا۔ کمپیوٹر خود تو کچھ نہیں کر سکتا۔

اللہ احکم الحاکمین بندے کا خالق اور باری تعالیٰ ہے، اس نے اسے پیدا کیا ہے۔ بندہ جہاں بھی پہنچ جائے، جتنے بھی عقل کے گھوڑے دوڑا لے، اللہ کے بارے میں کیا جان لے گا؟ اتنا ہی جان سکے گا جتنا اللہ بتائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جو اپنا وصف بیان کیا ہے، اتنا ہی انسان جان سکتا ہے اور جو انسان اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے یا جس نے کوشش کی اس نے اپنے آپ کو ہلاک و برباد کیا ہے۔ اور حسرت و ندامت کے سوا اسے کچھ حاصل نہیں ہوا۔

﴿ اِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ اِنْ فِي صُدُورِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (غافر:٥٦)

''جو لوگ بغیر کسی دلیل کے جو اُن کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں اُن کے دلوں میں اور کچھ نہیں (ارادہٗ) عظمت ہے اور وہ اُسکو پہنچنے والے نہیں۔ تو اللہ کی پناہ مانگو، بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔''

اس لیے محدثین کا منہج سلیم ہے، تلقی میں، دین سیکھنے میں، عقیدہ وصفات الٰہی سیکھنے میں کہ عقل کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ جو اللہ نے اپنی ذات کے بارے میں نفی اور اثبات کے اعتبار سے بتا دیا ہے بغیر کسی جرح و قدح اور بحث و جدل کے اس پر کامل یقین ضروری ہے۔ عقل کا اتنا ہی کام ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں جتنی بڑی بات بتائے عقل سلیم ہو تو اس کا فیصلہ یہ ہونا چاہیے کہ اس کی عظمت و کبریائی ہماری حدِ ادراک سے اعلیٰ و بالا ہے۔

﴿ وَالَّذِينَ اِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴾ (الفرقان: ٧٣)

''اور وہ لوگ کہ جب اُن کو پروردگار کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو اُن پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور سے سنتے ہیں)''

جب قدرت کے اتنے مظاہر اور کارنامے دیکھ لیے ہیں جن کا شمار بھی ناممکن ہے، تو عقل سلیم کا فیصلہ یہی ہونا چاہیے کہ وہ ذات اپنے بارے میں جو بتائے وہی درست ہے اور جس چیز کی اپنی ذات سے نفی کرے وہ نفی بھی درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح طور پر فرمایا:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوری: ١١) ''اُس جیسی کوئی چیز نہیں، وہ

دیکھتا سُنتا ہے۔''

لٰہذا مصدرِ تلقی کے بارے میں محدثین کا اصول یہی ہے کہ عقل محض سے اللہ کے بارے میں کچھ ثابت نہیں ہوتا اور نہ کسی چیز کی نفی ہوتی ہے۔ اثبات اور نفی کے لیے اعتماد وحی الٰہی پر ہے۔ وہ وحی الٰہی کتاب اللہ کی صورت میں ہو یا سنت رسول ﷺ کی صورت میں۔

وحیِ الٰہی عقلِ انسانی پر حاکم ہے

گویا یہاں دو گروہ ہیں: **ایک** عقل کو وحی پر ترجیح دینے والے جن کا خیال ہے کہ انسان کو زندگی گزارنے، دنیا سمجھنے اور اپنے بارے میں جاننے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دل میں روشنی عطا کر رکھی ہے، نور دے رکھا ہے اور نور کے ذریعہ سے انسان سیدھی راہ تلاش کر سکتا ہے۔ اور چونکہ انسان کی عقل تام نہیں ہے کہیں نہ کہیں عاجز آ جاتی ہے اس عجز کو ختم کرنے کے لیے اس کی مدد کے لیے آسمان سے وحی آ جاتی ہے، سو مدد دینے والا مدد دیتا ہے، کسی کو ضرورت ہے تو مدد لے لے، نہیں ضرورت تو نہ لے۔ جہاں وحی اور عقل ٹکرائے تو عقل کو ترجیح حاصل ہے اور وحی مرجوح ہے اور اسے ثانوی حیثیت حاصل ہے۔

اس کے برعکس **محدثین** کے نزدیک الٰہیات و ایمانیات کے اثبات ونفی کے لیے عقل کو دخل نہیں ہے۔ عقل بھی اس ذات نے پیدا کی ہے جس نے وحی اتاری ہے۔ عقل اور وحی اگر کہیں ٹکرا رہے ہوں تو سمجھ لیں کہ عقل سلیم نہیں ہے، وحی درست ہے۔ اس باب میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت وقیع کام کیا ہے۔ دراء تعارض العقل والنقل ان کی اسی موضوع پر ایک معرکۃ الآراء کتاب ہے کہ اگر عقلِ سلیم ہو اور نقل صحیح اور ثابت ہو تو پھر ان میں ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ اور اگر کہیں ٹکراؤ نظر آ رہا ہو تو سمجھ لیں کہ عقل سلیم نہیں ہے، وہاں عقل کو چھوڑ کر وحی کو قبول کر لیں بشرطیکہ نصوص وحی صحیح اور ثابت ہوں۔

توحید اور علم کلام

منہج تلقی میں دوسری بات جو اس دور میں بہت منتشر ہو چکی تھی کہ علم کلام کو لوگ علم توحید سمجھنے لگے تھے اور آج تک سمجھا جا رہا ہے۔ آج تک ہمارے مدارس میں کچھ ایسی کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں جو علم کلام پر مبنی ہیں اور انہیں علم توحید کی کتب کہا جاتا ہے۔

آج کیا ہے، فقط اک مسئلۂ علم کلام (اقبال)　　زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی

علم توحید تو منزل من اللہ ہے۔ اس کی بنیاد وہ اساس وحی الٰہی اور آسمانی کتابیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے فرامین ہیں۔ جبکہ علم کلام لوگوں کے ساتھ بحث و جدل کی صورت میں معرض وجود میں آیا ہے، بھلا ان کے درمیان کیا مناسبت ہوسکتی ہے۔ یہ لوگوں کی بدقسمتی، کم فہمی ہے کہ علم کلام اور علم توحید دونوں کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔

محدثین کے ہاں اللہ رب العزت کے بارے میں وحی الٰہی سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ علم توحید کہلاتا ہے۔ اور علم کلام بحث و جدل کی صورت میں معرض وجود میں آیا اس میں بہت کچھ ٹھیک بھی ہے لیکن بہت کچھ غلط بھی ہے، علم کلام اور توحید دو الگ الگ علم ہیں۔

محدثین کا علمِ کلام

یاد رہے علم کلام بھی دو طرح کا ہے:

ایک منقول وماثور پر مبنی اور دوسرا معقول یعنی عقلی مفروضوں پر مبنی۔ اور جب ہم عقلی یا معقول کہتے ہیں تو اس سے مراد بھی یہ نہیں ہے کہ وہ محض عقل کی پیداوار ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ نے افہام وتفہیم کے لیے جس طرح عقل کو اہمیت دی۔ قرآن کریم میں بے شمار دلائل عقلیہ ہیں۔ قرآن کریم کے دیئے ہوئے عقلی دلائل واضح بھی ہیں، بین اور قابل اعتماد بھی ہیں۔ بہر حال علم کلام بھی دو طرح کا ہے۔ ایک معقول اور دوسرا منقول۔ فتنوں کی سرکوبی وحی الٰہی کے ذریعے کرنا یہ منقول اور ماثور پر مبنی علم کلام ہے۔ یہ قابل اعتماد ہے اور اس کی حیثیت بھی مسلم ہے اور یہ محدثین کے ہاں بحث ومباحثہ اور حل مسائل کے لیے متداول اور معتمد علیہ ہے۔ صحیح بخاری اور باقی کتب حدیث نکال کر دیکھ لیجئے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتب کا مطالعہ کر لیجئے ان تمام محدثین نے فتنوں کی سرکوبی وحی سے ثابت امور کے ذریعہ کی ہے۔ اور اس میں محنت کی ضرورت پڑتی ہے اس کے لیے ذہانت اور اخلاص چاہیے۔ جہاں تک عقلی علم کلام کا تعلق ہے تو آپ کے منہ میں بھی زبان ہے میرے منہ میں بھی زبان ہے۔ مخالفین کے منہ میں بھی زبان ہے جو چرب اللسان ہوگا وہ جیت جائے گا۔ یہی چرب لسانی ہے جس کی بنا پر ایک زمانے میں معتزلہ اور اشاعرہ علمی دنیا پر چھائے ہوئے تھے۔ محدثین کی شرافت اور

ان کا دین کے لیے اخلاص، دین کی سادگی اور تقید ہے کہ بندے کو مکمل طور پر اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کا پابند رکھنا پڑتا ہے۔ اس لیے ان کو نکتہ رس شائقین کے ہاں اشاعرہ جیسی پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔ وہاں تھوڑا سا توسع ہے جتنا توسع اور ماحول سے ہم آہنگی بڑھتے جاتے ہیں۔ ماحول کو جتنا کوئی قبول کرتا ہے اتنی ہی اسے ماحول میں پذیرائی حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ اسلام کے نام پر چلنے والی تحریکیں، اسلام کے ایسے دعاۃ جو لوگوں کو بہت زیادہ آزادی دیتے ہیں۔ بس ہماری جماعت میں شامل ہو جاؤ، خالص متقی ہو، خالص جنتی ہو۔ ان کی نفری بہت زیادہ ہے لیکن یہ طریق کار اسلام کے منہج کے منافی ہے اس لیے محدثین کے ہاں غیر مقبول ہے، اسلام تو واضح اور دوٹوک بات کرتا ہے:

﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِىَ دِينِ﴾ (الکافرون: ٦)

''تم اپنے دین پر میں اپنے دین پر۔''

جس قدر رحدو وقیود میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور خالص اسلام کی بات ہوتی ہے اسی قدر تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔ ﴿وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾ (سبأ: ١٣)

''اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہی ہیں۔''

اس لیے محدثین کرام کی جماعت چونکہ بندے کو سر سے لیکر پاؤں تک باندھ کر اللہ اور اس کے رسول کا غلام بنا دیتی ہے جس کی وجہ سے تعداد ان کی کم ہے مگر جتنی بھی ہے فالح و ناجح ہے۔ إن شاء اللہ۔

﴿فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾ (المائدة:٥٦) ''اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانیوالی ہے۔''

﴿أَلا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (المجادلة:٢٢) ''سن رکھو کہ اللہ ہی کا لشکر مُراد حاصل کرنیوالا ہے۔''

دنیا پرست اور جاہ طلب بادشاہوں کو یہ خالص اور جامع دین کبھی راس نہیں آیا اور نہ آ سکتا ہے چونکہ اس سے ان کی عیش کوشی ختم ہوتی اور خواہشات نفس پر زد پڑتی ہے۔ اسی طرح منقول و ماثور سے ماخوذ علمِ کلام مشکل ہے اس میں پابندی اور محنت کرنی پڑتی ہے، شریعت بھی ایسے ہی ہے جو کہ ہمارا

اگلا موضوع ہے۔

محدثین اور فقہاء

متکلمین کی طرح امت میں فقہاء بھی بڑی تعداد میں ہیں بالخصوص کتاب وسنت کی نصوص کا اہتمام کیے بغیر فقہی امور میں کلام آسان کام ہے جبکہ محدثین بہت کم ہیں کیونکہ یہ بڑا مشکل کام ہے۔ ویسے بھی اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ محدثین اسلام کے خادم ہیں جبکہ فقہاء مسلمانوں کے خادم ہیں۔ مسلمانوں کی خدمت آسان ہے انہیں سہولت فراہم کرنی ہوتی ہے جس پر انہیں پذیرائی ملتی ہے۔ جبکہ اسلام کی خدمت بہت ہی مشکل ہے بہت کچھ یاد کرنا پڑتا ہے، بہت کچھ سمجھنا پڑتا ہے، بہت دور تک نگاہ دوڑانی پڑتی ہے۔ کتاب اللہ کے ساتھ حدیث وسنت کا ذخیرہ بہت وسیع ہے اس میں صحت وسقم کی پاسداری، اس کے اصول وقواعد کی پابندی اور ان کے دائرے میں رہ کر اجتہاد واستنباط یہ محدثین کرام کی علمی جولان گاہ ہے جس میں انھوں نے جوہر دکھائے جس پر انہیں عندالناس داد بھی ملی اور تکلیفیں بھی اٹھانی پڑیں، امید ہے کہ وہ عنداللہ اجر فراواں سے نوازے جائیں گے۔

اور اگر دوسرے لفظوں میں یوں کہیں تو یہ بھی غلط نہیں ہے کہ محدثین اللہ رب العزت کے وکیل ہیں، لوگوں کے ہاں اللہ اور اس کے رسول کے ترجمان ہیں۔ اور اگر لوگ اللہ اور اس کے رسول پر اعتراض کریں تو محدثین ہی اللہ، اس کے رسول اور دین وشریعت کی طرف سے دفاع کرتے ہیں۔ اور یہ دفاع بھی کتاب وسنت کے دلائل کی روشنی میں ہوتا ہے جس کا ذکر ماثور اور منقول پر مبنی علم کلام کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ لوگ غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں یہ ان کا ازالہ کرتے ہیں۔ لوگ ان کا تمسخر اڑاتے ہیں اور وہ اس پر توفیق باری سے صبر کرتے ہیں اور یہ تمسخر جہاں کفار اور بے دین لوگوں کی طرف سے ہوتا ہے وہاں اپنے بھی اس میں حصہ ڈالنے سے نہیں چوکتے۔

جبکہ فقہاء اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمانوں کے وکیل ہیں، سہولت فراہم کرنے والے ہیں۔ رعایتیں مہیا کرنے والے ہیں اور یہ بات ان کی کتابوں سے واضح ہو جاتی ہے۔ ماحول میں ان کی شہرت اور نشر واشاعت کا یہی بڑا سبب ہے۔

الغرض علم توحید ایک مستقل علم ہے جو وحی اور رسالت سے ماخوذ ہے، کتاب وسنت کے دلائل پر مبنی

ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے اللہ رب العزت کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس تک محدود ہے۔ جبکہ علم کلام جو ہمارے ہاں رائج ہے اس کا اکثر حصہ غیروں سے آیا ہوا ہے، اسے علمِ توحید یا علمِ اصولِ دین قرار دینا کم علمی اور ناانصافی ہے، اس سے عامۃ المسلمین میں غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔

سلف کے منہج میں سلامتی ہے

دوسری بات محدثین کے عقیدے اور اسماء وصفات کے باب میں تلقی کے منہج کے سلسلے میں ہے۔ اور وہ وہی ہے جو پورے دین کے بارے میں ہے کہ صحابہ وتابعین کے منہجِ تلقی کا تتبع اور اس کا اعتبار کیا جائے جو عام طور پر ہماری کتب میں لکھا ہوتا ہے کہ سلف کا طریقہ اسلم بھی ہے اور احکم بھی ہے۔ فتنے میں مبتلا لوگ کہتے ہیں کہ سلف کا طریقہ اسلم تو ہے احکم نہیں ہے۔ اس کے لیے دعویٰ یہ ہے کہ سلف کو فرصت نہیں ملی، جنگوں اور جہاد میں مشغول رہے لہٰذا اسلامی عقائد وافکار کی علمی بنیادیں مضبوط نہیں کر پائے ان موضوعات پر بحث ونظر کے لیے جن علمی دلائل کی ضرورت تھی وہ مرتب ومدون نہیں کر سکے وہ ہم نے بعد میں مرتب کیے ہیں۔ اس لیے ہمارا یعنی خلف کا طریقہ احکم ہے جبکہ سلف کا طریقہ اسلم ہے۔

فرض کر لیجیے اور مان لیجیے کہ خلف کا طریقہ احکم ہے اور سلف کا طریقہ اسلم ہے تو مطلوب اسلم ہے احکم نہیں۔ مثلاً اچھی طرح پتہ ہو کہ یہ جھونپڑی ہے اور اس میں امن وسلامتی ہے اور محل میں جان کو خطرہ ہے تو اس صورت میں کوئی اس محل میں رہنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ آخر کیوں؟ اس لیے کہ احکم مطلوب نہیں ہے اسلم مطلوب ہے۔ وہ راستہ مطلوب ہے جو انسان کو جنت میں لے جا سکے۔ دنیا وعقبیٰ کی سلامتی ہی تو مذہب کا اصل امتیاز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوا إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (یونس:۲۵) ''اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف تم کو بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔''

لیکن اہلِ علم اور اصحابِ فکر ونظر کے لیے کتاب وسنت کے واضح دلائل کے ہوتے ہوئے ایسا فرض کر لینا ناممکن ہے اس لیے کہ سلف کا طریقہ احکم ہے اور انہی کا طریقہ اسلم بھی ہے۔ سلف صالحین وہ لوگ ہیں جنہوں نے نزول وحی کا مشاہدہ کیا اور ان کے سامنے شریعت اُتری، قرآن نازل ہوتا تو رسول ﷺ ان کے سامنے کتاب اللہ کا بیان فرماتے تھے۔ کتاب اللہ کو پڑھنے، سمجھنے، سمجھانے اور اس پر

عمل کرنے کا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا جو منہج تھا وہی صحابہ کرام کا تھا۔ صحابہ نے امام الانبیاء ﷺ پر کتاب اللہ کو نازل ہوتے اور پھر آپ ﷺ کو اسے سکھاتے اور اس پر عمل کرتے دیکھا، سو ان سے بہتر دین کو جاننے اور ماننے والا دوسرا کون ہوسکتا ہے۔

لہذا منہجِ تلقی یعنی دین سیکھنے کا وہی طریقہ قابل اعتماد ہے جو حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اختیار کیا۔

صحابۂ کرام کا مقام ومرتبہ

مزید برآں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے اولین مخاطب بھی صحابہ کرام ہی تھے لہذا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو امت میں سب سے بہتر اور خوب تر وہی سمجھتے تھے، اور دل کی صفائی کے اعتبار سے بھی انبیاء علیہم السلام کے بعد اس دنیا میں صحابہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ اگر ان پر اعتماد نہیں ہے تو پھر کس پر اعتماد ہوگا؟ جن کو اللہ رب العزت نے بعد میں آنے والوں کا امام اور متبوع قرار دیا۔

﴿ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ﴾ (التوبہ : ۱۰۰)

''جن لوگوں نے سبقت کی (ایمان لانے میں سب سے) پہل کی، مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔''

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴾ (الفتح : ۱۸) ''(اے پیغمبر) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ ان سے راضی ہوا اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے ظاہر کر دیا تو اُن پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی۔''

ان کے حق میں قرآن کی یہ شہادت ان کا بڑا اعزاز ہے۔ فرمایا: ﴿ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى ﴾ (الحجرات: ۳)

''اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لیے جانچ لیا ہے۔''

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال : مَن كانَ مُسْتَنًّا ، فَلْيَسْتَنَّ بمن قد ماتَ ، فانَّ الحيَّ

لا تُؤمَنُ علیه الفِتْنَةُ ، أولئك أصحابُ محمد صلی الله علیه وسلم ، کانوا أفضلَ هذه الأمة : أبرَّها قلوبًا ، وأعمقَها علمًا ، وأقلَّها تکلُّفًا ، اختارهم الله لصحبة نبيِّه ، ولاقامة دِینه ، فاعرِفوا لهم فضلَهم ، واتبعُوهم علی أثرهم ، وتمسَّکوا بما استَطَعْتُم من أخلاقِهم وسیَرِهم ، فانهم کانوا علی الهُدَی المستقیم ۔(رواه رزین وابن عبدالبر فی جامع بیان العلم ، انظر المشکاة: ۱۹۳ بتحقیق الألبانی)

''جو شخص کسی کے طریقہ کار کو اپنانا چاہے اسے چاہیے کہ ان لوگوں کی راہ چلے جو فوت ہو چکے کیونکہ زندہ شخص کے بارے میں یہ اطمینان نہیں ہو سکتا کہ وہ فتنے سے محفوظ رہے گا۔ اور وہ لوگ اصحابِ رسول ہیں جو اس امت کے سب سے افضل لوگ ہیں، امت کے سب سے نیک دل، ان کا علم سب سے گہرا تھا۔ ان میں تکلف سب سے کم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی ﷺ کی رفاقت کے لیے پسند فرمایا اور اپنے دین کی اقامت کے لیے بھی انہیں چنا۔ ان کی فضیلت پہچانو، ان کے نقش پا کی پیروی کرو اور جہاں تک ہو سکے انکے اخلاق وکردار پر مضبوطی سے کاربند رہو یقیناً وہ لوگ سیدھی راہ پر تھے۔''

تو صحابہ کرام کے منہج اور طریقے سے بہتر طریقہ کس کا ہو سکتا ہے؟ جو لوگ ان کے طریقے کو سادگی کا طعنہ دیکر اور غیر محکم قرار دیکر اس سے لوگوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں محدثین کرام اور ان کی جماعت کی جدوجہد ان جدت پسندوں اور مدعیانِ علم کے خلاف ہے۔

کتاب وسنت سے دوری باعثِ ندامت ہے!

یہ بات بڑی توجہ سے سنیے اور یاد بھی رکھیئے کہ جتنے بھی خلفیت کے امام ہیں، سب کے سب یا کم از کم ان کی اکثریت اپنی زندگی کے آخری ایام میں پچھتاتے پائے گئے کہ کاش اس غلط راستے پر نہ چلے ہوتے، اور وقت ضائع نہ کیا ہوتا۔

۱۔ ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعری۔

۲۔ ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی اشعری۔

۳۔ عبدالملک بن عبداللہ الجوینی امام الحرمین اشعری۔

۴۔ محمد بن عمر فخر الدین رازی۔

۵۔محمد بن عبدالکریم الشہرستانی اشعری۔

۶۔محمد بن محمد بن محمد غزالی تلمیذ الجوینی۔

برہانِ کلی

آخر الذکر یعنی امام غزالی مؤلف " إلجام العوام عن علم الکلام " نے اپنی اس تصنیف میں محدثین کی زبان بولی ہے اور چار بہترین اصول ذکر کیے ہیں۔ جنکے نتیجے کو وہ اپنے فلسفیانہ مزاج کے مطابق ''برھانِ کلی'' کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔فرماتے ہیں:

" اعلم أن الحق الصریح الذی لا مراء فیه عند أهل البصائر هومذهب السلف (یعنی الصحابة و التابعین و أئمة الهدیٰ)"

''جان لیجیے بلاشبہ واضح ترین حق جس کے بارے میں اہلِ بصیرت کے ہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔وہ سلف صالحین کا مذھب ہے۔یعنی صحابہ وتابعین اور ائمۂ ھدیٰ''

" وأن البرهان الکلی علی ان الحق فی مذهب السلف وحده ینکشف بتسلیم أربعة أصول مسلمة عند کل عاقل۔"

''اس بات کی برہان کلی کہ حق صرف مذہب سلف میں ہی محصور ہے۔ ہر عقلمند کے ہاں مسلمہ چار اصول تسلیم کر لینے سے واضح ہوتی ہے۔''

پہلا اصول: " أن النبی ﷺ هو أعرف الخلق بصلاح أحوال العباد بالإضافة إلی حسن المعاد"

''پوری مخلوق میں سے بندوں کے اصلاح احوال اوران کے اخروی حسنِ انجام کو نبی ﷺ سب سے بہتر اور سب سے زیادہ جانتے تھے۔''

دوسرا اصول: " أنه بلّغ کل ما أُوحی إلیه من صلاح العباد فی معادهم ومعاشهم و لم یکتم منه شیئاً "

''بندوں کی دنیا وعقبیٰ کی اصلاح کے لیے آپ ﷺ کی طرف جو کچھ وحی کیا گیا آپ ﷺ نے وہ سب کچھ امت کو پہنچا دیا اور اس میں سے کچھ بھی چھپا کر نہیں رکھا۔''

تیسرا اصول: " أن أعرف الناس بمعاني كلام اللّٰه وأحراهم بالوقوف على كنهه وإدراك أسراره هم أصحاب الرسول ﷺ۔"

"کلام اللہ کے معانی کو سب سے بہتر جاننے والے، اس کی حقیقت سے واقف اور اُسکے اسرار کا ادراک رکھنے والے اصحاب رسول رضی اللہ عنہم تھے۔"

چونکہ انھوں نے وحی کے نزول کا مشاہدہ کیا تھا، اپنے شب و روز رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں گذارے تھے۔ وحی الٰہی کے معانی سمجھنے کے لیے اپنے آپ کو انھوں نے وقف کر رکھا تھا۔ ایک تو وہ اسے قبول کرنے اور عمل کرنے کے جذبے سے حاصل کرتے تھے دوسرے وہ اسے اپنے بعد آنے والے لوگوں تک اسے پہنچانا چاہتے تھے۔ تیسرے وہ اسے سننے، یاد کرنے، سمجھنے اور نشر کرنے سے تقرب الی اللہ چاہتے تھے۔"

امام غزالی مزید فرماتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا کہ ان میں سے کسی پر تہمت لگانے کی کوئی گنجائش ہو۔ کیا نبی ﷺ حق کو چھپا سکتے تھے۔ حاشا وکلا منصب نبوت اس سے بہت اعلیٰ و بالا ہے۔ یا ان نیکوکار اصحاب رسول ﷺ کو متہم قرار دیا جائے کہ انھوں نے اس کلام کو سمجھا نہیں ہوگا اور وہ اس کے معانی ومقاصد کا ادراک نہیں کر سکے ہونگے، یا وہ سمجھنے کے باوجود اسے چھپانے کے مرتکب ہوئے ہونگے۔ یا انھوں نے اسے سمجھنے کے باوجود اس پر عمل سے انکار کر دیا ہوگا۔

کوئی عقلمند ان باتوں میں سے کسی کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔

یعنی یقیناً رسول اللہ ﷺ نے وحی الٰہی کو مکمل طور پر نشر کیا ہے۔ اصحاب رسول ﷺ نے اسے سمجھا، اس پر ایمان لائے، عمل کیا اور آگے منتقل بھی کیا اور کسی قسم کی کمی بیشی بھی نہیں کی۔

چوتھا اصول: " أن أصحاب الرسول ﷺ في طول عصرهم إلى آخر أعمارهم ما دعوا الخلق إلى التاويل "

"بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی پوری زندگی اللہ کی مخلوق کو تاویل کی دعوت نہیں دی۔"

اگر تاویل دین یا دین کا علم ہوتی، تو وہ دن رات اسے سیکھنے میں متوجہ رہتے اپنی اولاد اور خاندانوں کو بھی اسے سیکھنے کی دعوت دیتے۔

ان مسلمہ چار اصولوں سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حق یقیناً وہی ہے جو صحابہ کرام نے فرمایا، اور درست رائے وہی ہے جو انھوں نے اختیار کی تھی۔

یہ واقعاتی دلیل ہے۔ یہ سب حضرات جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے آخر میں یہ کہتے پائے گئے: کاش کہ وہ راستہ اختیار کر لیتے جو سلامتی کا راستہ تھا۔ ابوالحسن اشعری نے چالیس برس تک ان میں رہنے کے بعد ان کے عقائد سے براءت کا اظہار کیا۔

محدثین یقین کی دولت سے سرفراز ہیں

اس کے برعکس ائمہ حدیث کی تاریخ پڑھ کر دیکھیں صدیاں گزرنے کے باوجود محدثین میں سے ایک بھی آپ کو نہیں ملے گا جس نے یہ کہا ہو کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ میرا راستہ درست نہیں تھا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس لیے کہ صراط مستقیم پر چلنے والا کبھی پچھتاتا نہیں۔ اور صراطِ مستقیم پر محدثین کی جماعت سے بہتر کوئی نہیں چلا۔ لہذا جیسے ان کے سلف کا راستہ اسلم اور احکم تھا ویسے ہی محدثین کا طریقہ اسماء وصفات کے بارے میں اسلم بھی ہے اور احکم بھی ہے، قابل اعتماد اور مدلل بھی ہے۔

﴿ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾ (البقرة: ٢٥٦)

''دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور اللہ پر ایمان لائے اُس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں۔ اور اللہ (سب کچھ) سُنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔''

معرفتِ الٰہی کا صحیح طریقہ

☆ منہج تلقی کا چوتھا اصول ''اسماء وصفات'' کے بارے میں سیکھنے کا منہج ہے۔ اللہ رب العزت کے اسماء وصفات کے ذریعے اللہ رب العزت کی معرفت اور اس کے بارے میں علم حاصل کرنا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ معرفت الٰہی دنیا میں انسان کا سب سے بڑا اور اہم مسئلہ ہے یقیناً اس سے بڑا کوئی مسئلہ نہیں ہے، ہر شخص کی خواہش ہے کہ وہ کسی نہ کسی طریقے سے اپنے معبود کے قریب ترین ہو جائے۔

قرب الٰہی کے لیے سب سے بہترین راستہ علم ومعرفت الٰہی ہے۔ جتنا کوئی جانے گا اتنا ہی اس

کے قریب ہوگا اور اتنی ہی اسے سمجھ آئے گی کہ وہ کیسے راضی ہوتا ہے، اس کی طرف کونسا راستہ جاتا ہے۔

اسماء وصفات کا راستہ علم و معرفت الٰہی کا سب سے شاندار راستہ ہے جو کہ محدثین کا منہج ہے۔ چلّے لگانا یا کوئی ایسا راستہ تلاش کرنا جس سے شبہ پڑتا ہو۔ شائد اللہ رب العزت کے بارے میں علم حاصل کررہا ہے تو وہ شبہ ہی ہوسکتا ہے، ولی اللہ بننے کی ایک موہوم کوشش ہے۔ لوگ دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ میرے اندر بھی کوئی نہ کوئی صفات ایسی آگئی ہیں جس کی وجہ سے میں اس قابل ہو گیا ہوں کہ لوگ مجھے بھی کچھ سمجھیں، دراصل یہ تو اللہ بننے کی کوشش ہے، ولی اللہ بننے کی نہیں۔

ولی اللہ بننے کی کوشش تو وہی ہے جو محدثین کا طریقہ ہے کہ اسماء وصفات الٰہی کے ذریعے اللہ رب العزت کے بارے میں علم حاصل کیا جائے، اس کی معرفت حاصل کی جائے، جب یہ معرفت حاصل کی جائے گی تو پھر بندے کے اندر وہ صفات حمیدہ آئیں گی جن کی وجہ سے وہ ایک ایسا مثالی انسان بنے گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعلیمات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ومطلوب اور پسندیدہ بندہ ہوگا۔

تعمیر شخصیت میں عقیدے کا کردار

اللہ رب العزت کی ذات اقدس، اس کے اسماء حسنٰی اور صفاتِ عالیہ پر ایمان لانے، اس بارے میں قرآن وحدیث کی نصوص کو صحیح طور پر سمجھنے اور ان کی روشنی میں اپنے ایمان کی تصحیح کرنے سے صحیح اسلامی شخصیت تعمیر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مطلوب ومحبوب بندہ بننے کے لیے ایمانیات اور عقائد میں رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا، اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھالنا، اور اس سارے عمل میں سلف صالحین، صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے منقول و ماثور محدثین کرام کے منہج فکر وعمل کو اختیار کرنا تعمیر کردار کا بہترین راستہ ہے۔ انسان کے رویے اور عمل پر اس کے عقیدے کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ تعمیر شخصیت اور اصلاح انسانیت کے لیے عقیدے کی صحیح تعلیم ہی بہترین طریقہ ہے۔ جو لوگ اسے نظر انداز کرتے ہیں اور اصلاح معاشرہ کے لیے افراد کے عقائد کی بجائے صرف اخلاق واعمال پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں، ان کی محنت کے نتائج مثبت اور دیرپا نہیں ہوتے۔

انسانیت کی اصلاح کا قرآنی اسلوب بھی یہی ہے، اور اسوۂ رسول ﷺ سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔ قرآن حکیم کی مکی سورتوں کا اکثر حصہ درسِ توحید اور اصلاحِ عقائد پر مشتمل ہے۔ رسول
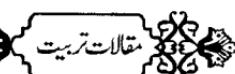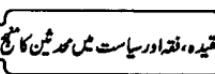
اللہ ﷺ نے بھی ابتداءِ اسلام اور آغازِ نبوت میں زیادہ تر توجہ عقائد اور ایمانیات کی اصلاح پر ہی دی، بلکہ اصولِ دین تو آسمان سے نازل ہونے والے تمام ادیان کا مشترکہ علمی سرمایہ ہے۔ ان میں کبھی نسخ واقع ہوا اور نہ کوئی تبدیلی آئی۔

﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ﴾ (البقرة: ۲۸۵)

''رسول ﷺ اس (وحی) پر جو ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی، ایمان لائے، اور مؤمن بھی، سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، (وہ کہتے ہیں) کہ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔''

سلف امت کی تدریسی، دعوتی، اور تصنیفی مساعی کا نقطۂ آغاز بھی ہمیشہ عقائد وایمانیات کی اصلاح ہی رہا ہے۔ عقیدے کا یہ صحیح منہج قبول اور اختیار کرنے کے بعد سب سے پہلے اس طرف توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے کہ اسے قبول کرنے اور اللہ کی ذات وصفات پر کما حقہ ایمان لانے کا انسان کی شخصیت پر کیا اثر ہوا ہے؟ اس میں کیا تبدیلی آئی ہے، اور اس میں کونسی صفات حمیدہ پیدا ہوئی ہیں؟

ایمان اور عمل صالح لازم وملزوم ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اکثر وبیشتر مقامات پر ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر کیا ہے، ایمان اور عمل صالح کے اس اجتماع کو ہی کامیابی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ کہیں خبر کے اسلوب میں، کہیں امر کے صیغہ سے اور کہیں شرط وجزا کے ضمن میں۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (البقرۃ:۸۲) ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے صالح عمل کیے، وہ جنت کے مالک ہونگے اور ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہونگے۔''

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا﴾ (مریم: ۹۶) ''بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے صالح اعمال کیے اللہ ان کے لیے محبت پیدا فرمادے گا۔''

﴿وَالْعَصْرِ ☆ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِی خُسْرٍ ☆ اِلَّا الَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾(العصر:۱۔۳)

''زمانے کی قسم! یقیناً ہر انسان نقصان میں ہے۔ ماسوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور انھوں نے صالح عمل کیے، اور باہم حق کی وصیت کی اور صبر کی وصیت کی۔''

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِیداً﴾ (الأحزاب: ۷۰)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کیا کرو۔''

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (النحل: ۷۹)

''جس شخص نے صالح عمل کیے وہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی سے نوازیں گے اور انہیں ان کے اعمال کا بہترین اجر عطا کریں گے۔''

﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْماً وَلَا هَضْماً﴾(طه: ۱۱۲)

''اور جو شخص صالح اعمال کرے گا اور وہ مومن بھی ہوگا تو وہ نہ ظلم سے خوف کھائے گا اور نہ حق تلفی سے۔''

(فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ﴾ (الأنبياء: ۹٤)

''سو جو شخص صالح اعمال کرے گا اور مؤمن بھی ہوگا، تو اس کی محنت کی ناقدری نہیں ہوگی اور ہم اس کے لیے لکھ رہے ہیں۔''

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۳۹)

''اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا، اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔''

﴿ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ﴾ (التوبة: ٦٢)

''حالانکہ اگر یہ (دل سے) مومن ہوتے تو اللہ اور اس کا رسول ﷺ خوش کرنے کے زیادہ

مستحق ہیں۔"

﴿فَلا تَخافُوهُمْ وَخافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ١٧٥)

"اگر تم مومن ہو تو اُن سے مت ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا۔"

﴿وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (المائدة: ٢٣)

"اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم صاحبِ ایمان ہو۔"

﴿يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَداً إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (النور: ١٧)

"اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو پھر کبھی ایسا (کام) نہ کرنا۔"

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (المائدة: ٥٧)

"مومن ہو تو اللہ سے ڈرو۔"

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (الأنفال: ١)

"اور اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔"

نبی علیہ السلام نے بھی اپنے فرامین میں تمام اعمال کو ایمان کے ساتھ مربوط قرار دیا ہے۔ حتی کہ انسان کے بات کرنے اور چپ رہنے کو بھی ایمان کا حصہ بتایا ہے۔ فرمایا:

(عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِي اللَّه عَنْه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ)(متفق عليه خ: ٦١٣٥ واللفظ له، م: ٤٧)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اپنے قرابت داروں کے حقوق ادا کرے اور جو اللہ اور قیامت کو سچا جانتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ بھلی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔"

(مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ)(متفق عليه)

"جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت

کرے۔''

(عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ)(متفق علیہ ، حوالہ مذکورہ)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔''

(عَنْ أَبِی شُرَيْحٍ الْكَعْبِیِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ)(متفق علیہ: خ: ۷۰۱۹ ، م: ۴۸)

''حضرت ابی شریح الکعبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔''

شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات کا دائرہ کسی ایک شعبۂ زندگی یا طبقۂ انسانی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ہمہ جہت اور ہمہ پہلو دین ہے جو اعتقاد بھی ہے اور عمل بھی، عقیدے کی اصلاح کے بغیر کوئی عمل صالح نہیں ہوتا، اور عمل کے بغیر ایمان اور عقیدے کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اور شرعی اعمال بھی متنوع اور کئی اقسام کے ہیں۔ کچھ اعمال کا تعلق جسمِ انسانی سے ہے، جیسے بدنی عبادات ہیں، نماز اور روزہ وغیرہ۔ اور کچھ اعمال زبان سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے تلاوت اور ذکر وغیرہ اور کچھ مالی امور ہیں جیسے زکوۃ وصدقات وغیرہ۔

اس طرح شریعت اسلامیہ انسان کے ظاہر و باطن کا مکمل احاطہ کیے ہوئے ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ الإحکام فی اصول الأحکام، لابن حزم، ج ۵، ص: ۶۸۵، طبع القاھرہ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ

الْمُتَّقُونَ﴾(البقرة:١٧٧)

''نیکی صرف یہی نہیں کہ تم (عبادت کے وقت) مشرق اور مغرب کیطرف منہ پھیر لو۔ بلکہ نیکی تو ان لوگوں کی ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے، اور باوجود مال کی محبت کے اسے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو اور گردنیں آزاد کرانے میں دیا، اور نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی۔ اور وہ جب کوئی عہد کر لیں تو اسے پورا کرنے والے ہیں۔ اور سختی اور تکلیف میں اور معرکۂ کارزار میں صبر کرنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے سچ کہا اور صرف یہی لوگ ہیں جو تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں۔''

اس آیت کریمہ نے بھی تمام ظاہری و باطنی اعمال کا احاطہ کیا اور ان اعمال کو صدقِ ایمان اور حقیقی تقویٰ کی دلیل قرار دیا ہے۔ کتاب وسنت کی ان نصوص کی روشنی میں ہی اہل السنہ کا اجماع اور اہل الحدیث کا یہ موقف ہے کہ ایمان تین چیزوں سے مرکب ہے۔ دل کا یقین، زبان سے اقرار اور اعضاو جوارح سے عمل، اور اس میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۲۴۱ھ) فرماتے ہیں۔(إن الإيمان قول وعمل ونية وتمسك بالسنة ، الإيمان يزيد وينقص)(رسالة السنه ١/٧)

''ایمان قول، عمل اور نیت ہے اور سنت نبویہ سے مضبوط تعلق کا نام ہے۔ اور ایمان میں کمی وبیشی بھی ہوتی ہے۔''

ائمہ حدیث وسنت نے اہل الحدیث کے اس موقف اور عقیدے کی مدلل وضاحت فرمائی ہے۔

اہلِ بدعت مرجیہ نے اس قسم کی آیات مبارکہ میں معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت کو بہانہ بنایا، قرآن کریم کے عمومی اسلوب، دین وشریعت کے مزاج کی پرواہ نہ کی، عربی قواعد کا سہارا لیا اور اعمال کو حقیقتِ ایمان سے خارج قرار دیا۔ اور عمل سے گلوخلاصی کا راستہ ہموار کیا، جوامت میں عملی کمزوری کو فروغ دینے کا ذریعہ بنا۔

اہلِ بدعت مرجیہ کے لیے یہ علمی نقطہ جہمیہ کے امام جہم بن صفوان کا تحفہ ہے۔ جہم کا خیال ہے کہ ایمان محض تصدیق بالقلب کا نام ہے۔ اور تصدیق ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ اس کے اقسام

واجزاء سرے سے ہیں ہی نہیں۔

لہذا

ا۔ اعمالِ صالحہ اصولِ دین کا حصہ نہیں ہیں، اور نہ ہی جزوایمان ہیں بلکہ یہ شریعت کے فروعی اور عملی احکام ہیں جو شریعت یعنی کتاب وسنت، اجماع اور قیاس سے ثابت ہیں اور یہ سمعی دلائل ہیں اور ان سے یقین نہیں بلکہ ظن کا فائدہ ہوتا ہے۔

ب۔ اصولِ دین صرف اعتقادات ہیں اور وہی اصل توحید وایمان ہیں، چونکہ وہ عقلی دلائل سے ثابت ہیں اس لیے یقینی اور قطعی ہیں۔

فقہاءِ احناف کے ہاں عقائد کی قابلِ اعتماد اور متداول ومعروف درسی کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے:

”اعلم أن الأحكام الشرعية منها ما يتعلق بكيفية العمل و تسمىٰ فرعية وعملية ومنها ما يتعلق بالاعتقاد و تسمىٰ أصلية واعتقادية“(ص:۱۸)

جان لیجئے! ''شرعی احکام میں سے کچھ عمل کی کیفیت سے متعلق ہیں، انہیں فروعی اور عملی احکام کہا جاتا ہے اور کچھ احکام اعتقادات سے متعلق ہیں، انہیں اصولی اور اعتقادی کہا جاتا ہے۔''

عقائد واعمال کو اصول وفروع میں تقسیم کر کے اور جملہ اعمال کو فروع قرار دے کر ان کے دلائل کا تجزیہ اس سے بھی بڑی آفت ہے۔ یعنی اعمالِ شریعت کے دلائل چونکہ شرعی اور منقول ہیں، اس سے ان کی مراد کتاب وسنت، اجماع اور قیاس ہیں۔ یہ دلائل ان کے نزدیک چونکہ ظنی ہیں، اس لیے ان سے ثابت ہونے والے احکام واعمال بھی ظنی ہیں اور وہ اصولِ دین کا حصہ نہیں ہیں۔

جبکہ اعتقادات کے دلائل عقلی اور کلامی ہیں اور وہ قطعی اور زیادہ مؤثر ہیں۔

”و لأنه لابتنائه على الأدلة القطعية المؤيدة أكثرها بالأدلة السمعية كان أشد العلوم تاثيراً في القلب و تغلغلاً فيه“

''اور اس لیے کہ یہ علم ایسے قطعی دلائل پر مبنی ہونے کی وجہ سے جن میں سے بیش تر کی تائید نقلی دلائل سے بھی ہوتی ہے، دیگر علوم کے مقابلے میں دل میں زیادہ اثر کرنے والا اور اس میں جاگزیں ہو

جاننے والا ہے۔''

مزید فرماتے ہیں:

"وبالجملة هو أشرف العلوم لكونه أساس الأحكام الشرعية ورئيس العلوم الدينية وكون معلوماته العقائد الإسلامية وغايته الفوز بالسعادات الدينية والدنيوية وبراهينه الحجج القطعية المؤيدة أكثرها بالأدلة السمعية" (ص:٣)

''بالجملہ علم کلام تمام علوم سے زیادہ شرف کا حامل ہے، اس لیے کہ وہ احکام شرعیہ کی اساس ہے، اور علوم دینیہ کا رئیس ہے، اور اس کی معلومات عقائد اسلامیہ ہیں، اور اس کی غرض وغایت دینی ودنیوی سعادتیں ہیں، اور اس کے دلائل قطعی حجتیں ہیں جن میں سے اکثر کی تائید نقلی دلائل سے بھی ہوتی ہیں''۔

علم کلام کا یہ مقام ومرتبہ مؤلف موصوف نے اس وضاحت کے بعد بیان کیا ہے کہ یہ متأخرین کا علم کلام ہے، اور سلف کا علم کلام چونکہ صرف نقلی اور ماثور پر مبنی تھا اس لیے وہ عقائد کے اثبات میں اتنا مؤثر نہیں ہے، جتنا یہ عقلی علمِ کلام مؤثر ہے جو متکلمین کی فکری کاوش کا حاصل ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ اور نتیجہ یہ ہے کہ مرجیہ اور ان کے ہم نوا فقہاء کے نزدیک اعمال اصول دین میں داخل نہیں ہیں اور ایمان ان کے بغیر بھی قابل قبول ہو جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک شخص جو ساری عمر نیکی اور تقوے اور اعمالِ صالحہ میں گذارے اور دوسرا شخص جو دل سے تصدیق کردے، دونوں کا ایمان برابر ہے جبکہ قرآن کی شہادت ہے کہ تمام کفار دل سے تصدیق کرتے ہیں، صرف عناد کی وجہ سے اقرار اور عمل نہیں کرتے۔ فرمایا:

﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْماً وَعُلُوّاً فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ﴾(النمل: ١٤)

''اور انھوں نے ظلم وغرور کے ساتھ (اللہ کی آیتوں کا) انکار کیا، حالانکہ ان کے دل ودماغ ان پر یقین کر چکے تھے،سو دیکھ لو فساد کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کفار ومشرکین کے اس یقین کی تصدیق کے باوجود اپنے ہاں اسے قابل

قبول قرار نہیں دیا، بلکہ ظلم و عدوان پر مبنی ان کے ظاہری جحود و انکار کو ہی ان کے خلاف فیصلے کی اساس قرار دیا ہے۔ ان کا یقینِ قلب ان کی بدعملی کا کفارہ نہیں بن سکا، اس کی بجائے وہ اپنے اعمال کی بنیاد پر کافر و مشرک اور مفسد قرار پائے، اس تصریح کے بعد لغوی قواعد، یا منطقی دلائل کا سہارا لیکر اعمال کو حقیقتِ ایمان سے خارج قرار دینے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟ اور اسے خود فریبی کے سوا کیا نام دیا جاسکتا ہے؟

دوسری طرف کیا رب کریم کا نظامِ عدل و انصاف جس کی خود اس نے اور اس کے رسول ﷺ نے وضاحت کی ہے اس امر کی اجازت دیتا ہے کہ اس کے ہاں صالح و متقی اور فاسق و فاجر کا ایک ہی مقام ہو۔ کیا اس کے میزان عدل و انصاف میں مصلح اور مفسد برابر ہوسکتے ہیں؟ ایسا ہو تو پھر اس کار گاہِ حیات میں قرب الٰہی کے لیے جہد مسلسل اور سعی پیہم کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ فرمایا:

﴿أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ﴾ (ص: ۲۸)

''کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے صالح اعمال کئے ان لوگوں کی طرح کردیں گے جو زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں، یا تقویٰ اختیار کرنے والوں کو بدعملوں کی طرح کردیں گے؟''

اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کا یہ نظام تخلیق ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ انسان کے عمل کی روشنی میں اس کی آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ اس کا انجام خیر و شر اس کے اعمال کی بنیاد پر ہی ہوگا اور اعمال کی جانچ پڑتال ایمان و یقین کی بنیاد پر ہوگی۔ فرمایا:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ☆ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ﴾ (الملك: ۱۔۲)

''بہت بابرکت ذات ہے وہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے، اور وہی ہر چیز پر ہر وقت قدرت رکھنے والا ہے۔ جس نے موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں بہتر ہے، اور وہی ہمیشہ غالب، بے حد بخشنے والا ہے۔''

ہمارے قابل قدر فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اور مخلص اہلِ علم کو مرجیہ کے اس جہمی و معتزلی عقیدہ کی غلطی، اس کی سنگینی اور امت پر اس کے برے اثرات کا اندازہ ہوتا تو وہ کبھی اس کا ارتکاب نہ کرتے، انھوں نے شائد محض ایک لفظی بحث سمجھ کر لاشعوری طور پر اس رائے کو قبول کیا، چونکہ اس میں کچھ بڑے نام آتے تھے۔ تقلید اور شخصیت پرستی نے ان کی تائید پر انہیں مجبور کیا، لغوی مباحث میں معتزلہ وجہمیہ کے علمی تفوق نے ہمارے اہل السنہ کے حلقوں میں بڑے ستم ڈھائے ہیں۔ ایمان کے معنی میں شرعی حقیقت کے مقابلے میں لغوی حقیقت کو ترجیح بھی اسی بے جا ہم نوائی اور ان کے بارے میں احساس برتری کا نتیجہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ حضرات محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے کتاب وسنت کے واضح دلائل سے ثابت کیا ہے کہ عرف شرع میں عمل ایمان کے معنی میں داخل اور اس کا جز و لاینفک ہے۔

پوری امت کے اہلِ علم کا یہی عقیدہ ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک ہزار سے زائد ''اہلِ علم'' سے ملا ہوں، سب کا یہی عقیدہ تھا کہ ''الإیمان قول وعمل، یزید وینقص''

یاد رہے کہ اسلام کے عہد اول میں اہلِ علم صرف انہی حضرات کو کہا جاتا تھا جو علوم کتاب وسنت میں متخصص تھے۔ کتاب وسنت کی شرح وتوضیح، عقائد وایمانیات اور فقہیات کے بیان میں انہیں ہی امت کی قیادت وسیادت کا شرف حاصل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کو عند الضرورت مسائل دریافت کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔

کتاب وسنت کی نصوص کا جس قدر زیادہ اہتمام اور ان کا زیادہ فہم وادراک ہوگا اسی قدر علمی مقام ومرتبہ بڑھے گا اور عند اللہ قرب حاصل ہوگا۔ اس کے علاوہ تمام علوم ومعارف ثانوی حیثیت کے حامل ہیں۔ ان میں فوقیت حاصل ہونے سے دین وشریعت کے میدان میں تفوق حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ عقلی علوم کے ماہرین اہلِ کلام کو اسی معمولی سی بات کی سمجھ نہیں آئی۔ اور عصر حاضر کے فنی علوم کے ماہرین کا زعم باطل بھی اسی قلت فہم کا نتیجہ ہے۔ لکل فن رجال۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِداً وَقَائِماً يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ (الزمر: ۹)

''(بھلا مشرک اچھا ہے) یا وہ جو رات کے اوقات میں سجدے اور قیام کی حالت میں عبادت کرتا اور آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے۔ کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں، (اور) نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں۔''

محدثین کرام کو امت کی قیادت کا شرف حاصل ہے

کتاب وسنت کی فقہ وبصیرت کے حامل اہل علم مفسرین، محدثین اور فقہاء کی اس علمی وعملی قیادت وسیادت کو تسلیم وقبول کیے بغیر امت مسلمہ کا عقائد وایمانیات میں الحاد سے اور فقہیات وعملیات میں انحراف سے بچنا بہت دشوار ہے۔ صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کے لیے اس کا علم رکھنے والوں کی ہدایت وراہنمائی ضروری ہے۔ ورنہ قدم قدم پر افتراق وتشتت کی راہوں پر گمراہی کے ہرکارے سریلی آوازوں اور خوش نما مناظر کے ساتھ کھڑے ہلاکت کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس صورت حال میں اپنے بندوں کی راہنمائی کے لیے فرمایا:

﴿أَنَّ هَـٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (الأنعام: ١٥٣)

''اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اِسی پر چلنا اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا کہ (اُن پر چل کر) اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

نبی علیہ السلام نے بھی متعدد مثالیں دیکر اس صورت حال کی وضاحت فرمائی اور امت کو کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے کا بصیرت افروز درس دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ، بخاری شریف، ومشکوٰۃ المصابیح)

امت میں موجود فقہی مذاہب اور مختلف مدارس اجتہاد اور مکاتب فکر کی طرف منسوب علماء کرام اور فقہاء عظام کا فرض ہے کہ وہ اپنی طرف نسبت رکھنے والوں کو اہلِ علم کی اسی قیادت کی طرف راہنمائی کریں، جسے ماننے پر وہ خود عملاً مجبور ہیں۔ کتبِ حدیث اور ان کے مؤلفین سے راہنمائی حاصل کیے بغیر کوئی مکتب فکر اپنی علمی وعملی زندگی ترتیب نہیں دے سکتا۔ لفظاً اس کے اعتراف سے گریز کرنا اور بخل

سے کام لینا اچھا نہیں ہے۔

﴿وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (البقرۃ:۲۱۳)

الغرض مرجیہ اوران کے ہم نوا بعض فریب خوردہ ماتریدی حضرات کے برعکس اہل السنہ اوراہل الحدیث نے ان نصوص میں عطف کو ذکر الخاص بعد العام قرار دیا جو نصوص کتاب وسنت کا ایک معروف اسلوب بیان ہے۔اس طرح انھوں نے روحِ اسلام اور منشاء الٰہی کے ادراک، احکامِ الٰہی اور اعمالِ صالحہ کے احترام کا ثبوت دیا اور عمل کو جزوِ ایمان تسلیم کیا اور اسے ایمان کی شرعی تعریف کا لازمی حصہ قرار دیا۔(الإیمان قول وعمل) یہ ان کی علمی گہرائی، شرعی حقائق کے بارے میں فہم وبصیرت اورشریعت کے مقاصد ومصالح پر وسیع تر نظر کی دلیل ہے۔

اصلاح معاشرہ کی علمبردار اسلامی تحریکوں کے قائدین کو بالخصوص اس عقیدے میں مرجیہ کی طرف داری سے باز رہنا چاہیے۔فرد کی اصلاح، معاشرے میں مثبت تبدیلی، اسلامی انقلاب اورصالح قوم کی تیاری کے لیے محدثین کرام کا عقائدی منہج بہترین دستورالعمل اور اسلامی سیاست کی عمدہ بنیاد ہے۔

مسلک محدثین کے وارث اہلِ علم اور اصحابِ فکر ودانش کو بھی اس امر کا ادراک ہونا ضروری ہے کہ سلف صالحین کے عقائد(الإیمان قول وعمل، یزید و ینقص) صرف ایک علمی ونظری بحث یا ایمانیات وعقائد کا متنازعہ فیہ مسئلہ ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ماحول اورمعاشرے میں اسلامی تعلیمات پر عمل کا نقطۂ عروج بھی ہے۔

شرعی مسائل پر گفتگو سے مقصود بحث برائے بحث تو نہیں ہوتی، اگر تعالیٰ اور برتری جتلانا مقصود ہوتو یہ نہایت ناپسندیدہ عمل ہے۔کتاب وسنت میں اس کے لیے متعدد وعیدیں آئی ہیں۔مثلاً:

(مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ اِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ)(حسن، رواہ الترمذی: ٢٦٥٤ وابن ماجہ:٢٥٣)

''جو شخص اس لیے علم حاصل کرے کہ اس کے ذریعے علماء پر فخر کرے، یا بے وقوف لوگوں سے جھگڑا کرے، یا اس کے ذریعے لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائے، اللہ تعالیٰ اسے آگ میں داخل

کرے گا۔"

بلکہ اس کا اصل مقصد تو بندوں کے دلوں میں یقین کی شمع روشن کرنا، اور ان کا اپنے خالق ومالک پر ایمان پختہ کرنا، اور ان میں عمل کی روح بیدار کرنا ہوتا ہے۔ محدثین کرام کی علمی وفقہی مساعی کا نقطۂ ارتکاز بھی ہمیشہ یہی رہا ہے۔

نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ جیسے ارکانِ اسلام کو فروعی مسائل قرار دینے اور انہیں حقیقت ایمان سے خارج سمجھنے سے عمل کی گرہیں کس قدر ڈھیلی پڑتی ہیں، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

دوسری طرف اعتقادات میں کتاب وسنت کی قطعی نصوص کو ثانوی حیثیت دینے اور عقلی دلائل کو ان پر ترجیح دینے سے عقائد کا جو حلیہ بگڑا اور ایمانیات کے مسائل جس طرح بازیچہ اطفال بنے ہیں، وہ بھی اہلِ علم وفکر سے مخفی نہیں۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ صرف اس ایک آیت مبارکہ پر غور کرلیں تو وہم وگمان پر مبنی علم کلام کے الٰہیات سے متعلقہ مباحث سراسر گستاخی نظر آتے ہیں۔ اس پر مستزاد اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات:

﴿وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَى وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (النحل: ٦٠)

"اور اللہ تعالیٰ کے لیے سب سے بلند پایہ مثال ہے، اور وہ غالب، حکمت والا ہے۔"

﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (الروم: ٢٧) "اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمین میں سب سے بلند پایہ مثال ہے۔ اور وہ غالب حکمت والا ہے۔"

﴿فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النحل: ٧٤)

"سو تم اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو، بے شک وہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے ہو۔"

ان ارشادات سے ماخوذ اصولی قواعد وضوابط کے پیش نظر، سلف صالحین، ائمہ اور محدثین نے ذات وصفات باری تعالیٰ کے بارے میں ہر قسم کے قیاس سے احتراز کیا ہے، ماسوائے قیاس اولیٰ کے، جو حقیقتاً قیاس نہیں ہے بلکہ اس کے لیے صرف قیاس کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ اعلیٰ پائے کا ادب واحترام ہے، اس سے دلوں میں اللہ کی عظمت وکبریائی اور اس کے جلال کے نقوش گہرے ہوتے ہیں، اور بندے کی زندگی میں اپنے رب کی بندگی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، اور اس میں کتاب وسنت کی

مطلوب ایسی صفات پیدا ہوتی ہیں جن سے متصف ہو کر وہ حقیقتاً مردِ مومن بن جاتا ہے، سلف صالحین سے منقول و ماثور عقیدے پر اعتماد ہی تعمیر شخصیت کا واحد راستہ ہے۔

لہٰذا اسلام کی علمی و عملی جامع تعبیر اور نشر و اشاعت کی اصل ذمہ داری اسی طائفۂ منصورہ کے اہلِ علم پر عائد ہوتی ہے، جسے لوگ عقائد اور عبادات کے چند مسائل تک محدود سمجھتے ہیں۔

اہل الحدیث کے منہج کی اصل شناخت علمِ نافع اور عملِ صالح پر مشتمل اسلام کی جامع اور مکمل ترجمانی ہے۔''لا الہ إلا الله'' کی شروط کے ضمن میں اس کی کافی حد تک مدلل وضاحت ہو چکی ہے۔

﴿يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ﴾(يس:٢٦)

''کاش میری قوم (یہ بات) جان لے''

۲۔ محدثین کا منہج قبول وعمل

اب آئیں ذرا ان اوصاف کی طرف کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ ان مصادرِ تلقی یعنی کتاب اللہ اور حدیثِ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتا، اس پر یقین کرتا اور اسے اپنے علم وعقیدہ کے حصول کا واحد ذریعہ سمجھتا ہے، اور سلف صالحین صحابہ وتابعین کے منہجِ تلقی کو اپناتا اور ان کے طریق کے مطابق کتاب وسنت سے فیض حاصل کرتا اور نصوصِ وحی کے فہم میں ان پر اعتماد کرتا ہے، اور اللہ کی ذات وصفات کے بارے میں ان کے عقیدے اور ایمان کو معیارِ حق قرار دیتا ہے، وہ ان کی روشنی میں اللہ رب العزت اور اس کی صفات نیز عقیدہ کے بارے میں علم حاصل کرتا ہے، تو اس کی شخصیت کن اوصاف سے متصف ہوتی ہے؟ یا پھر یہ کہہ لیجئے کہ تلقی کے بعد دوسرا درجہ اسے قبول کرنے کا ہے یعنی قبول وانقیاد کہ جو سیکھا ہے اس کو اپنانا کس طریقے سے ہے، اس پر عمل کیسے کرنا ہے خود اس میں کیسے ڈھلنا ہے؟ یوں سمجھ لیجئے کہ کوئی عقیدہ ایسا نہیں ہوتا کہ جس کے نتیجے میں کوئی عمل سامنے نہ آتا ہو، اور کوئی عمل ایسا نہیں ہوتا جس کے پس منظر میں کوئی عقیدہ نہ ہوتا ہو، اس لیے عقیدے اور عمل کی تفریق محض ایک لفظی اور بے معنی سی بحث ہے۔ بعض دلیلوں کو عقیدے کے باب میں مان لینا لیکن عمل کے باب میں نہ ماننا۔ اور بعض کو عمل

کے باب میں مان لینا لیکن عقیدے کے باب میں نہ ماننا اس تفریق کی کوئی مدلل توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ بھلا کوئی ایسا عمل ہوتا ہے جس کے پیچھے کوئی نیت نہ ہو یا اس کے متعلق کوئی عقیدہ یا نظریہ نہ ہو۔ بہر حال ہر عمل کے پیچھے کوئی نہ کوئی عقیدہ اور نظریہ ضرور ہوتا ہے۔ بندہ کوئی عقیدہ اپنائے اور اس کے نتیجے میں عمل نہ کرے، فی الواقع ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے عقیدے اور عمل کی تفریق لفظوں اور سمجھنے کی حد تک تو تسلیم کی جا سکتی ہے حقیقی اور عملی میدان میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے کہ عقیدہ الگ ہے اور عمل الگ ہے۔ جو شخص بھی عقیدہ اپناتا ہے اور اس عقیدے کے آثار اس کی عملی زندگی میں ظاہر ہوتے ہیں، تو وہ عقیدے کے اپنانے میں مخلص اور صادق ہے ورنہ محض لفظوں کی حد تک دعوے دار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو عقیدے کی اصلاح کے بغیر فرد کی اصلاح اور صالح معاشرے کے قیام کے لیے جدوجہد کرتے ہیں ان کی محنت عموماً بے نتیجہ ہی رہتی ہے۔ اصلاح معاشرہ کے لیے توحید باری تعالیٰ کی دعوت اصل الاصول ہے۔ معاشرے کی خرابی کا سب سے بڑا سبب تفرقہ اور اختلاف ہے جس سے باہم رنجشیں اور عداوتیں جنم لیتی ہیں اور بات اکثر و بیشتر قتل و غارت تک پہنچ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بہتر معاشرے کی تشکیل کے لیے اعتصام بحبل اللہ کا حکم دیا ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو، اور ساتھ یہ بھی احسان جتلایا ہے کہ تم جاہلی اختلافات اور عداوتوں سے اس دین کی نعمت کی بدولت ہی نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ کل کے دشمن آج بھائی بھائی ہو، ایسا صرف توحید اور دین اسلام کی برکت سے ممکن ہوا تھا۔ اسلام دشمنوں نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت و شوکت سے خوف کھا کر انہیں پھر ٹکڑیوں میں تقسیم کرنے کی سازشیں کیں۔ حتیٰ کہ امتِ اسلامیہ کے اتحاد کی اساس کلمۂ توحید و اخلاص کے معانی میں بھی انھوں نے اختلافات کو ہوا دی اور مسلمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور اسکی توحید کے بارے میں بھی اختلافات کا شکار ہو گئے۔ اور اسلام کی طرف نسبت رکھنے والے لوگ چار گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور ہر گروہ کلمۂ توحید لا إله إلا الله کا معنیٰ اپنے رجحانات کے مطابق کرتا ہے۔

کلمۂ اخلاص کے معنی میں اختلاف

ا۔ایک گروہ کہتا ہے کہ اس کا معنی لا معبود إلا اللّٰه ہے۔ اور اللہ کا فیصلہ ہے۔﴿وَقَضٰی رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾(الاسراء : ۲۳) ''کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو'' اب اللہ نے فیصلہ کیا ہو پھر وہ نافذ نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ لہذا اللہ کا فیصلہ قوت نافذہ لیے ہوئے ہے اور نافذ العمل ہے۔ اس لیے دنیا میں معبود ایک ہی ہے اور وہ اللہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کی عبادت ہو رہی ہو وہ اللہ ہے۔ یعنی لا معبود إلا اللّٰه کا معنی یہ ٹھہرا کہ ہر معبود ہی اللہ ہے۔ اس لیے سب معبود برحق ہیں۔ یہ حسین بن منصور حلاج کا نقطہ نظر ہے اور راہِ حق وصواب سے ہٹا ہوا عقیدہ ہے۔

اس نظریہ کی رو سے سامری کا بچھڑا بھی معبود برحق تھا اور فرعون بھی سچا معبود تھا۔ ہندوؤں کی گاؤ ماتا، مشرکین مکہ کے پتھر کے تراشیدہ بت اور سورج دیوتا سب معبودان برحق ہیں۔ اہلِ حلول واتحاد کا یہی مذہب ہے اور صوفیاء کی اکثریت اس عقیدے کی وجہ سے اپنے مشائخ کی پرستش کرتی ہے۔ أعاذنا اللّٰه منه۔

حسین بن منصور حلاج نے جب اپنے عقیدۂ حلول واتحاد کا برملا اظہار کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ

ما في جبتي إلا اللّٰه	میرے اس جبے میں اللہ ہے
إله في السمآء	ایک معبود آسمان میں ہے
وإله في الأرض	اور ایک معبود زمین میں
أنا الحق	میں معبود برحق ہوں
أستاذي إبليس وفرعون	میرا استاذ ابلیس اور فرعون ہے۔

بظاہر وہ شریعت کو تسلیم کرتا تھا۔ اس کے باوجود عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے ایام میں بغداد کے تمام علماء وفقہاء نے بالاتفاق حلاج کے قتل کا فتویٰ دیا اور اس کی توبہ پر بھی اعتماد نہیں کیا۔ اور اَنا الحق کا نعرہ بلند کرکے اپنی الوہیت کا دعویٰ کرنے والا یہ فریب خوردہ شخص تختہ دار پر لٹک گیا۔

؎ یہ ہمارا ظرف ہے جو دیکھ کر نورِ صفات کہتے ہیں، سبحانہ، ہم عبد، وہ مولا ہوا
کیا بھرے منصور سا نادان بھلا عرفان کا دم تھا اگر بھاری تو پھر کیوں دار پر ہلکا ہوا

یہ غلطی آیت مذکورہ کو غلط سمجھنے سے گئی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں " قضیٰ " یہاں قدر وکون کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہاں اَمر (حکم دیا) ہے اس پر تمام مسلمان بلکہ تمام عقلاء کا اجماع ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کا حکم دے اس پر کبھی عمل ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا یعنی اللہ تعالیٰ کے تشریعی احکام لازم الوقوع نہیں ہیں، اس لیے بعض سلف اسے ووصّی ربك ألا تعبدوا پڑھتے ہیں۔ یعنی اس میں ایک قراءت یہ ہے۔

۲۔ لا إلہ إلا اللہ کا دوسرا معنی آپ بہت ثقہ لوگوں سے بھی سنتے رہتے ہونگے ''لا موجود إلا اللّٰہ'' یہ بھی پہلے معنی کے قریب اور کتاب وسنت کی رو سے غلط ہے کہ جس میں خالق اور مخلوق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ خالق کا توسرے سے وجود ہی نہیں ہے، دنیا میں ایک ہی وجود ہے اور وہ اللہ کا وجود ہے۔ لا موجود إلا اللّٰہ، اللہ ہی ہے اور کچھ نہیں ہے جو نظر آرہا ہے سب اللہ ہے میں بھی اللہ تو بھی اللہ اور ہر موجود شے اللہ ہی ہے۔ یہ وحدۃ الوجود ہے اور یہ ابن عربی کا نقطہ نظر ہے اس لیے وہ کہتا ہے کہ میں سجدہ تو کرنا چاہتا ہوں لیکن سمجھ نہیں آرہی کہ کس کو کروں؟ معبود تو میں خود ہوں اپنے آپ کو کیسے سجدہ کروں؟ یہ آواز آپ کو ہمارے لوگوں میں بھی سنائی دیتی ہوگی۔ ان کانوں نے بہت ہی معروف اہلِ علم سے بھی یہ آواز سنی ہے۔ بے سمجھی کی وجہ سے، یا شاید تاویل کرتے ہونگے یا صوفیا کے خیالات سے متاثر ہونگے۔

حالانکہ یہ باطل عقیدہ ہے۔ ابن عربی الطائی نے فصوص الحکم میں اس کی تصریح کی ہے۔ وہ تو ذات باری تعالیٰ کے بارے میں وہ کچھ کہتا ہے جس کے بیان سے بھی طبیعت اِبا کرتی ہے۔ شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کی کتاب'' مفتاح عین الجمع والوجود '' سے نقل کیا ہے۔ إنه

لیس للّٰہ تعالیٰ وجود أصلاً ولا حقیقۃ و لا ثبوت إلا نفس الوجود القائم بالمخلوقات۔''

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ کا سرے سے نہ کوئی وجود ہے، نہ حقیقت اور نہ ثبوت، صرف وہی وجود ہے جو مخلوقات کے ساتھ قائم ہے''

ویقول : إن اللّٰه تعالیٰ لا یریٰ اصلاً و انه لیس له فی الحقیقة اسم و لا صفة .....الخ

''اسی طرح کہتا ہے: ''اللہ تعالیٰ بالکل نہیں دیکھتا، حقیقت میں وہ نہ اسم ہے اور نہ صفت ۔۔۔۔''

اصحاب وحدۃ الوجود کا یہی مذہب ہے اکثر صوفیہ اس کے قائل ہیں۔

بہر حال یہ ایک نقطہ نظر ہے کہ اللہ موجود ہے لیکن اللہ کا مستقل وجود کوئی نہیں ہے۔ بلکہ جو مخلوق نظر آ رہی ہے وہ ہی اللہ ہے۔ کتاب وسنت کے واضح دلائل پر مبنی صحیح عقیدہ کے حاملین جو اللہ تعالیٰ کو مستقل بالذات مانتے اور اس کی صفات کا اقرار کرتے ہیں انہیں مجسمہ ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ اور خود صاحب عظمت وجلال ذات باری تعالیٰ کے بارے میں ایسی فلسفیانہ باتیں کرتے ہیں جنہیں نہ کتاب وسنت کی تائید حاصل ہے اور نہ ہی عقل سلیم اسے ماننے کو تیار ہوتی ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اسے اللہ کی توحید وتنزیہ قرار دیتے ہیں۔ سُبۡحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس امر کے بڑے دلائل دیئے ہیں کہ خالق اور مخلوق میں فرق ہے دونوں ایک نہیں ہیں بلکہ خالق الگ ہے، مخلوق الگ ہے۔ خالق کی صفات پر ایمان سے ہی اسکی ذات پر ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی مخلوق سے بہت اعلیٰ وبالا اور منزہ ومقدس عظیم ذات ہے۔

۳۔ **تیسرا نقطہ نظر** یہ ہے کہ اس کا معنی لا خالق إلا اللّٰه ہے جس کے اندر قوت اختراع اور قوت تخلیق ہے وہی اللہ ہے۔ اس لیے یہ مان لیا جائے کہ اللہ رب العزت خالق ومالک ہے وہ پیدا کرنے پر اکیلا ہی قدرت رکھتا ہے تو توحید مکمل ہو جاتی ہے جسے آسان لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے علم کا منتہیٰ توحید ربوبیت ہے۔ توحید ربوبیت مان لی جائے تو لا إلـه إلا اللّٰـه کے معنی وقوع پذیر ہو جاتے ہیں اور اس پر ایمان متحقق ہو جاتا ہے۔ حالانکہ توحید ربوبیت کو تو مشرکین بھی مانتے تھے۔ قرآن کریم نے اس کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اسی عقیدے کے آثار سیئہ ہیں کہ وہ لوگ اولیاء اور ان کی

قبروں کی مجاوری کرتے اور ان سے استغاثہ کرتے اور مدد طلب کرتے ہیں۔ انہیں حاجات کے لیے پکارتے ہیں حتی کہ جنات کو بھی مشکلات میں مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ وہ لا إلـه إلا الـلّـه کے حقیقی معنیٰ سے آگاہ نہیں ہیں جسے مشرکین نے بھی آسانی سے سمجھ لیا تھا اور اسی بنیاد پر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اختلاف کیا تھا۔

کلمۂ توحید کا صحیح مفہوم

۴۔ **چوتھا اور صحیح عقیدہ** وہ ہے جو اللہ رب العزت نے محدثین کی جماعۃ اور اہل سنت والجماعت کو عطا فرمایا ہے کہ لا إلـه إلا اللّه کے معانی بہت وسیع ہیں جنکا احاطہ اور شمار ممکن نہیں کہ اللہ رب العزت کو اس کے اسماء وصفات سمیت وحدہ لاشریک لہ ماننا، یہ لا إلـه إلا اللّه کا اصل معنیٰ ہے۔ اور توحید الوہیت کے بغیر اس کلمہ پر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّ صَلاتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِینَ﴾ (الأنعام:١٦٢)

''کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔''

﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِینُ﴾ (الفاتحة:٥)

''(اے پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔''

﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّینَ﴾ (الزمر:٢)

''تو اللہ کی عبادت کرو (اس کی عبادت کو شرک سے پاک اور) خالص کر کے کرو۔''

﴿أَلا لِلّٰهِ الدِّینُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر:٣)

''دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لیے زیبا ہے۔''

اقرار توحید کی شرائط

قرآن کریم میں توحید پر بے شمار دلائل موجود ہیں چنانچہ محدثین کرام نے کتاب وسنت کے استقراء سے اس کلمے پر یقین کرنے اور اس پر ایمان لانے کی اور اس کے مفید مطلب اور عنداللہ قبول ہونے کی شرطیں بیان کی ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول سے مستنبط ہیں۔ شروط لا إله إلا اللّه محدثین

کے منہج قبول عقیدہ کی بنیاد اور شرح ہیں، یہ شروط درج ذیل ہیں:

١- العلم المنافی للجهل۔

٢- اليقين المنافی للشك۔

٣- الإخلاص المنافی للرياء۔

٤- الصدق المنافی للكذب۔

٥- المحبة المنافية للبغض۔

٦- القبول المنافی للرد۔

٧- الانقياد المنافی للترك۔

ا. العلم المنافی للجهل

ایسا علم جس سے ہر قسم کی جہالت ختم ہو جائے۔

یعنی کلمہ ''لا إله إلا الله'' کا معنی ومفہوم اس حد تک معلوم ہو جائے کہ اس کے بارے میں انسان کو بصیرت حاصل ہو اور کسی قسم کی جہالت اور لاعلمی باقی نہ رہے۔ اس بارے میں مذکور نفی واثبات کو سمجھ لے، کہ یہ کلمہ پڑھنے والا بقائمیٔ ہوش وحواس یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کائنات کی ہر شے سے ''الوہیت'' کی نفی کرتا اور اللہ کی ذات پاک کے لیے اس کا اثبات کرتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے اور ہر قسم کی عبادات اپنے وسیع تر معنی اور انواع واقسام کے ساتھ خالص اللہ تعالیٰ کا بندے پر حق ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ ﴾ (محمد: ١٩)

''سو جان لے کہ یقیناً حق بات یہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی کوتاہی کے لیے استغفار کر۔'' نیز فرمایا:

﴿ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ (الزخرف: ٨٦)

''ہاں جو حق کی گواہی دیں اور وہ اس کو جانتے بھی ہیں۔''

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

دَخَلَ الْجَنَّةَ (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، رقم الحديث:٢٦)

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اس حالت میں فوت ہوا کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جنت میں داخل ہوا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی معنی ومفہوم کی وضاحت کے لیے اپنی کتاب ''الجامع الصحیح'' بخاری شریف میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے۔"العلم قبل القول والعمل" یعنی قول وعمل سے قبل علم حاصل کرنے کا بیان۔

لہٰذا کلمۂ اخلاص کا علم حاصل کیے بغیر اسے صرف زبان سے ادا کر دینے سے ایمان ویقین کی تکمیل نہیں ہوتی اور اقرار وشہادتِ توحید معتبر نہیں ہوتی۔

مشرکینِ مکہ اخلاص کا یہ معنی سمجھ کر ہی اس کی مخالفت کے مرتکب ہوتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿ أَجَعَلَ الْآلِهَةَ اِلَهاً وَاحِداً اِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴾ (ص: ٥)

''کیا اس (محمد ﷺ) نے تمام معبودوں کی بجائے ایک ہی معبود ٹھہرا دیا ہے۔یہ تو یقیناً بڑی عجیب بات ہے۔''

۲. اليقين المنافي للشك

ایسا یقین جس سے ہر قسم کے شک کی نفی ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کاملہ پر ایسا پختہ یقین کہ اس سے ہر قسم کے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو جائے۔صرف زبان کی گواہی کافی نہیں بلکہ دل سے الوہیت باری تعالیٰ کا مکمل یقین اور اس کی سچی تصدیق ہو۔یقینِ قلب کے بغیر لا إلہ إلا اللہ کی شہادت ایمان نہیں بلکہ نفاق کہلاتی ہے جو کفر کی بدترین شکل ہے۔منافقین کا یہی طرزِ عمل تھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ﴾ (المنافقون: ١)

''جب منافق تیرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو یقیناً اللہ کا رسول
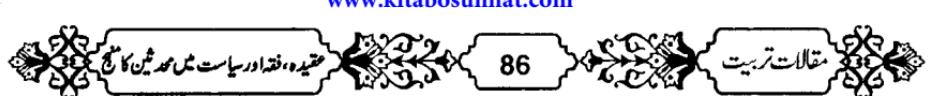
ہے۔اور اللہ جانتا ہے کہ تو بلاشبہ اللہ کا رسول ہے۔اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یقیناً یہ منافقین بلاشبہ جھوٹے ہیں۔''

سچا مومن وہی ہے جو یہ کلمہ ایسے یقین کے ساتھ پڑھے جس کے بعد شک کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔اللہ تعالیٰ ایسے ایمان کی تصدیق فرماتے ہیں۔فرمایا:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ (سورة الحجرات: ١٥)

''کامل مومن تو صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انھوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، صرف وہی لوگ سچے مومن ہیں۔''

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ٢٦)

''جو آدمی اس حال میں فوت ہو کہ جانتا ہو اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، وہ جنت میں داخل ہوگا''۔

اسی طرح آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔'' جو بندہ یہ دو شہادتیں لیکر اللہ سے ملے گا اور اسے ان میں کوئی شک نہیں ہوگا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' (صحیح مسلم، کتاب الایمان: ۲۷)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے:

مَنْ لَقِيَ يَشْهَدُ أَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ بَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ٤٦)

''جو شخص اللہ سے لا إلہ إلا اللہ کی گواہی دیتے ہوئے ملے گا دل سے اس پر یقین کرتے ہوئے تو اسے جنت کی خوش خبری دیدو۔''

عَن أَبِی بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ لَمْ يُعْطَوْا فِي الدُّنْيَا خَيْرًا مِنَ الْيَقِينِ وَالْمُعَافَاةِ فَسَلُوهُمَا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ (مسند أحمد ١ / ٣٨:٨)

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! بے شک لوگ دنیا میں یقین اور عافیت سے بڑھ کر بہتر کوئی چیز نہیں عطا کیے گئے۔ سو تم اللہ سے یہ دونوں چیزیں مانگتے رہا کرو۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے۔

"اَلْيَقِينُ الْإِيمَانُ كُلُّهُ" (صحيح بخاری، کتاب الإيمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "بنی الإسلام علی خمس) ''یقین پورا ایمان ہے۔''

الغرض کلمہ اخلاص پر ایمان کی تکمیل کے لیے اس کے وسیع تر معانی پر کامل یقین شرط ہے۔ ذات وصفات باری تعالیٰ کے بارے میں کسی سطح اور مقام پر کسی بھی قسم کا شک اللہ تعالیٰ پر ایمان کے منافی ہے۔ اسی لیے حضرات محدثین کرام اور ان کے ہم مسلک اہل الحدیث تاویل وتعطیل کو قبول نہیں کرتے، جو یقین کے منافی ہیں۔ صفات الٰہیہ جو کتاب وسنت میں وارد ہیں ان کے مدلولات میں جب کوئی شکوک وشبہات کا شکار ہوتا ہے اور اسے ان کے وسیع تر معانی پر یقین نہیں آتا تو وہ تاویل کا راستہ اختیار کرتا ہے، جو بالواسطہ انکارِ صفات کا ایک طریقہ ہے۔

﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾ (الصافات: ١٥٩)

''اللہ تعالیٰ ان اوصاف سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔''

ایسے ہی جو شخص اللہ تعالیٰ کی ایسی تنزیہ وتقدیس بیان کرتا ہے، جو انبیاء ورسل علیہم السلام نے نہیں کی اور اس سے صفات باری تعالیٰ بے معنی الفاظ ہو کر رہ جاتے ہیں اور اس سے صفات کا انکار لازم آتا ہے، وہ بھی نصوص وحی پر بے یقینی کا نتیجہ ہی ہوتا ہے جو اللہ پر غیر مشروط اور مطلق ایمان کے منافی ہے۔''

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعاً قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (الزمر: ٦٧)

''اور وہ اللہ کی قدر و منزلت نہیں پہچان سکے، حالانکہ قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان لپٹے ہوئے اس کے داہنے ہاتھ میں ہونگے۔ وہ اس سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے، جسے وہ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔''

۳۔ الإخلاص المنافي للشرک والریاء

ایسا اخلاص جس سے ہر قسم کے شرک اور ریاکاری کی نفی ہو جائے۔

یعنی تمام عبادات اس نیت کے ساتھ ہوں کہ یہ خالص اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کے لیے خاص ہیں۔ ظاہر و باطن میں ہر طرح کے شرکیہ امور سے ان کی صفائی ہو، ان عبادات کی انجام دہی میں اللہ کے علاوہ کسی کا کوئی حصہ نہ ہو، عبادات بجالاتے ہوئے، ان کے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے، اور ایسے ہی ان سے کسی خوشنودی اور رضا کے حصول کے لیے اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف توجہ اور نظر قطعاً اور ہرگز نہ ہو۔ لا إلہ إلا اللہ کا اقرار اعمال کے اس تصفیہ اور تنقیہ کا تقاضا کرتا ہے اور یہ اقرار قبولیت کے لیے اس اخلاص کامل کے ساتھ مشروط ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ (الفاتحة: ۵)

''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔''

﴿ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر: ۳)

''خبردار! خالص عبادت صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہے۔''

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (البينة: ۵)

''اور ان کو صرف یہی حکم دیا گیا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں۔''

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ (النحل: ۳۶)

''اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (یہ پیغام دے کر) کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں سے اجتناب کرو۔''

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾(الأنبياء:۲۵)

''اور جو کوئی رسول بھی ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا اس کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم صرف میری ہی عبادت کرو۔''

ارشاد نبوی ہے:

"عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِی یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ" (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب الحرص علی الحدیث، رقم الحدیث: ۹۷)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری شفاعت کی سعادت سب سے زیادہ قیامت کے دن اسے حاصل ہوگی جس نے خلوصِ دل سے لا إلہ الا اللہ کہا ہو گا۔''

عَنْ عِتبَانَ بنِ مَالك عَنِ النبی ﷺ "فَاِنَّ اللَّهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللَّهِ" (صحیح مسلم برقم: ۲۶۳)

''حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے اس شخص پر یقیناً آگ حرام کر دی ہے جس نے صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے لا إلہ إلا اللہ پڑھا۔

٤۔ الصدق المنافی للکذب:

اس سچائی کے ساتھ یہ کلمہ پڑھے کہ اس سے ہر قسم کے جھوٹ کی نفی ہو جائے۔

یعنی جو اقرارِ توحید زبان سے کر رہا ہے، دل کی گہرائیوں میں بھی وہی توحید ہو، دل اور زبان کی یہ یکجہتی اور رفاقت صحتِ ایمان و اسلام کی شرط ہے۔ منافقین چونکہ زبان سے اقرار کرتے تھے اور ان کے دل اس کی تصدیق نہیں کرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے باوجود انکے واضح اقرار کے انہیں جھوٹے قرار دیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ﴾ (البقرة: ۸)

''اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر بھی

حالانکہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔''

﴿ الٓمٓ ۔ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لا يُفْتَنُونَ ☆ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾ (سورة العنكبوت: ١ ـ ٣)

''کیا لوگوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ وہ صرف اس بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اوران کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔ اور ہم نے یقیناً ان لوگوں کو بھی آزمایا تھا جوان سے پہلے ہوگذرے ہیں، سواللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کرے گا جنہوں نے سچ بولا اور جھوٹوں کو بھی ضرور ظاہر کرے گا۔''

''عَنْ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ اِلَّا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ''

(صحيح بخاری كتاب العلم ، باب من خص بالعلم قوماً، رقم الحديث: ١٢٨، ومسلم برقم: ٣٢)

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جوشخص یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں اوراس گواہی میں دل سے سچ بولنے والا ہوتو اللہ اس کو آگ پر حرام کردیتے ہیں''۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لا إلہ إلا اللہ'' کی تصدیق اس کلمہ کے حقوق کے اقرار اوراطاعت کا تقاضا کرتی ہے، اور وہ حقوق اسلام کے طریقے اوراحکام ہیں جواس کلمہ کی تفصیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تمام خبروں کی تصدیق، اس کے احکام کی تعمیل اور جن چیزوں سے اس نے روکا ہے ان سے اجتناب اس کلمے کی تصدیق واقرار کا حصہ ہے، اس کا سچا اقرار کرنے والا وہی ہوگا جو یہ سب کچھ بجا لائے گا، اور معلوم ہے کہ مال اور جان کی مکمل امان اسی شخص کو حاصل ہوتی ہے جواس کلمہ کے مذکورہ حقوق ادا کرتا ہے، ایسے ہی آخرت کے عذاب سے مطلقاً نجات اسی شخص کی ہوگی جواس کلمے کا اقرار کرتا اوراس کے مذکورہ حقوق ادا کرتا ہے۔'' (التبيان في أقسام القرآن ، ص:٤٣)

لہٰذا جوشخص زبان سے اللہ کی الوہیت کا اقرار اور عمل سے ہوائے نفس اور شیطان کی پیروی

کرے تو اسکے عمل نے اس کے قول کی نفی کر دی۔ اس کی معصیت اور نافرمانی کے حجم اور مقدار کے مطابق اس کی توحید کے اقرار میں کمی واقع ہوگی، عمل سے جھوٹ کی نفی کے بغیر صرف زبان کی سچائی معتبر نہیں ہو سکتی۔ کلمۂ اخلاص ''لا إلہ إلا اللہ'' کا وہی اقرار معتبر ہوگا جس کی تصدیق اقرار کرنے والے کے عمل اور کردار سے ہو۔

۵۔ المحبة المنافية للبغض

ایسی محبت جس سے بغض اور کراہیت کی نفی ہو جائے۔

یعنی لا إلہ إلا اللہ کا اقرار کرنے والا، اللہ اور اس کے رسول، نیز اسلام اور ایسے مسلمانوں سے محبت کرے جو احکام الٰہی کی پابندی کرنے والے اور اس کی حدود کی پاسداری کرنے والے ہیں، اور ایسے لوگوں سے بغض رکھے جو اس کلمہ اخلاص کی مخالفت کرتے اور اس کے منافی امور شرک وکفر وغیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ گویا اقرار اور عمل کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے اللہ اور اس کے دین کے ساتھ سچی محبت بھی شرط ہے۔ محبت بھی ایسی جس سے ہر قسم کے بغض اور ناپسندیدگی کی ظاہری وباطنی نفی ہو جائے، اور اللہ اور اس کے دین کے مخالفین کے لیے دل میں یہ بغض وکراہیت پیدا ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (البقرة: ١٦٥)

''اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ کو اللہ کے شریک بنا لیتے ہیں، ان سے اللہ کے ساتھ محبت جیسی محبت کرتے ہیں، اور جو لوگ ایمان لائے، وہ اللہ ہی کے لیے سب سے بڑھ کر محبت کرنے والے ہیں۔''

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ (المائدة: ٥٤)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے کوئی شخص اگر اپنے دین سے پھر جائیگا تو جلد ہی اللہ ایسے لوگ لے آئے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔''

﴿لا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَائَهُمْ أَوْ أَبْنَائَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ﴾ (المجادلة: ٢٢)

''تم ایسے لوگوں کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، کبھی ان لوگوں سے محبت کرتے نہیں دیکھو گے جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں، چاہے وہ ان کے باپ ہوں یا بھائی یا ان کے قبیلے کے لوگ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے، اور اپنی طرف سے ایک خاص روح کے ساتھ ان کی مدد کی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ) (صحيح بخاری، كتاب الإيمان، باب حلاوة الإيمان، رقم الحديث: ١٦)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تین خصلتیں ایسی ہیں جس شخص میں ہوں وہ ایمان کی حلاوت (مٹھاس) پالیتا ہے۔ (ایک) یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اس کو ان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں۔ (دوسرے) یہ کہ وہ کسی شخص سے محبت کرے تو اللہ (کی رضا) کے لیے اور (تیسرے) یہ کہ کفر میں لوٹ جانے کو ایسے ہی مکروہ اور ناپسند سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے:

(إِنَّ أَوْثَقَ عُرَى الْإِيمَانِ أَنْ تُحِبَّ فِي اللَّهِ وَتُبْغِضَ فِي اللَّهِ)

(مصنف ابن أبي شيبه، والطبراني في الكبير، حسنه الألباني في الصحيحة برقم: ١٧٢٨)

''ایمان کی سب سے مضبوط کڑی اللہ کے لیے محبت اور اسی کے لیے بغض رکھنا ہے۔''

لہذا کلمۂ اخلاص کا اقرار اور توحید کی شہادت تب ہی معتبر ہوگی جب عمل کے ساتھ اللہ کی محبت اور غیر اللہ کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے بغض ہو۔ یہ شرط پوری نہ ہو تو کلمے کے اقرار کے تقاضے مکمل نہیں ہوتے۔

اسکی تفصیل ''الولاء والبراء'' کے عنوان کے تحت اگلے صفحات میں آرہی ہے۔

اللّٰھُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنَا إِلیٰ حُبِّكَ ۔ آمین

٦۔ القبول المنافي للرد :

کلمۂ اخلاص کو دل اور زبان سے اس طرح قبول کرنا کہ اس کے رد کرنے کا شائبہ نہ رہے۔
یعنی توحید کا اقرار اس سلیقے سے کرے کہ کسی مرحلے میں بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو رد کرنے کا احساس تک جنم نہ لے۔

اور دین وشریعت کو قبول کرنے میں شیطان، خواہشاتِ نفس یا کوئی اور چیز رکاوٹ نہ بن سکے۔
گویا کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی حجیت پر غیر مشروط ایمان اور ان پر غیر مشروط عمل اقرارِ توحید ورسالت کا لازمی تقاضا اور قبولیتِ کلمہ اخلاص کی اساسی شرط ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سابقہ مللِ واقوام کے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جنکی نجات ''لا إله إلا اللہ'' قبول کرنے سے ہوئی اور ان لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے جو اس کلمے کو رد کرنے کی وجہ سے اللہ کے انتقام کے نتیجے میں اپنی ہلاکت کا شکار ہوئے۔ فرمایا:

﴿ ثُمَّ نُنَجِّی رُسُلَنَا وَالَّذِینَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِینَ﴾ (یونس: ١٠٣)
''پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے رہے ہیں اور ایسے ہی ان لوگوں کو بھی جو ایمان لائے، ہماری ذمہ داری ہے کہ مؤمنوں کو نجات دیں''۔

مشرکین اور منکرین کے بارے میں فرمایا:

﴿ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِیلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ یَسْتَكْبِرُونَ وَیَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ﴾ (الصافات: ٣٦) ''بے شک وہ ایسے لوگ تھے جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے تھے، اور کہتے تھے کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ

دینے والے ہیں۔''

لہذا جو شخص توحید ورسالت کی دعوت کو مکمل طور پر قبول نہ کرے، کبر وغرور یا حسد وعناد اور ضد کی وجہ سے اسے رد کرے، اس کا اقرار ِکلمۂ توحید قبول نہیں ہے، اور یہ مشرکین اور اہل کتاب کا طرز عمل اور کفر یہ طریقہ ہے جو ان کی ہلاکت کا باعث بنا۔ نعوذ باللّٰہ من ذلك۔

۷۔ الانقياد المنافي للترك :

اللہ اور اس کے رسول کی ایسی اطاعت جس میں دین وشریعت کا کوئی حصہ چھوٹنے نہ پائے۔

''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' کا اقرار کرنے اور اسے مضبوطی سے تھامنے کا لازمی تقاضا ہے کہ احکام ِالٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور دل وجان سے اطاعت کے لیے اپنا ظاہر وباطن اللہ کو سونپ دے، کتاب وسنت کو عقیدۃً وعملاً مضبوطی سے تھامے بغیر کلمۂ اخلاص کا اقرار معتبر اور مفید ثابت نہیں ہوتا۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ (لقمان: ۲۲)

''اور جو شخص اپنے چہرے کو اللہ کے سپرد کرے اور نیک عمل کرنے والا بھی ہو اس نے مضبوط کڑی کو تھام لیا، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے۔''

یعنی ظاہری وباطنی اور فکری وعملی تمام رجحانات اور میلانات اللہ کی مرضی کے تابع ہوں تو اقرار توحید سے اصل مفاد حاصل ہوتا ہے۔ نیز فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾ (النساء:٦٥)

''سو تیرے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک تجھے اپنے ان امور میں (تصفیے کے لیے) حکم نہ بنالیں جن میں ان کے مابین جھگڑا ہوتا ہے، پھر اپنے دلوں میں تیرے فیصلے سے تنگی بھی محسوس نہ کریں، اور اسے دل سے اچھی طرح مان لیں۔

لہذا اللہ اور اس کے رسول کی غیر مشروط اطاعت اور کتاب وسنت کے احکام کے لیے مکمل خود سپردگی اقرارِ توحید کے معتبر ہونے کے لیے لازمی شرط ہے۔

اس مختصر وضاحت اور صحیح اور صریح دلائل سے یہ واضح ہوگیا کہ ان شروط میں سے کوئی ایک شرط بھی اجتہادی، قیاسی یا خود ساختہ نہیں ہے بلکہ کتاب وسنت کی صریح اور صحیح نصوص سے ماخوذ ہیں، حضرات محدثین کرام اور انکی جماعت کا یہی علمی، فکری اور عقائدی منہج ہے کہ وہ ہمیشہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی واضح اور صحیح نصوص پر کلی اعتماد کرتے ہیں۔ اور ان کے عقیدے کا مبنیٰ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ حق تک رسائی کے لیے سلف امت صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے ہاں یہی منہج معمول بہ رہا ہے۔ اس کی تعلیم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(فَـإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ) (متفق عليه ، خ :٨٨٧٢، م :١٣٣٧) ''جب میں تمہیں کسی شے سے منع کروں تو اس سے اجتناب کرو اور جب کسی امر کا حکم دوں تو حسب استطاعت اسے بجالاؤ۔''

سب سے پہلے اہلِ حدیث حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی فرمانِ نبوی کو اپنا شعار بنایا اور اسی کی بنیاد پر اپنے منہج کی تاسیس کی تھی۔ انھوں نے اپنے اولین خطبہ خلافت میں ہی واضح کر دیا تھا

"إنما أنا متبع ولست بمبتدع"(البداية والنهاية : ٦/ ٣٣٤)

''میں اتباع کرنے والا ہوں، دین میں کوئی نئی چیز نہیں نکالنے والا ہوں۔''

الغرض صرف زبان سے لا إلـه إلا الـلّه کہہ دینا کافی نہیں بلکہ یہ شرطیں پوری ہوں تو لا إلـه إلا اللہ پر ایمان مکمل ہوتا ہے۔

ان شروط سے مراد بالترتیب انہیں یاد کرنا، یا ان کے الفاظ کو حفظ کرنا نہیں ہے بلکہ ان سے مقصود علم وعمل ہے۔ ان پر ایمان لانے اور عمل کرنے سے ایک مومن بندہ حقیقی معنوں میں اہلِ توحید میں شمار ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان شروط کو حفظ کر لیتا ہے، اور ان کے الفاظ کو دہرا لیتا ہے مگر عقیدے اور عمل سے ان کی مخالفت کرتا ہے، تو ایسے شخص کی توحید کامل نہیں ہوگی۔ کتنے ہی ایسے اہلِ توحید ہونگے جنہیں لفظی طور پر ان شروط کا علم نہیں ہوگا مگر ایمان باللہ اور عقیدۂ توحید میں انتہائی پختہ ہونگے اور عملی طور پر وہ ان شروط کو پورا کرتے ہونگے، اور عقیدے اور عمل میں کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرتے ہونگے۔ ایسے لوگ ان شاء اللہ کامیاب وکامران ہیں۔

ہدایت کا راستہ یہی ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے تمام شروط من وعن قبول ہوں، اور قبولِ حق کے لیے اپنی کوئی شرط نہ ہو۔

﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ (آل عمران: ۷)

''اور پختہ علم لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے''

لا إله إلا الله کا اس معنی کے ساتھ اقرار کرنا جو ان تمام شروط کو پورا کرتا ہو۔ یہ محدثین کی جماعت کے ہاں عقیدے کا منہج قبول وعمل ہے جس پر وہ کاربند رہے۔ پہلی بات مصدرِ تلقی اور منہجِ تلقی یعنی عقیدے کے مسائل کہاں سے سیکھنے ہیں اور کیسے سیکھنے ہیں۔ دوسری بات کہ اسے قبول کیسے کرنا ہے اس سلیقے اور اس وسعت کے ساتھ لا إله إلا الله کے عقیدے کو قبول کیا جائے تو پھر محدثین کے منہج پر عمل ہوتا ہے۔

۳۔ محدثین کا منہج دعوت وتبلیغ

اگلی بات جو سیکھا ہے اسے سکھانا بھی ہے گویا محدثین کے منہج عقیدہ کا تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ عقیدہ کی طرف دعوت کیسے دینی ہے؟ جو عقیدہ اپنایا ہے اسے لوگوں تک کیسے اور کن اصولوں کے مطابق پہنچانا ہے؟ اس کا بیان کس طریقے سے ہے؟ اس کے چار بنیادی اصولوں کا ہم یہاں ذکر کریں گے:

[۱] اثبات ونفی کا صحیح طریقہ

اثبات اور نفی جس طریقے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں بیان ہوا ہے کہ اثبات مفصل ہے اور نفی مجمل۔

جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشورى: ۱۱)

''اُس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ خوب دیکھنے والا سننے والا ہے۔''

﴿ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ (الأعراف: ۱۸۰)

''اور اللہ کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں تو اُس کو ان ناموں سے پکارا کرو۔ اور جو لوگ اُس کے ناموں میں کجی (اختیار) کرتے ہیں اُن کو چھوڑ دو۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اُس کی سزا پائیں گے۔''

﴿ قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ﴾

(الإسراء: ۱۱۰)

''کہہ دو کہ تم اللہ کو (اس کے ذاتی نام اللہ سے) پکارو یا رحمٰن (کے نام سے) جس نام سے پکارو اُس کے سب نام اچھے ہیں۔''

اسماء اور صفات الٰہی میں بیان کا انداز یہ ہو کہ اثبات تفصیل کے ساتھ اور نفی اجمال کے ساتھ ہو یہ باتیں اس سے پہلے بھی آپ کو معلوم ہونگی لیکن مقصود یہ ہے کہ ان کا اہتمام رہنا چاہیے۔

معتزلہ، جہمیہ اور ان کے علاوہ جتنے بھی بدعتی فرقے ہیں ان کا طریقہ اس کے بالکل الٹ ہے کہ اثبات مجمل اور نفی تفصیل سے کرتے ہیں، انہیں اس میں تشبیہ یا کوئی اور محظور شے نظر آتی ہے جس سے ذات الٰہی کے ادب واحترام پر زد پڑتی ہے اس لیے وہ نفی کرتے کرتے یہاں تک پہنچے کہ تمام صفات کا انکار ہو گیا، کسی نے تمام اسماء وصفات کا انکار کر دیا تو کسی نے صفات کا انکار کر دیا اسماء مان لئے، اور کسی نے کوئی حصہ مان کر باقی کا انکار کر دیا۔ یہ یاد رہا کہ اثبات سے تشبیہ لازم آتی ہے یا تعدد آلہہ لازم آتا ہے۔ اور نفی سے سرے سے ذات الٰہی کی نفی لازم آتی ہے، اس کی کوئی پروا نہیں۔ اس قدر نفی کرنا کہ معبود کا وجود ہی باقی نہ رہے، تنزیہ کا اس سے بدتر طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔

[۲] تنزیہ کا اصول

محدثین کے منہج کا اگلا اصول عقیدے کے بیان میں تنزیہ ہے۔ وہ اثباتِ صفات کے ساتھ تنزیہ کو بھی ضروری سمجھتے ہیں، کوئی ایسی بات جو اللہ کی شان کے لائق نہ ہو، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ تشبیہ کی نفی، تعطیل کی نفی حتیٰ کہ تمام ایسی باتوں کی نفی جو اللہ رب العزت کے شایانِ شان نہ ہوں۔

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشورى: ۱۱)

''اُس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ خوب سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

﴿سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يَصِفُونَ﴾ (الأنعام: ١٠٠)

''وہ ان باتوں سے جو اُسکی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہے اور (اُس کی شان ان سے) بلند ہے۔''

[۳] ایمان کامل

ایمان کامل سے مراد عدم تاویل ہے۔ تاویل آتی ہی وہاں ہے جہاں بندہ یہ سمجھتا ہے کہ اتنی بڑی بات کیسے ہوسکتی ہے۔ اللہ رب العزت کے بارے میں یہ جو صفت ذکر کی گئی ہے، یہ قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اس پر یقین نہیں آتا لہذا بزعم خود اس نا قابلِ یقینِ بات پر یقین سے بچنے کے لیے کوئی ایسا معنی نکالو جس پر یقین ہو سکے۔ وحی پر عدمِ اعتماد کا شکار اہلِ بدعت اسی بیماری میں مبتلا ہیں۔ جبکہ محدثین کے منہج کا امتیاز یہ ہے کہ وہ نصوصِ کتاب وسنت بشمول آیات صفات پر ایمان لانے اور ان کی تفسیر و بیان میں تاویل کے قائل نہیں ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایمان کامل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جو اوصاف بیان کیے ہیں یا رسولوں نے اس کے متعلق جو اوصاف بیان کیے وہ سب بغیر تاویل وتعطیل اور بغیر تمثیل وتکییف کے قبول کرتے ہیں۔

(لَا نُحْصِي ثناءً عَلَيْكَ أنت كَمَا أَثْنَيْتَ عَلى نَفْسِكَ)

[۴] مشتبہ الفاظ سے اجتناب

چوتھی بات یہ ہے کہ ایسے الفاظ سے احتراز اور پرہیز کیا جائے جو مجمل ہیں جن کے کئی معانی ہو سکتے ہیں۔ یا جن کے ذریعہ سے تشکیک پیدا ہوسکتی ہے۔ مجمل ومشتبہ یا مشکوک الفاظ جیسا کہ رواج ہے کہ اپنی اصطلاحات کو بھاری بنانے کے لیے یا اپنے علم کو اجاگر کرنے کے لیے اور لوگوں پر دباؤ ڈالنے کے لیے ایسی مصطلحات کا استعمال کرنا جن کے نتیجے میں بعض اوقات غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، اور نصوص کے ظاہری اور واضح معانی ومفاہیم سے ہٹ کر ایسے معانی اختیار کیے جاتے ہیں جو غلط اور صحیح دونوں کا احتمال رکھتے ہوں، پھر انہیں اپنی مخصوص اصطلاحات قرار دے کر ان میں من مانی تشریحات کا راستہ اختیار کیا جاتا اور لوگوں کو قلتِ فہم کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ یہ تشکیک کا راستہ ہے۔ آخر ایسا راستہ کیوں اختیار کیا جائے جس کی وجہ سے کفر کے فتوے لگیں جس کے نتیجے میں پھانسیاں لگیں۔ اس کی بجائے ایسی

راہ کیوں نہ اختیار کی جائے جس کے نتیجے میں بات لوگوں کی سمجھ میں آجائے اور خود کو بھی پتہ چل جائے کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ اہلِ بدعت کے خیالات اور مقالات سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ انہیں خود بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں، بالکل فلسفہ تثلیث کی طرح خود اس کے قائل نصاریٰ بھی جسے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

بہر حال محدثین کرام کے منہج کا یہ امتیاز ہے کہ تفہیم وبیان اور دعوت وتبلیغ کے لیے وہی الفاظ استعمال کرتے ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں آئے ہیں۔ ان کے سوا اپنے پاس سے الفاظ استعمال نہیں کرتے۔ امید ہے کہ اس حد تک میری بات سمجھ میں آگئی ہوگی۔ اللہ سمجھ سے نوازے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

۴۔ محدثین کا منہج تعامل

محدثین کرام کے عقائدی منہج کا ایک اہم باب دوسروں کے ساتھ تعلقات ہیں، جن کی بنیاد یہی عقیدہ ہے۔ اس کے دو اہم حصے ہیں: (۱) الولاء (۲) البراء۔

۱۔ الولاء

اہل ایمان کے ساتھ ولاء یعنی!

☆ محبت والفت۔

☆ کارِ خیر میں ان کے ساتھ تعاون۔

☆ بوقت ضرورت ان کی حسب استطاعت مدد۔

☆ اللہ کو خوش کرنے کے لیے ان سے میل ملاقات کا اہتمام اور صحبت ورفاقت۔

☆ ملاقات کے وقت سلام ومصافحہ۔

☆ کتاب وسنت میں مذکور ان کے حقوقِ عامہ وخاصہ کی ادائیگی، وغیرہ۔

اسلامی وسلفی عقیدے کا لازمی حصہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ
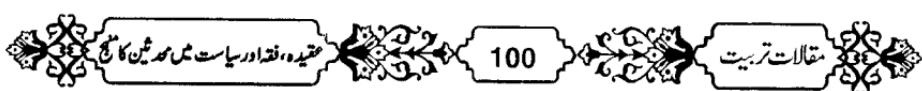
رَاكِعُونَ ☆ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾

(المائدہ:٥٥۔٥٦)

''تمہارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول، اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں، اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دوستی رکھے گا اور ان لوگوں سے جو ایمان لائے، تو یقیناً اللہ کا گروہ وہی غالب آنے والا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبہ:٧١)

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے ہیں۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''أَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ'' (حوالہ گزر چکا ہے)

''یہ کہ کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ کے لیے۔''

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ وَأَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الإِيمَانَ'' (رواہ أبو داود برقم:٤٦٨١ والترمذی برقم: ٢٥٢١)

''جس شخص نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے کسی سے بغض رکھا، اور اللہ کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے ہاتھ کھینچا تو یقیناً اس نے ایمان مکمل کرلیا۔''

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ) (رواہ ابو داود:٤٥٩٩)

''افضل ترین عمل اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے بغض رکھنا ہے۔''

اس کے برعکس قطع رحمی اور اہلِ ایمان سے قطع تعلقی کو اللہ تعالیٰ نے موجب جہنم قرار دیا ہے۔

اہلِ ایمان کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلقات کو حرام ٹھہرایا۔

۲-البراء

اہل کفر ونفاق کے ساتھ بغض اور لاتعلقی اوران سے بیزاری بھی اس عقیدے کی رو سے جزوایمان ہے۔ارشادفرمایا:

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾(آل عمران:٢٨)

''مومنوں کو چاہیے کہ اہلِ ایمان کو چھوڑ کر کفار کو دوست نہ بنائیں۔''

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ (الممتحنه:١) ''اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔''

مزید ارشاد فرمایا:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ﴾(الممتحنة:٤)

(مسلمانو!) تمہارے لیے حضرت ابراہیم میں اوران کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں، ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لیے بغض وعداوت ظاہر ہوگئی ہے۔''

نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''أَوْثَقُ عُرَى الْإِيمَانِ الْحُبُّ فِي اللَّهِ وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ'' (مصنف ابن ابی شیبه ، الطبرانی فی الکبیر ، حسنه الألبانی فی الصحیحة برقم :١٧٢٨)
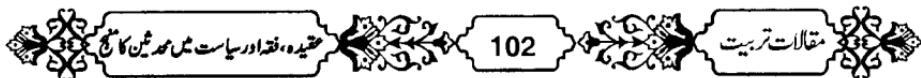
''اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے بغض رکھنا، ایمان کی سب سے مضبوط کڑی ہے۔''

لہٰذا اہلِ ایمان کا فرض ہے کہ کتاب وسنت سے ثابت اس عقیدہ ''البراء'' پر عمل پیرا ہوں اور:

- ان کے دل میں کفار ومشرکین کے لیے کوئی محبت واحترام نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾

(المجادلہ:۲۲)

''اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے۔''

- یہود ونصاریٰ سے دوستانہ مراسم نہ رکھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾(المائدہ:۵۱)

''اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا۔''

- ان کے مشوروں اور نصائح کو خاطر میں نہ لائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ﴾(آل عمران:۱۴۹)

'' اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے (یعنی تمہیں مرتد بنا دیں گے) پھر تم نامراد ہو جاؤ گے۔''

- اپنی نجی، قومی اور معاشرتی زندگی میں ان کی خواہشات کا احترام نہ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾

(البقرۃ:۱۲۰)

''اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے پھر ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔''

❁ ان کی طرف کسی قسم کا میلان اور رجحان نہ رکھیں۔فرمایا:

﴿وَلَا تَرْكَنُوا اِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ﴾ (ھود:۱۱۳)

''دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہیں جھکنا ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ چھولے گی، اور اللہ کے سوا اور تمہارا کوئی دوست نہیں ہوگا اور نہ تم مدد دیے جاؤ گے۔''

❁ کفریہ معاشروں کو استحسان کی نظر سے نہ دیکھیں، ان کی تعریف نہ کریں۔ان کے ساتھ تعلقات میں مداہنت سے کام نہ لیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾(القلم:۹)

''وہ تو چاہتے ہیں کہ تو ذرا ڈھیلا ہو تو یہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔''

❁ ان کے اعتقادات وافکار،عبادات ،دینی ومذہبی شعائر ،تہذیبی وثقافتی روایات ،عبادات واطوار اور بودوباش ،لباس ، رہنے سہنے اور خوردونوش کے طریقوں میں ان سے مشابہت اختیار نہ کریں۔ان کی عیدوں (کرسمس وغیرہ) اور دیگر مذہبی رسوم ورواج اور تہواروں میں شرکت بھی اسی مشابہت کا حصہ ہے۔فرمایا:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَائَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (آل عمران:۱۰۵)

''تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

ہمارے ہادی وراہنما حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)(أبو دؤاد برقم:۴۰۳۱)

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہو جائے گا۔''

❁ کفار پر اعتماد، انہیں اپنے امور و معاملات میں شریک کرنا، اپنی پالیسیوں میں ان سے راہنمائی حاصل کرنا، انہیں اپنے راز دان بنانا ان سب امور سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ (العنکبوت: ٤١)

''جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز مقرر کر رکھے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر بنا لیتی ہے حالانکہ تمام گھروں سے زیادہ بودا گھر مکڑی کا گھر ہی ہے، کاش وہ جان لیتے۔''

﴿وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّى يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ (النساء: ٨٩)

''ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ، پس جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ، پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو، اور قتل کرو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں، خبردار ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا۔''

❁ بلاد کفر میں سکونت اختیار نہ کریں اور بلا ضرورت وہاں جانے سے پرہیز کریں۔ مجبوری اور دینی مصلحت اس سے مستثنیٰ ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکین کے درمیان سکونت پذیر ہے، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں کی آگ ایک دوسرے کو نہ دیکھے''۔ (ان کے گھر ایک دوسرے سے دور ہوں) (ابوداود: ۲۶۴۵، ترمذی: ۱۶۰۴، عن جریر۔ امام بخاری، ابوداود، ترمذی اور دارقطنی نے اس حدیث کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے)۔

اہل بدعت کے ساتھ تعلقات میں محدثین کا منہج

حضرات محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے پوری وضاحت وصراحت سے اہل بدعت کے ساتھ تعلقات
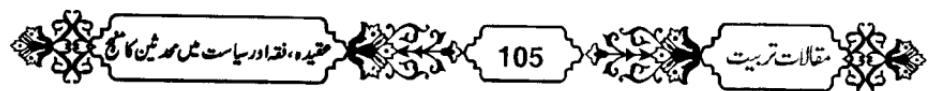
پر روشنی ڈالی ہے۔ اور کتاب وسنت کے دلائل سے اس کی حدود وقیود بیان کی ہیں اور بدعت اور اہلِ بدعت کے درجات اور ان کی اقسام ذکر کی ہیں۔

علامہ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں اہل السنہ والجماعہ کا اجماع نقل کیا ہے:

"أجمعوا على ذم سائر أهل البدع والتبری منهم وهم الروافض والخوارج والمرجئة والقدرية وترك الاختلاط بهم)(رسالة أهل الثغر بباب الأبواب،الاجماع الخمسون"

''تمام اہل بدعت کی مذمت، ان سے براءت، لاتعلقی اور میل جول ترک کرنے پر اجماع ہے اور ان سے مراد روافض، خوارج، مرجیہ اور قدریہ ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ (الانعام:٦٨)

''اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴾ (الجاثیہ:٢٣)

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے اب ایسے شخص کو اللہ کے بعد کون ہدایت دے گا۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ﴾ (الکہف:٢٨)

''اور اس کا کہنا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گزر چکا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴾

(الانعام: ۱۲۱)

''اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں یہ بات ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ ﴾ (النساء: ۱٤۰)

''اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو، جب تک وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو۔''

بدعت اور اہلِ بدعت کی تقسیم

بدعت کبریٰ: بدعت کبریٰ کے مرتکب اہلِ بدعت کے ساتھ تعلقات کا حکم عام اہل بدعت سے مختلف ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے عقائد وایمانیات میں طائفہ منصورہ کے ساتھ اختلاف کیا، کتاب وسنت کی صحیح وصریح نصوص کی من مانی تاویلیں کی۔ ذاتی آراء اور خواہشاتِ نفس کو سامنے رکھ کر ان کے معانی متعین کیے۔ انھوں نے سلفِ امت صحابہ وتابعین سے ماثور عقائد کو نہ صرف یہ کہ پس پشت ڈالا بلکہ ان کی اہانت اور گستاخی کا ارتکاب بھی کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ''ایمان'' کی ادنی ترین تعریف یعنی صرف تصدیق بالقلب (یقین) بھی ان پر کما حقہ صادق نہیں آتی۔ وہ اس میں بھی شک کا شکار ہیں حالانکہ یہ تعریف بھی ان کی بدترین بدعت کا حصہ ہے۔ جو جہمیہ، مرجیہ، کرامیہ اور غسانیہ کی درفطنی اور کفر کی مسلمانوں میں نشر واشاعت کا ایک طریقہ ہے۔

بدعت کبریٰ صرف کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ ہی نہیں ہے اور نہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی کوئی جزوی معصیت اور نافرمانی ہے بلکہ یہ ''بدعت'' اسلام اور دین وشریعت کے خلاف ایک

متوازی دین اور خودساختہ شریعت ہے، جس کے کئی رنگ ہیں، اور اس کا ہر اسلوب اور منہج الحاد کی مختلف شکلوں کا ترجمان ہے۔ اسلام کا لیبل تو اس پر صرف اسے مسلمانوں میں ترویج واشاعت کے لیے لگایا گیا ہے۔

''اہلِ بدعت'' میں کوئی مشرکین کے ہم نوا ہیں، کوئی یہودی انکار کے ترجمان ہیں، کوئی نصاریٰ کیعقائد سے متاثر ہیں اور اکثر کے اصول وضوابط اور علمی طریقے یونان وفارس کے فلاسفہ، ملحدین اور مجوس کے افکار وخیالات کا چربہ ہیں۔ مثلاً:

- قدریہ کیطرف سے الہ العالمین اور رب کائنات کے قائم کردہ تقدیری نظام کا انکار اور اس کی تدبیر اور انتظام پر حرف گیری۔
- جبریہ کا خلق افعال العباد کا انکار۔
- اہلِ ایمان واسلام کے اصول ستہ کے بالمقابل معتزلہ کے اصول خمسہ۔
- روافض کا خلفاء ثلاثہ سے اظہار براءت اور صحابہ کے بارے میں نفاق کا عقیدہ اور مسلمانوں کی متفق علیہ کتب حدیث کے بالمقابل اپنی اصولِ اربعہ اور قرآن کے بارے میں تحریف وتشکیک کے نظریات۔
- جہمیہ، معتزلہ اور مرجیہ وغیرہ کا قرآن وسنت کی بے شمار ایسی نصوص کا انکار یا ان کی تحریف وتاویل اور اس باب میں ہوائے نفس کی پرستش۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس صورت حال میں ان اہلِ بدعت کے بارے میں یہ رائے قائم کرنا کہ ان کے ساتھ ولاء وبراء کا حکم کفار کے ساتھ ولاء وبراء کی طرح ہے، اور یہ کتاب وسنت میں مذکور حقیقی اسلام کے خلاف ایک متوازی دین ہے۔ اس لیے ان سے اختلاط نہیں رکھنا چاہیے، بلکہ ان سے الگ تھلگ رہنا چاہیے۔ کیا اس میں کوئی مبالغہ ہے۔؟ حضرات محدثین کرام کا ان اہلِ بدعت کے بارے میں یہی نظریہ ہے۔

محدثین کے اس منہجِ تعامل مع الناس کے بارے میں امیر المؤمنین امام بخاری رحمہ اللہ کی چند تصریحات بطور اصول اور نمونہ پیش خدمت ہیں۔ فرماتے ہیں:

"بَـابُ مَـا يُكْرَهُ مِنَ التَّعَمُّقِ وَالتَّنَازُعِ فِي الْعِلْمِ وَالْغُلُوِّ فِي الدِّينِ وَالْبِدَعِ"(بخاری، کتاب

الإعتصام بالكتاب والسنه)

''علم میں باہم اختلاف اور تعمق کی کراہت کے بارے میں اور دین میں غلو اور بدعتوں کی کراہت کے بارے میں''

اس باب میں امام صاحب نے بنیادی دلیل وہی آیت پیش فرمائی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو مخاطب کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ﴾(النساء:١٧١)

''اے اہل کتاب! اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر بجز حق کے اور کچھ نہ کہو۔''

ایک اور باب میں فرمایا: "اِثْمِ مَنْ آوَى مُحْدِثًا" ''بدعتی کی پذیرائی کا گناہ'' اس میں بدعتی پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت کی حدیث ذکر کی۔

ایک اور باب میں فرمایا:" اِثْمِ مَنْ دَعَا اِلَى ضَلَالَةٍ أَوْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً" ''اس (بدعتی) شخص کے گناہ کا بیان جس نے گمراہی کی دعوت دی یا برا طریقہ اختیار کیا۔''

اس میں قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

﴿لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ﴾(النحل:٢٥)

''اس کا نتیجہ ہوگا کہ قیامت کے دن یہ لوگ اپنے پورے بوجھ کے ساتھ ان کے بوجھ اٹھانے میں بھی حصے دار ہوں گے، جنہیں بے علمی سے گمراہ کرتے رہے، دیکھو تو کیسا برا بوجھ اٹھا رہے ہیں۔''

ان مثالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ محدثین کا منہج اہلِ بدعت سے تعلقات اور ان کے بارے میں رائے قائم کرنے کے سلسلے میں کیا ہے؟ اور اس کی بنیاد کتنے واضح اور صحیح دلائل ہیں۔؟

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"احذروا من الناس صنفين: صاحب هوى فتنه هواه وصاحب دنيا أعجبته دنياه"(اعلام المؤقعين، ج١، ص:١٣٦)

''دو قسم کے لوگوں سے بچیں، ایک ہواء وہوس کا پجاری جسے اس کی خواہشات نے فتنے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ دوسرا دنیا پرست جو اپنی دنیا پر ہی خوش ہے۔''

بالخصوص عصر حاضر میں اسلام کا نام استعمال کرنے اور اس کے پردے میں کفر کی نشر واشاعت کرنے والے باطل فرقوں کا یہی حکم ہے۔ جیسے البابیہ، بہائیہ، قادیانیت، اشتراکیت، سوشلزم، علمانیت ،قومیت، استشراق، وحدۃ الوجود، حلول واتحاد، مادیت پرستی، روشن خیالی، وحدت ادیان، برابری کی بنیاد پر مکالمہ بین المذاہب وغیرہ۔ یہ اہلِ بدعت نام کی حد تک بدعتی ہیں، اصلاً یہ سب کفر کی شکلیں ہیں۔ جیسے نفاق اور کفر میں صرف لفظی فرق ہے، اصل میں دونوں ایک ہی ہیں۔ ان تمام بدعتوں کے دُعاۃ شر کھلے بندوں ہر قسم کے ذرائع ابلاغ میں کفر کی نشر واشاعت میں مصروف ہیں۔ بدعت کی اس نوع کے کفر اور اس کے مرتکبین کے کفار ہونے میں کسی تردد کی ضرورت نہیں ہے۔ اہلِ ایمان کو ان کے فریب سے نکالنا، ان کی سازشوں سے آگاہ رکھنا، ان کا حکم بیان کرنا، ممکن ہو تو انہیں نصیحت کرنا اور حق کی دعوت دینا، استطاعت ہو تو ان سے بحث کر کے حق واضح کرنا، بصورت دیگر ان سے مکمل قطع تعلق اور اظہار بیزاری حضرات محدثین کا عقائدی منہج ہے، جس کی پیروی ان کی جماعت اہل الحدیث والسنہ کا فرض منصبی ہے۔

بدعت صغریٰ: بدعت صغریٰ اور اس کا ارتکاب کرنے والے اہلِ بدعت کا حکم مختلف ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو فہم کتاب وسنت میں اجتہادی غلطیوں کا شکار ہیں۔ کفر کے آلہ کار نہیں ہیں۔ کتاب وسنت کی پیروی کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر حق وصواب تک رسائی میں لغزش کا شکار ہیں۔

یہ لوگ فاسق وفاجر اور اہل معاصی مسلمانوں کی طرح ہیں۔ ان سے محبت وبغض ان کے ایمان واتباع کے مطابق ہوگا۔ انہیں خارج عن الملۃ کافر قرار دینا، ان سے قطع تعلق کرنا، ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے فتوے دینا اہل السنہ والجماعۃ کا طریقہ نہیں ہے۔ اہلِ علم نے ہمیشہ ان کے ساتھ افہام وتفہیم، مکالمہ بالدلیل، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا راستہ اختیار کیا ہے۔ ان کی نصیحت اور خیر خواہی کو اپنا فرض سمجھا ہے، فقہی مذاہب اور مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر اور مدارسِ فقہ کے مجتہدین کی اجتہادی غلطیاں، ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بدعاتِ صغری کا یہی حکم ہے۔ کلمہ اخلاص پر اجتماع

اور وحدت امت کا یہی تقاضا ہے۔

اہلِ بدعت کے متعلق اہلِ علم وفضل کے فتاویٰ میں بعض اوقات جو تضادات نظر آتے ہیں اس کی وجہ اہلِ علم کا فکری اختلاف نہیں ہے بلکہ بدعت اور اہلِ بدعت میں تفاوت اور فرق ہے۔

جیسے ایمان کے کچھ بنیادی اور اساسی اجزاء ہیں جن کے بغیر ایمان کا وجود ہی معدوم ہو جاتا ہے۔ اور کچھ تحسینی اعمال ہیں جن کے عدم وجود سے عدم ایمان لازم نہیں آتا۔ ایسے ہی کچھ اعتقادات اور اعمال اصل کفر ہیں اور کچھ کفر دون کفر ہیں۔ ان کی تفصیلات ائمہ حدیث کی کتب الإیمان بالخصوص صحیح بخاری کی کتاب الإیمان میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

یہ توجیہ اور تشریح اہلِ علم کے فتاویٰ کے بارے میں ہے، جو محدثین کرام کے علمی منہج کو سمجھنے اور اس کا تتبع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسئلہ کے اصول اور اس کی دلیلیں تو منقول و ماثور، قطعی اور واضح ہیں۔ مگر ان کی تطبیق اور ان کے مصداق یعنی اہلِ بدعت کا تعین اور بدعات کی تقسیم اور ان کے احکام کی تعیین اجتہادی عمل ہے جس میں غلطی کا امکان ہے۔

توجہ طلب نکتہ!

جہاں تک کفر ساز، تکفیر کے شائقین، اجتہادی خطاؤں پر مبنی بدعات اور معاصی کے بارے میں کفر کے فتوے لگانے والے اور ان کے مرتکبین کو خارج عن الملۃ کا قرار دینے والے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کرنے والے جاہل مفتیوں کا تعلق ہے، تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بزم علم میں ایسے لوگوں کا تذکرہ اہلِ علم کے وقار اور شرف کے منافی ہے۔ اس کے دو سبب ہوتے ہیں۔ حماقت یا تجارت۔ اور اس قسم کے احمق اور تاجر تمام دینی گروہوں اور فقہی مذاہب میں موجود ہیں۔ ایسے لوگوں کا وجود خود ایک فتنہ اور اہلِ ایمان کی آزمائش ہے۔ اور ان کے فتوے خود ایک بدترین بدعت ہیں، جنہیں زیر بحث لانا اہلِ علم کے شایان شان نہیں ہے۔ (فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا)(بخاری: ۱۰۰)

بدعات کی یہ تقسیم محدثین کرام کی تصریحات کے استقراء پر مبنی ہے، جس کی وضاحت علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال کے شروع میں رواۃ کی جرح وتعدیل کے اصول کے ضمن میں کی ہے جو نہایت معقول اور معتدل ہے، اور کبار آئمہ حدیث کے طرز عمل کی آئینہ دار اور ترجمان ہے۔

شیخ الاِسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی آراء وفتاویٰ میں اعتدال کا یہی اسلوب نمایاں ہے۔ جبکہ کتاب وسنت کے صحیح فہم اور نصوص سے تمسک اور حق کے لیے غیرت میں وہ ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ان کے فتاویٰ اور فیصلے اہلِ بدعت کے لیے خوفناک میزائلوں سے کم نہیں ہیں۔

طلبۂ علم اگر محدثین کرام کے اس منہج اعتدال کا تتبع کریں، اور سلف صالحین سے منقول سلیقۂ اختلاف کو اپنائیں تو بزم علم وفکر میں بہار آسکتی ہے، اور اس خزاں رسیدہ شجرۂ علم کی کونپلیں پھوٹ سکتی ہیں، اور الفت ومحبت کے پھول مہک سکتے ہیں، اہلِ علم کو معاشرے میں ان کا صحیح مقام مل سکتا ہے اور دعوت وتبلیغ کا دائرہ وسیع ہوسکتا ہے۔ ہم اللہ کے حضور دست بدعا ہیں کہ علم وفضل کے اس عظیم مرکز ''مرکز التربیۃ الاِسلامیۃ'' میں قائم اس مجلس بحث وتحقیق کے منبر سے بلند کی گئی ہماری یہ ندا عنداللہ مقبول ومنظور ہو۔ اور ہماری یہ حاضری ہم سب کے لیے اخروی نجات کا ذریعہ ثابت ہو۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ☆ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴾(الاحزاب: ۷۰۔۷۱)

(اللّٰهُمَّ اِنِّی أَسْأَلُكَ الْهُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی)

(اللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنَا اِلٰی حُبِّكَ)

محدثین کرام کا فقہی منہج

تمہید:

ہمارا علمی وفکری ورثہ جوامتِ اسلامیہ کو عہد نبوی اور عصر صحابہ رضی اللہ عنہم سے نسل در نسل منتقل ہو رہا ہے۔ مجموعی طور پر اسے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ اسلام: جو دو چیزوں سے عبارت ہے۔

اُ۔ کتاب اللہ۔

ب۔ حدیث وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

دونوں منزل من اللہ ہیں، وحی الٰہی ہیں، معصوم عن الخطاء ہیں۔ اس لیے کہ ان کا مصدر ومنبع معصوم عن الخطاء ہے۔ فرمایا:

﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لا رَيْبَ فِيهِ﴾ (البقرة: ٢)

''یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔''

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِثْلِهِ﴾ (البقرة:٢٣)

''اور اگر تمھیں اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے، کوئی شک ہے، تو تم بھی اس جیسی کوئی سورت بنا لاؤ۔''

﴿وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ☆ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ☆ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ﴾

(الشعراء: ١٩٢-١٩٤)

''اور یقیناً یہ قرآن ربّ کائنات کا اتارا ہوا ہے، اسے امانت دار فرشتے نے تیرے دل پر القاء کیا ہے تاکہ تو ڈرانے والوں میں سے ہو جائے۔''

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحِجْر: ۹)

''یقیناً ہم نے ہی ذکر کو اتارا ہے، اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

﴿اِنَّا أَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾ (النساء: ۱۰۵)

''بے شک ہم نے تیری طرف یہ عظیم الشان کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے، تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس بصیرت کے ساتھ فیصلہ کرو جو اللہ نے تجھے عطا کی ہے۔''

﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيماً﴾ (النساء: ۱۱۳)

''اور اللہ نے تجھ پر یہ کتاب اور حکمت اتاری ہے، اور تجھے وہ کچھ سکھایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے، اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔''

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلافاً كَثِيراً﴾ (النساء: ۸۲)

'' اور اگر یہ (وحی) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتی تو وہ لوگ اس میں بڑا اختلاف پاتے۔''

﴿وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ اِلَّا مُبَشِّراً وَنَذِيراً﴾ (الاسراء: ۱۰۵)

'' اور ہم نے اس کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے، اور ہم نے تجھے صرف خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بھیجا ہے۔''

﴿لا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ (فصلت:۴۲)

''باطل اس (قرآن) کے قریب نہیں آسکتا نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے، یہ حکمت والے، تعریف کیے ہوئے (اللہ) کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔''

یہ عظمت، اہمیت، عصمت اور مقام و مرتبہ صرف اور صرف وحی الٰہی کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے۔

یہ دونوں ہر قسم کے تغیر و تبدل سے اعلیٰ و بالا ہیں، اور خارجی اثرات سے محفوظ اور دشمنوں کی دست برد اور تحریف وغیرہ سے مکمل طور پر معصوم ہیں۔ وحی الٰہی میں کسی تبدیلی یا ترمیم کا اختیار خود رسول

اللہ ﷺ کو بھی حاصل نہ تھا۔ فرمایا:

﴿ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ ﴾ (یونس: ۱۵)

''کہہ دیجئے! میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔''

عصمت وحفاظت کا یہ مقام کتاب وسنت کے علاوہ اور کسی چیز کو حاصل نہیں ماسوا اس کے کہ کتاب وسنت کی کسی نص کے معنیٰ ومفہوم پر امت کے اہلِ علم کا علمی یا عملی اجماع ہو جائے جسے اللہ نے ''سبیل المؤمنین'' قرار دیا ہے۔

لہٰذا اسلام کتاب وسنت کی صورت میں اپنے نزول سے لیکر تا قیامت ایک لازوال حق اور حقیقت ہے۔ جس کے الفاظ ومعانی دونوں ہمیشہ سے محفوظ ومصئون ہیں اور اِن شاء اللہ محفوظ رہیں گے۔

۲۔ اسلامی افکار:

امت اسلامیہ کے علمی وفکری ورثہ کا دوسرا حصہ اسلامی افکار ہیں، فکرِ اسلامی یا اسلامی افکار کا دائرہ خاصا وسیع ہے۔ زندگی کے امور ومعاملات میں انسان ذہنی وفکری کاوشوں سے جن نتائج تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ اسے فکر کہتے ہیں، گویا فکر عموماً انسانی عقل کے نتائج کو کہتے ہیں۔

فکرِ اسلامی سے مراد امت اسلامیہ کے اہلِ علم کے عقلی وفکری کارنامے ہونگے جوانھوں نے اسلام کی خدمت کے لیے سرانجام دیئے ہیں۔ وہ کتاب وسنت کے بیان وتوضیح، شرح وتفسیر اور ان سے استدلال واستنباط کی صورت میں ہوں یا مخالفین کی طرف سے اسلام پر اعتراضات کے جواب میں دفاع کی شکل میں ہوں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے، تابعین عظام رحمھم اللہ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور تبع تابعین نے تابعین رحمھم اللہ سے پھر ان سے آئمہ ھدیٰ نے تاریخی تسلسل سے جس طرح کتاب وسنت کو سیکھا اور اس پر عمل کی تربیت حاصل کی، کتاب وسنت کے حکم کے مطابق اس کی تعلیم وتدریس، شرح وبیان اور دعوت وابلاغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان مبارک مساعی کے نتیجے میں آج
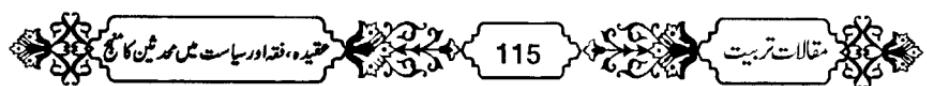
امت کے پاس بڑا قیمتی علمی وفکری سرمایہ موجود ہے۔ جو تفسیر، علوم تفسیر، اصولِ تفسیر، علومِ حدیث، اصولِ حدیث، مصطلح حدیث، ایمانیات، عقائد، فقہ، اصولِ فقہ، تاریخ وسیرت اور اس کے اصول ومبادی وغیرھا، مختلف انواع واقسام کی صورت میں مسلم امت کے علمی وفکری مقام ومرتبہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ علمی ذخیرہ مسلمانوں کی اسلامی خدمات کا ماحصل اور فکرِ اسلامی کا ترجمان ہے۔ عقل وفکر کے یہ نتائج جس قدر کتاب وسنت کے تابع، ان دو مصادر سے مستنبط اور سلف صالحین، صحابہ وتابعین سے ماثور ومنقول اصول وقواعد کے مطابق ہونگے، اسی قدر قابل اعتماد اور قابل عمل ہونگے۔ ان کی صحت وسقم اور جانچ پڑتال کا معیار کتاب وسنت ہی ہے۔ کتاب وسنت کو ان افکار وآراء کی روشنی میں نہیں دیکھا جائے گا بلکہ ان افکار وآراء کا کتاب وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے گا اور اختلاف کی صورت میں قولِ فیصل کتاب وسنت ہی ہونگے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾

(النساء: ٥٩)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے اولوا الأمر ہیں ان کی بھی۔ پھر اگر کسی شے میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو''۔

خلاصہ یہ ہے کہ فکرِ اسلامی مسلمان اہلِ علم کے نتائجِ فکر اور ان کے اجتہادات کا نام ہے جس میں تغیر وتبدل ممکن ہے۔ اور وہ ارتقائی مراحل سے گذرتا رہا ہے۔ اس میں خطاء وصواب کا امکان بھی ہے اور وہ نقد ونظر اور اتفاق واختلاف کا موضوع بھی ہے۔ فکرِ اسلامی کو وہ عصمت وحفاظت اور ثبات واستحکام کا مقام قطعاً حاصل نہیں جو کتاب وسنت کو حاصل ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اختلاف کے ضروری عوامل کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"ولا بد من وقوعه ضرورة فإن الأدلة غالبها النصوص وهي باللغة العربية، وفي اقتضاءات ألفاظها الكثير من المعاني المختلفة، فالسنة مختلفة الطرق والثبوت فتحتاج إلى الترجيح

وهو مختلف أيضا۔ والوقائع المتجددة لا توفى بها النصوص۔ وما كان منها غير ظاهر في النصوص فيحمل على منصوص لمشابهة بينهما، وهذه كلها إشارات للخلاف ضرورية الوقوع۔ ومن هنا وقع الخلاف بين السلف والأئمة من بعدهم"۔(مقدمة ابن خلدون،ص:٤٤٥)

''(فقہی احکام میں) اختلاف ایک ایسی ضرورت ہے جس کے بغیر چارہ نہیں۔ اس لیے کہ دلائلِ فقہ غالباً نصوص ہیں اور وہ عربی زبان میں ہیں، اور ان کے اکثر الفاظ کے مقتضیات میں مختلف معانی پائے جاتے ہیں۔ سنت بھی مختلف الطرق والثبوت ہے جن میں ترجیح کی حاجت پیش آتی ہے، پھر وجوہِ ترجیح بھی مختلف ہیں۔ دوسری طرف انسانی زندگی کے وقائع وحوادث کے لیے براہ راست نصوص سے احکام بھی کافی نہیں ہو سکتے۔ نصوص میں جن امور کے احکام ظاہر نہیں ہیں۔ انہیں باہم مشابہت کی بنا پر منصوص احکام پر محمول کیا جائے گا۔ یہ تمام امور اس اختلاف کے اشارے ہیں جو لازماً واقع ہونے والا ہے۔ یہاں سے ہی سلف امت اور ان کے بعد ائمہ میں اختلاف وقوع پذیر ہوا۔''

فکرِ اسلامی کے مالہ وما علیہ اور اس کے ایجابی وسلبی اوصاف پر تفصیلی گفتگو کا تو یہ محل نہیں ہے مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ مذکورہ بالا اختلاف کے عوامل کی موجودگی میں کسی مفسر، مفکر، فقیہ اور امام کی رائے کو حتمی طور پر اسلام کی کلی تعبیر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ماسوا ایسی رائے اور فکر کے جس میں مکمل طور پر کتاب وسنت کا التزام ہو۔ اور وہ ان کے قواعد اور توجیہات کے تابع ہو۔ اجتہادی آراء اور اقوال کو صرف اسی قدر احترام وتقدس حاصل ہوگا جس قدر ان میں کتاب وسنت کی ترجمانی ہوگی۔ بذات خود آراء الرجال اور اقوال الفقہاء کسی قدسیت اور معصومیت کے حامل نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ" (مؤطا، كتاب الجامع، رقم الحديث:١٣٩٥)

میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب تک انہیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔''

فقہ اسلامی فکر اسلامی کا حصہ ہے

''فقہ اسلامی'' بھی اسی فکر اسلامی کا حصہ ہے جسے نقد ونظر کی سان پر جانچا جا سکتا ہے۔اس کا جو حصہ کتاب وسنت کی ترجمانی وتشریح پر مبنی ہو وہ قابل قبول ہے اور جو محض آراء الرجال ہیں ان کی اساس کتاب وسنت میں نہیں ملتی وہ محل نظر ہے۔امام دار الھجرۃ امام مالک بن انس رحمہم اللہ کے بقول:

"كل أحد يؤخذ عنه ويرد عليه إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم"

''رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہر شخص کی بات قبول بھی کی جا سکتی ہے اور رد بھی۔''

لہذا کتاب وسنت، ان کے اصول ومبادی اور براہ راست ان سے ماخوذ احکام جو اسلام کے حقیقی ترجمان ہیں، ان میں اور آئمہ ھدیٰ اور فقہاء ومفکرین کے نتائج فکر پر مبنی فقہی احکام میں فرق ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔محدثین کرام کے فقہی منہج کی یہی سب سے اہم اساس ہے۔جس نے فقہ الحدیث کے قابل قدر علمی وتحقیقی ذخیرے سے امت کے دامن علم کو مالا مال کیا۔ والحمد لله على ذلك۔

اس فرق کو سمجھنے کے لیے قرآن کی یہ آیات بالخصوص انتہائی توجہ چاہتی ہیں۔فرمایا:

﴿ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ☆ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ ☆ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ☆ أَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (سورة النور: ٤٧-٥٠)

''اور وہ لوگ کہتے ہیں ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے، اور وہ لوگ (اصل میں) ایمان لانے والے ہی نہیں ہیں۔ اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔تو ان میں سے ایک فریق منہ پھیر لیتا ہے اور اگر حق ان کو ملتا ہو تو فرماں بردار ہو کر چلے آئیں۔کیا ان کے دلوں میں کوئی بیماری ہے، یا یہ شک میں مبتلا ہیں یا اس بات سے خوف کھاتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کریں گے، بلکہ وہ لوگ خود ہی ظالم ہیں۔''

یہ آیات بلاشبہ منافقین کی حالت بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ مخلص اہلِ ایمان یقیناً ان کا مصداق نہیں ہیں۔ ہمارے حاشیہ خیال میں بھی فقہی اختلاف کی بنا پر کسی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا مقصود نہیں ہے۔ مگر کتاب وسنت پر اعتماد، ان پر غیر مشروط عمل اور نصوص کے ساتھ تعامل کے بارے میں یہ اصل الأصول معیارِ حق ضرور ہیں۔ ہر شخص ان کی روشنی میں اپنا جائزہ بآسانی لے سکتا ہے۔ واللّٰہ المستعان۔

مخلص اہلِ ایمان کے بارے میں فرمایا:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ☆ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ (النور: ۵۱-۵۲)

''مومنوں کی بات تو صرف یہ ہوتی ہے، جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں، وہ یوں کہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور اللہ سے ڈرے گا اور اس کا تقویٰ اختیار کرے گا تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔''

فکرِ اسلامی اور بالخصوص فقہ اسلامی کن کن مراحل سے گزری؟

☆ تأسیس وبنا۔

☆ ترقی، تطور، وسعت اور ارتقاء۔

☆ تقلید و جمود، تلخیص وشرح اور تخریج در تخریج۔

☆ پھر تجدید واحیاء اور رجوع إلی الکتاب والسنۃ کی تحریک۔

مختلف فقہی مدارس کے کیا کیا فکری اسالیب تھے؟ اور کس کس نے کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے؟ متاخرین متقدمین کے کس قدر زیر بار احسان ہیں؟ ہمارے اسلاف کی مساعی جمیلہ کتنی عظیم الشان ہیں؟ یہ تمام موضوعات طویل گفتگو کے متقاضی ہیں۔ اہلِ علم نے اس پر بہت کچھ لکھا اور مزید بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ اپنی علمی وفکری تاریخ کی روشنی میں ہی جائزہ لیا جاسکتا ہے کہ ہم کتاب وسنت کے ساتھ

تعلق میں کس مقام پر کھڑے ہیں۔ و باللّٰہ التوفیق۔

فقہ اسلامی کا تعارف

محدثینِ کرام کے فقہی منہج پر گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ اسلامی کے بارے میں کچھ ابتدائی معلوماتی بحث ہو جائے۔ فقہ کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد فقہی منہج سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ اِن شاء اللہ۔

''فقہ'' کا لغوی مفہوم

لغت عرب میں ''فقہ'' کا لفظ ''فہم'' کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ فہم دقیق اور گہری ہو یا عام اور سطحی۔

اس عمومی معنیٰ کے لیے ''فَقِہ یَفْقَه'' عَلِمَ یَعْلَمُ '' کی طرح بولا اور پڑھا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيراً مِمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفاً ﴾ (هود: ۹۱)

''انھوں نے کہا اے شعیب! تو جو کہتا ہے اس میں سے زیادہ تر باتیں ہمیں سمجھ نہیں آتیں، اور ہم تجھے اپنے ماحول میں کمزور حیثیت کا مالک سمجھتے ہیں۔''

﴿ فَمَالِ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ لا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثاً ﴾ (النساء: ۷۸)

''سو اس قوم کو کیا ہو گیا ہے، یہ لوگ بات کو سمجھ ہی نہیں پا رہے۔''

اگر '' فقُہ '' کرُم اور شرُف (مضموم العین) استعمال ہو یا باب ''تفعّل'' کے وزن پر ''تفقّہ'' استعمال ہو تو عموماً اس سے مراد ہوتا ہے کہ دانائی اور فہم و فقاہت اس شخص پر اس حد تک غالب ہے کہ وہ اس کی عادت سی بن گئی ہے۔ یعنی فہم و فراست اس کے مزاج کا حصہ بن گئی ہے۔ حدیث میں ہے:

(النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوا) (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، رقم الحديث: ٤٧٧٤)

''لوگ چاندی اور سونے کی کانوں کی طرح کانیں ہیں، جو جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام

میں بھی اچھے ہیں جب وہ اسلام کا فہم حاصل کر لیں۔''

ایسے ہی ''تفقّہ'' میں چونکہ مبالغہ کا معنی پایا جاتا ہے تو اس سے مراد بھی دقیق اور خصوصی فہم ہوگی۔ کہا جاتا ہے:'' تفقه الرجل تفقهاً ''اس نے فقہ میں خصوصی دسترس حاصل کر لی ہے اور اسے بطور علم اپنا لیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ فَلَوْلا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ ﴾ (التوبة: ١٢٢)

''ہر گروہ میں سے کچھ لوگوں کی ایسی جماعت کیوں نہ ہو جو دین میں فہم خاص حاصل کرنے کے لیے نکلے۔''

''فقہ'' کا اصطلاحی معنیٰ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یوں منقول ہے:

(معرفة النفس مالها وما عليها) (مرأة الأصول ١/٤٤، التوضيح لمتن التنقيح ١/١٠)

''نفس انسانی کے بارے میں سمجھ حاصل کرنا کہ اس کے لیے کیا مفید ہے اور کیا نقصان دہ۔''

امام شافعی رحمہ اللہ سے ''فقہ'' کی تعریف اس طرح منقول ہے۔ فرماتے ہیں:

(هو العلم بالأحكام الشرعية العملية المكتسب من أدلتها التفصيلية) (شرح جمع الجوامع للمحلى ١/٣٢، مرأة الأصول ١/ ٥٠ وغيره)

''شریعت کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیے ہوئے عملی شرعی احکام کا علم۔''

یہاں علم سے مراد مطلق فہم وادراک ہے وہ یقینی بھی ہو سکتا ہے اور ظنی بھی۔ اس لیے کہ عملی احکام قطعی دلائل سے بھی ثابت ہو سکتے ہیں ایسا ہوگا تو ان کا علم یقینی ہوگا اور غالبًا متداول مذاہب کی فقہ میں مذکور عملی احکام ظنی دلائل سے ثابت ہوتے ہیں۔ اس لیے اِن کا علم ظنی ہی ہوگا۔

قطعی دلائل سے مراد کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے دلائل ہیں جبکہ ظنی دلائل سے مراد قیاس اور اس کے بعد کے دیگر ادلہ ہیں جو دراصل دلائل نہیں بلکہ طرق الاجتہاد والاستدلال ہیں۔ واللہ اعلم۔

اس تعریف میں مذکور لفظ " المكتسب"، جو علم کی صفت ہے اس سے مراد فکر و نظر اور اجتہاد کے ذریعے حاصل شدہ اور مستنبط علم ہے۔ براہ راست کتاب وسنت سے حاصل شدہ یا بدیہی اور ضروری علم، فقہ کا حصہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں فکر و نظر اور دلیل سے استنباط کی ضرورت نہیں ہوتی وہ فقہ نہیں کہلاتا، بلکہ اسے دین اور اسلام کہتے ہیں۔ جیسے اصولِ ایمان اور ارکانِ اسلام کا علم وغیرہ۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نے " إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول" میں اس کے علاوہ بھی متعدد تعریفات ذکر کی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ التصديق بأعمال المكلفين التي تقصد لا لاعتقاد۔

۲۔ اعتقاد الأحكام الشرعية الفرعية عن أدلتها التفصيلية۔

۳۔ هو جملة من العلوم يعلم باضطرار أنها من الدين۔

(إرشاد الفحول، ص:۳)

ان تعریفات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ کی کوئی لگی بندھی تعریف نہیں ہے، بلکہ سب کا اپنا اپنا تصور "فقہ" ہے۔ اور اس نے اپنے تصور کے مطابق اس کی ایک تعریف کر دی ہے۔ ایک بات پر تو سب متفق ہیں کہ کتاب وسنت اور اجماع و قیاس سے مستنبط شرعی عملی احکام "فقہ" ہیں۔ لیکن اس امر پر اتفاق نہیں کہ فقہ صرف انہی احکام میں منحصر ہے۔

اس سے اختلاف کا آغاز ہوا ہے۔ خصوصاً پہلی اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب تعریف میں ان احکام کا دائرہ خاصہ وسیع ہے۔ جسے بعد میں فقہاءِ مقلدین نے فقہ مذاہب تک محدود کر دیا۔

۶۔ علامہ ابن خلدون (۸۰۸ھ) علوم اور فلسفہ علوم کے ماہر سمجھے جاتے ہیں، اور متأخر ہونے کی وجہ سے ان کے ہاں وسعت مطالعہ بھی پائی جاتی ہے، انھوں نے فقہ کی خاصی جامع تعریف کی ہے۔

فرماتے ہیں:

٦۔"الفقه" هو معرفة أحكام الله تعالى في أفعال المكلفين بالوجوب والحظر والندب والكراهة والإباحة، وهي متلقاة من الكتاب والسنة وما نصبه الشارع لمعرفتها من الأدلة، فاذا استخرجت الأحكام من تلك الأدلة قيل لها فقه۔(مقدمه ابن خلدون، ابو زيد عبدالرحمن بن محمد الحضرمي،ص:٤٤٥)

''مکلفین کے افعال کے بارے میں وجوب، حرمت، ندب، کراہت اور اباحت کے احکام کی معرفت حاصل کرنے کو فقہ کہتے ہیں''۔ اور وہ احکام کتاب اللہ اور سنت رسول سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ اور ان دلائل سے جنہیں شارع کریم نے احکام کی معرفت کے لیے دلائل قرار دیا ہے، جب ان دلائل سے احکام اخذ کیے جائیں گے تو انہیں فقہ کہا جائے گا''۔

فقہ کی یہ تعریف خاصی معقول اور نصوص شریعت سے استنباط تک محدود ہے، جس سے دین وشریعت کی ترجمانی ہوتی ہے۔ اور اس میں رائے کے آزادانہ استعمال میں احتیاط کا پہلو غالب ہے۔

متأخرین کی اصطلاح کے مطابق ''فقہ'' ایک درجہ مزید نیچے اتری اور اس پر تقلیدی رنگ اس قدر غالب آیا کہ ان کے ہاں اس کی تعریف یہ ٹھہری کہ:

" هو معرفة أحكام الحوادث نصاً واستنباطاً على مذهب من المذاهب" (القواعد للزركشي بحواله الفقه الإسلامي وأدلته، للزحيلي)

''نو پید مسائل کے احکام کی نص اور استنباط سے معرفت حاصل کرنا مذاہب میں کسی ایک مذہب کے اصول کی روشنی میں۔''

اس تعریف کی روشنی میں فقہ کو اسلام کہنا تو بڑی دور کی بات ہے، اسلامی کہنا بھی خاصا مشکل ہے، اس لیے کہ ایسی فقہ اسلام کی بجائے اسلام کی طرف منسوب کسی خاص مذہب کی نمائندہ ہو سکتی

ہے۔ جیسے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور زیدی وغیرہ ناموں سے موسوم کیا جا سکتا ہے، اسلامی کہلانے کے لیے ان نسبتوں سے بالاتر ہو کر کسی بڑی نسبت کی ضرورت ہے۔ یہ نسبتیں بھی قابل احترام ہیں مگر ان سے امت میں جو فرقہ بندی نے جنم لیا اور اسے تقسیم کیا ہے اسے کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔؟

محدثین کرام کے فقہی منہج کا نقطۂ اختلاف اصل میں یہی شریعت اسلامیہ پر مخصوص مذاہب کی اجارہ داری ہے۔ اسی بنا پر ہم نے گفتگو کے آغاز میں اسلام اور فکر اسلامی میں فرق کی طرف اشارہ کیا تھا۔ فافهم وتدبر أرشدك الله۔

فقہ الحدیث کی خصوصیات

کتاب وسنت کے فہم، اور اپنی زندگی میں ان کی عملی تطبیق اور اس کے لیے اس کی وسیع المعنی تعبیر وتشریح ایک ایسی ضرورت ہے جسے عہد نبوی اور عصر صحابہ میں ہی محسوس کیا جانے لگا تھا، اپنی روزمرہ زندگی میں پیدا ہونے والے مسائل اور ذہن میں اٹھنے والے سوالات کے لیے لوگ رسول اللہ ﷺ اور کبار صحابہ کی طرف رجوع کرتے تھے، اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان کے جوابات حاصل کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کی طرف سے حاصل ہونے والی تعلیمات وہدایات دین وشریعت اور اسلام تھیں اور بعد کے لوگوں کے جوابات اور توضیحات فقہ کہلاتی ہے، واضح ہے وقائع اور حوادث کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا، حقوق وواجبات کی واقفیت اور منافع ومفاسد کی معرفت بھی ہر دور کی ضرورت تھی اور ہے۔ اس لیے سوالات وجوابات کا سلسلہ بھی کبھی نہ ختم ہونے والا ہے۔

سوال وجواب، مسائل اور ان کے حل کا یہ سلسلہ کس بنیاد اور اساس پر ہوگا اور اس کے حل کا طریق کار اور منہج کیا ہوگا؟

دوسرے لفظوں میں شریعتِ اسلامیہ کے مصادر تلقی سے منہج تلقی کیا ہوگا۔ اس وقت ہماری گفتگو کا بالذات یہ موضوع ہے۔

فقہ الحدیث کی اساس چونکہ وحی الٰہی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے اور وحی الٰہی جامع اور کامل نظامِ زندگی پر مشتمل ہے۔ فرمایا:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيناً﴾

(المائدة: ٣)

''آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔''

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَاناً لِكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل: ٨٩)

''اور ہم نے تم پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے کہ (اس میں) ہر چیز کا مفصل بیان ہے۔''

یعنی فقہ الحدیث اس اساس پر قائم ہے کہ وہ نصوص کتاب وسنت پر مبنی ہے، اور وہ ہر جہت سے انسان کی راہنمائی کرتی ہے۔

أ۔ بندے کا اپنے رب تعالیٰ سے تعلق۔

ب۔ بندے کا اپنی ذات سے تعلق اور اس کی اصلاح وتربیت۔

ج۔ بندے کا دیگر افراد معاشرہ کے ساتھ تعلق۔

اسلام دین ہے اور سیاست وحکومت بھی، دنیا بھی ہے اور آخرت بھی، تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ اور ہر زمان ومکان کے لیے ہے۔ اور یہ سب کچھ اس ایمان ویقین پر قائم ہے کہ ہر نوع کی تعلیمات وہدایات کتاب وسنت کی نصوص میں موجود ہیں، اہلِ علم اور فقہاءِ اسلام کا وظیفہ اور فریضہ اسکی تطبیق اور اس سے استدلال واستنباط ہے، اور اس تطبیق اور استدلال میں نبی ﷺ اور سلف امت سے منقول اصول وقواعد کو پیش نظر رکھنا، انکی پابندی کرنا اور ان سے تجاوز نہ کرنا اور خود ساختہ اصول یا فلسفیانہ قواعد پر مبنی استدلال واستنباط سے احتراز کرنا، یہی صحیح فقہی منہج ہے جس کی رعایت محدثین کرام اور ان کے منہج پر گامزن اہلِ حدیث نے ہمیشہ کی ہے۔

امام محی الدین نووی رحمہ اللہ سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ کے فقہی واجتہادی منہج کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

"ليس مقصود البخاري الاقتصار على الأحاديث فقط بل مراده الاستنباط منها والاستدلال لأبواب أرادها۔" (هدى الساري، ص: ٨)

''امام بخاری کا مقصد صرف احادیث جمع کرنا نہیں ہے بلکہ انکا ارادہ ان احادیث سے استنباط کرنا اور خاص (فقہی) ابواب کے لیے استدلال کرنا ہے۔''

" ثم رأى أن لا يخليه من الفوائد الفقهية و النكت الحكمية فاستخرج بفهمه من المتون معاني كثيرة فرقها في أبواب الكتاب بحسب تناسبها" (أيضا ، ص: ۸)

''امام بخاری نے (صحیح ومسند احادیث جمع کرنے کے بعد) مناسب سمجھا کہ کتاب کو فقہی فوائد اور حکیمانہ نکات سے عاری نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے فہم سے متونِ حدیث سے بہت سارے معانی کا استخراج کیا اور انہیں کتاب میں مناسب مقامات پر متفرق ابواب میں ذکر کیا ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ کا ایک فتوی نقل کیا ہے، اور پھر اس پر امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا تبصرہ ذکر کیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آئمۂ حدیث کے ہاں فقہ کا صحیح مفہوم کیا تھا۔

" وقال الزهري رحمه الله : إذا ولغ في إناء ليس له وضوء غيره يتوضاء به " وقال سفيان: "هذا الفقه بعينه يقول الله تعالى :فلم تجدوا مآء فتيمموا وهذا ماء وفي النفس منه شئى يتوضأ به ويتيمم" (كتاب الوضوء ، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان)

''امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کتا کسی برتن میں پانی پی لے، اور اس کے علاوہ وضو کے لیے کوئی پانی نہ ہو تو اسی سے وضو کر لے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ فتوی بعینہ فقہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ''پھر تمھیں پانی نہ ملے تو تیمّم کرلو'' اور یہ (کتے کا جھوٹا) پانی ہے، اس پانی کے بارے میں دل میں جو کھٹکا ہے اس کی وجہ سے اس پانی کے ساتھ وضو کے بعد تیمّم کر لے۔''

امام زہری رحمہ اللہ نے عموم قرآن سے جو استدلال کیا ہے، اور تخصیص کی دلیل نہ ہونے کی وجہ سے اس پانی سے وضو کا جو فتوی دیا اسے امام سفیان رحمہ اللہ نے بعینہ فقہ قرار دیا، اور خود احتیاطاً تیمّم کا فتوی بھی دیا۔ (فتح الباری، ج۱، ص:۳۴۷)

یہ محدثین کرام کے فقہی منہج اور اسلوب استدلال واستنباط اور وحی الٰہی کے فہم اور اس پر اعتماد کی ایک مثال ہے ورنہ فقہاءِ محدثین کا نصوصِ کتاب وسنت کے ساتھ تعامل کا عموماً یہی طریق کار

ہے۔ بالخصوص صحیحین، سنن اُبی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارقطنی اور سنن دارمی ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

انہیں صرف حفظ پر انحصار اور قلتِ فہم کا طعنہ غیر واقعی اور لایعنی ہے جس کی بنیاد قلتِ اطلاع ہے یا گروہی تعصب یا شریعت کے بارے میں کم فہمی کی وجہ سے احساس کمتری کا اظہار ہے۔ وفوق کل ذی علم علیم۔

شریعت کی جامعیت

شیخ الاِسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے شریعت کے ساتھ تعلق، تعامل اور اس پر اعتماد کے بارے میں معاشرے کے مختلف طبقات کے طرزِ عمل پر ایک جامع تبصرہ کیا ہے۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ ہر طبقے کے لیے شریعت میں کامل ہدایت اور راہنمائی موجود ہے مگر لوگوں نے اسے نظرانداز کر کے اس کا متبادل راستہ اختیار کیا جس کے نتیجے میں شریعت کی برکات سے محروم رہے اور اپنے خودساختہ طریقِ کار کے نقصانات سے بھی دوچار ہوئے اور مقصود بھی حاصل نہ کر پائے۔ مثلاً:

اگر علماء وفقہاء کتاب اللہ کو تھامے رکھتے اور اس کے دلائل و براہین کا تفقہ حاصل کر لیتے تو انہیں فاسد آراء کا سہارا نہ لینا پڑتا جن کے ساتھ وہ بزعم خویش دین کے فروعی مسائل کی تکمیل کر رہے ہیں۔ مزید فرماتے ہیں:

”وما كان من الحجج صحيحا ومن الرأى سديدا . فذلك له أصل فى كتاب الله وسنة رسوله ، فهمه من فهمه ، وحرمه من حرمه“ (إقتضاء الصراط المستقيم ، ص:۲۸۲)

”صحیح دلائل اور درست رائے جو بھی ہو اس کی اصل کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ میں ضرور ہوتی ہے، کوئی خوش نصیب اسے سمجھنے میں کامیاب ہو گیا اور کوئی شومئی قسمت سے اس کے فہم سے محروم رہ گیا۔“

یعنی کتاب وسنت کے دلائل زندگی کے تمام مسائل کے لیے کافی ووافی اور جامع ہیں، ضرورت استدلال واستنباط اور فہم وتفقہ کی ہے۔ شریعت نہ کسی تنقیص وتقصیر کی متحمل ہے اور نہ کسی تکمیل اور اتمام کی محتاج۔ قصور شریعت میں قطعاً نہیں ہے، اسے ماننے والوں کے فہم وفقہ میں ہے۔ اس کا علاج فکر وتدبر اور اجتہاد ہے نہ کہ اتباع الھویٰ، یا خودساختہ تکمیلی آراء الرجال یا قیاس بے اساس۔ وباللہ
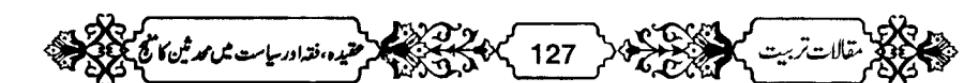
التوفیق۔

فقہاءِ مقلدین کا فکری تضاد

فقہاءِ محدثین کے برعکس آئمہ مذاہب اور فقہاءِ مقلدین کے فقہی منہج میں عجیب فکری تضاد پایا جاتا ہے کہ انھوں نے کتاب وسنت کی نصوص کے بارے میں قصورِ فہم کا ثبوت دیا، انہیں انسانی مسائل کے لیے ناکافی فرض کیا، اور آراء الرجال پر غیر ضروری اعتماد کیا اور تخریج در تخریج کے ذریعے ان میں وسعت پیدا کرنے کی کوشش کی اور پھر اپنے مستخرج مسائل کو مقدس فقہی ذخیرہ قرار دیا اور سرمایۂ افتخار سمجھا اور اس میں حک واضافہ اور اس پر حرف گیری یا نقد وتبصرے کو ''آئمۂ کرام کی گستاخی'' سے تعبیر کیا ، یہ آئمۂ کرام اور ان کے عقیدت مندوں پر ایک بڑا ظلم ہے، جس کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ إلا من رحم اللہ۔

دوسری طرف محدثینِ کرام کے وحی الٰہی پر مبنی اور نصوصِ کتاب وسنت سے مستنبط فقہ الحدیث کے ذخیرہ کو محدود اور ظاہر پرستی باور کرایا اور اس پر زبانِ طعن دراز کی اور اپنے حلقے کے طلبۂ علم کو اس کی خیرات وبرکات سے محروم رکھا۔ یہ ستم بالائے ستم ہے۔ اس کا نقصان بھی انہی کو اٹھانا پڑا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فقہاء مقلدین کے اس طرزِ عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے اور بجا فرمایا:

''وإذا تحققت هذه المقدمة اتضح عندك أن أكثر المقاييس التي يفتخر بها القوم، ويتطاولون لأجلها على معشر أهل الحديث يعود وبالاعليهم من حيث لا يعلمون'' (حجة الله البالغة ، البحث السابع)

''یہ مقدمہ بالتحقیق معلوم ہو جانے کے بعد آپ پر یہ واضح ہوگیا ہے کہ اکثر قیاسی مسائل جن کو اہل الرأی اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھتے ہیں اور ان کی وجہ سے اہلِ حدیث کے گروہ پر زبان درازی بھی کرتے ہیں، الٹا ان پر ہی انکا وبال ہے، اور اس طرح کہ انہیں اس وبال کا علم بھی نہیں ہے۔''

اپنے اپنے نصیب کی بات ہے، ایک فریق کو اقوالِ فقہاء اور آراء الرجال میں وسعت نظر آئی، انھوں نے اسی پر قناعت کی اور ان کی فقہ اسی مفروضے پر قائم ہے، اور کتاب وسنت کی نصوص میں انہیں تنگیٔ داماں نظر آتی ہے، اور حیلے بہانے کرکے اسے نظر انداز کیا اور اسے اپنی فقہ کی بنیاد نہیں بنایا۔

فیاللعجب۔

اسی طرزِ فکر کو درج ذیل عبارت سے سمجھا جا سکتا ہے:

"أن الوقائع بين أشخاص الأناسي غير متناهية، والنصوص، والأفعال، والإقرارات متناهية، ومحال أن يقابل ما لا يتناهى بما يتناهى" (ملاحظه هو: مقدمه بداية المجتهد لابن رشد)

''انسانی افراد کے درمیان واقعات کا سلسلہ لامتناہی یعنی کبھی نہ ختم ہونے والا ہے، اور نصوصِ شریعت، نبی ﷺ کے افعال وتقریرات (جن سے احکام اخذ کیے جاتے ہیں) محدود ہیں، لامتناہی کے مقابل متناہی سے احکام اخذ کرنا ناممکن ہے۔''

مقصد یہ ہے کہ شریعت کے احکام کی ایک حد ہے، جبکہ لوگوں کے مسائل کا سلسلہ کبھی نہ ختم ہونے والا ہے۔ اس لیے شریعت انسانوں کے تمام مسائل کا حل پیش کرنے سے قاصر ہے تو لامحالہ قیاس، استحسان اور مصالح وغیرہ فقہاء کرام کے اختراعی اصولوں سے ہی احکام اخذ کرنے پڑیں گے۔ وحی الٰہی کے منزل من اللہ ہونے پر ایمان لانے کے بعد یہ مفروضہ کس قدر باعثِ حیرت واستعجاب ہے۔

﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى﴾ (القيامة: ٣٦)

''کیا انسان خیال کرتا ہے کہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔''

الغرض فقہاءِ مقلدین کو فہمِ نصوص میں دشواری ہوئی اور انہیں اقوالِ ائمہ میں ہی وسعت علم نظر آئی اور انھوں نے انہیں ہی اپنی محنت کا میدان قرار دیا اور حسبِ توفیق امت کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ ان کا حسنِ ظن ہے کہ اقوالِ ائمہ بھی چونکہ نصوصِ کتاب وسنت پر ہی مبنی ہیں اس لیے حکم کا مبنیٰ ہر حال میں نصوص ہی ہیں، بالواسطہ یا بلاواسطہ۔

اور کم ہمتی کا یہ سلسلہ یہاں رکا نہیں بلکہ کتاب وسنت سے براہِ راست استفادہ سے عجز کے بعد مجتہد فی المذاہب بھی ایک منصب قرار پایا پھر مجتہد فی المذہب اور مجتہد فی المسائل وغیرہ کی اصطلاحات معرض وجود میں آئیں۔ اس طرح دینِ اسلام اور کتاب وسنت سے تعلق میں کمی نے ایک المیہ کی
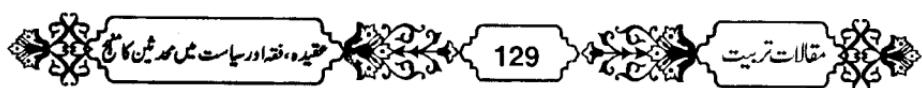
صورت اختیار کرلی، جس کے ردعمل میں آزاد خیالی اور اباحیت نے جنم لیا اور دین پر اہلِ دین یا رجالِ دین فقہاء کی اجارہ داری کے خلاف آوازیں بلند ہوئیں جس کی صدائے بازگشت الحادی حلقوں کی طرف سے مسلسل سنائی دے رہی ہے۔ ہمارے خیال میں اس کا واحد مناسب حل کتاب وسنت اور ان کے علوم ومعارف کی طرف رجوع کی دعوت، فقہ مذاہب پر ناقدانہ نظر اور اس کی ترتیب وتدوین نو ہے۔

﴿ يَـا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴾ (البقرة: ٢٠٨)

''مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔''

محدثین کا اعتدال واحتیاط

محدثینِ کرام کا فقہی منہج اعتدال واحتیاط پر مبنی ہے۔ اور انھوں نے کتاب وسنت اور فہمِ نصوص کو اپنی علمی جدوجہد کا میدان ٹھہرایا، اور استدلال واستنباط کے لیے سلف امت، صحابہ وتابعین کے فہم پر اعتماد اور عقل کا نصوص کی روشنی میں محدود استعمال کیا، اس طرح شریعتِ اسلامیہ کا ایک ایسا نقشہ پیش فرمایا جو امت کی راہنمائی کے لیے کافی ووافی بھی ہے۔ اس سے اباحیت اور آزاد خیالی کا سد باب بھی ہوا اور امت کے اہلِ علم کی علمی وفکری اور اجتہادی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں بھی مدد ملی۔ محدثینِ کرام کو توفیق ربانی سے دامانِ شریعت میں وسعت بھی میسر آئی اور کتاب وسنت سے راہنمائی حاصل کرنے میں کوئی دقت بھی محسوس نہیں ہوئی۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وبالجملة فلما مهدوا الفقه على هذه القواعد، لم تكن مسئلة من المسائل التي تكلم فيها من قبلهم والتي وقعت في زمانهم إلا وجدوا فيها حديثا مرفوعا متصلاً، أو مرسلاً أو موقوفاً صحيحاً أو حسناً أو صالحاً للاعتبار، أو وجدوا أثراً من آثار الشيخين، أو سائر الخلفاء
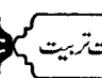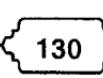
وقضاة الأمصار وفقهاء البلدان أو استنباطاً من عموم أو إيماء أو اقتضاء فيسر الله لهم العمل بالسنة على هذا الوجه" (حجة الله البالغة، باب الفرق بين أهلِ الحديث و أهلِ الرأى)

''فی الجملہ حضراتِ محدثینِ کرام نے جب فقہ کی تدوین وترتیب کے لیے اپنے ان قواعد کے مطابق طریق معین کرلیا، پھر کوئی ایسا مسئلہ جس کے بارے میں ان سے پہلے یا ان کے زمانے میں کسی نے کلام کیا ہو اس کے بارے میں انہیں کوئی نہ کوئی دلیل ضرور مل گئی۔ مرفوع متصل حدیث یا مرسل حدیث یا موقوف حدیث صحیح، حسن یا کم از کم قابلِ اعتبار، یا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے منقول کوئی اثر یا باقی خلفاء، یا مختلف علاقوں کے قضاۃ اور فقہاء کے آثار، یا عموم ادلہ سے استنباط کی گنجائش، یا ایماء النص اور اقتضاء النص، اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سنت پر عمل کے لیے آسانی پیدا فرما دی۔''

شاہ صاحب مرحوم کی امت کے مختلف طبقات اور فقہی مکاتبِ فکر پر بڑی گہری نظر ہے اور وہ ان کے مناہجِ علم وعمل پر بڑا جامع تبصرہ کرتے ہیں۔ ان کی شہادت اہلِ علم کے ہاں معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ انہیں عرب وعجم میں برابر وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ فقہاءِ مقلدین کے ہاں معتمد خاص اور اہلِ حدیث کے نزدیک محترم اور مسلمانوں کے تمام حلقوں میں معتبر ہیں۔ ان کی دقتِ نظر کے پیش نظر انہیں بالاتفاق حکیم الأمت کہا جاتا ہے۔ محدثینِ کرام کے حق میں ان کی یہ شہادت بڑی واقعیت اور وقعت کی حامل ہے۔ اس اقتباس اور اس سے سابق اور لاحق سیاق میں شاہ صاحب نے اہلِ حدیث کے ہاں معمول بہا مصادرِ تلقی اور مناہجِ تلقی کی واضح نشاندہی کی ہے۔ اور ان کا یہ بیان محدثینِ کرام کے علمی وفقہی ذخیرہ کے استقراء پر مبنی ہے۔

اہل الحدیث اور اہل الرأی

عقیدہ کے بارے گفتگو کے ضمن میں بالاختصار یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اسلام کی طرف منسوب کچھ افراد اور احزاب نے فلاسفۂ یونان کی تعلیمات کو مسلمانوں میں رواج دینے کی کوشش کی، کتاب وسنت کی واضح اور صریح نصوص کی من مانی تاویل کی، انہیں اپنی مرضی کے معانی پر محمول کیا۔ مخلص اہلِ علم کتاب وسنت کے ساتھ خارجی افکار وعقائد کے زیرِ اثر اس رویے اور تعامل کو برداشت نہ کرسکے اور

اسلامی روح کی حفاظت کے لیے میدان میں نکلے، اس کشمکش کے نتیجے میں امت اسلامیہ میں دو گروہ معرضِ وجود میں آ گئے۔ اہل السنۃ جو اصل اور حقیقی اسلامی علوم کی ترجمانی کرتے اور ان کے خلاف ہونے والی سازشوں اور دجل وفریب اور تحریف وتاویل کے سد باب کے لیے سرگرم تھے، یہ لوگ اکثریت میں تھے اور امت کے اصل نمائندے اور ترجمان تھے۔ اس کے بالمقابل اہلِ بدعت تھے جنھوں نے معتزلہ، جہمیہ، کرامیہ، قرامطہ اور روافض وغیرہ فرقوں کی صورت اختیار کی اور اپنے باطنی اور درآمدی افکار مسلمانوں میں رواج دینے کی کوششیں کیں۔

دوسری طرف اسلامی فتوحات کا سلسلہ بڑھا، اسلامی قلم رَو میں وسعت پیدا ہوئی، عہدِ نبوی اور عصرِ صحابہ ختم ہوا، نئے نئے مسائل پیدا ہوئے۔ اور ان کے حل کے لیے لوگوں نے اہلِ علم کی طرف رجوع کیا۔ اہل السنۃ میں مسائل کے حل کے سلسلے میں پھر دو قسم کے رجحانات نے جنم لیا، ایک گروہ نے کتاب وسنت کی نصوص، اور نبی ﷺ اور صحابۂ کرام کے منہج پر قائم رہنے میں عافیت سمجھی اور استدلال واستنباط اور افتاء واجتہاد کے لیے وہی راستہ اختیار کیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام کو چلایا تھا اور انہیں اس کی مشق کروائی تھی۔ انھوں نے قرآن وسنت پر غیر مشروط اعتماد کیا، اور فہم سلف کی روشنی میں نصوص سے استدلال کیا اور اپنی علمی واجتہادی مساعی کو پیش آمدہ مسائل تک محدود رکھا، ان کے ہاں روایت اور درایت اور عقل ورائے میں تعارض کی صورت میں نقل وروایت کو غلبہ حاصل رہا۔ کتاب وسنت کے احترام، عصمت اور ان کے تقدس کا یہی تقاضا تھا، جس کی پاسداری میں عافیت سمجھی گئی۔ اشد ضرورت کے وقت رائے اور قیاس سے بھی انھوں نے کام لیا، مگر ایک حد تک اور کتاب وسنت اور فہم سلف کے بعد اور ان کی زیر نگرانی، اولین حیثیت ان کے ہاں منقول و ماثور کو ہی حاصل رہی۔ یہ مبارک اور مقدس گروہ عہد تابعین میں ہی اہل الحدیث کے نام سے پکارا جانے لگا تھا۔ سعید بن المسیب، ابن شہاب زہری، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، قتادہ، اعمش رحمہم اللہ ان کے بعد اگلے طبقے میں امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ اس گروہ کی معروف شخصیات ہیں۔ کبار اہلِ علم کے ہاں ان کے علم وفضل کا اس قدر اعتراف تھا کہ احادیث کے بارے میں ان کی رائے مستند سمجھی جاتی تھی۔

” قال الشافعي لأحمد : أنتم أعلم بالأخبار الصحيحة عنا ، فإذا كان خبر صحيح فأعلموني حتى أذهب إليه كو فيا كان أوبصرياً أو شامياً“ (آداب الشافعي ومناقبه لابن أبي حاتم ، ص: ٩٥ ،مناقب الإمام أحمد لابن الجوزي ،حجة الله البالغة)

”امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک بار امام احمد رحمہ اللہ سے کہا تم ہماری نسبت صحیح احادیث کا زیادہ علم رکھتے ہو، کوئی صحیح حدیث ہو تو مجھے بھی بتا دیا کریں تا کہ میں اس پر عمل کرسکوں، اس کے رواۃ کوفی ہوں، شامی ہوں یا بصری۔“

کتاب وسنت کے باہمی تعلق اور ان کے فہم میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مقام ومرتبہ اور اصول اجتہاد پر ان کی رائے ایک سند کا درجہ رکھتی ہے۔مگر صحتِ حدیث کے لیے وہ بھی محدثین کی طرف رجوع کرتے تھے۔

اس گروہ کے علمی مراکز زیادہ تر مہبط وحی مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور حجاز وغیرہ تھے۔قرآن وسنت ، اخبار وآثار اور سلف امت صحابہ کے ساتھ گہرے تعلق اور اعتماد کی وجہ سے ان کی شہرت بعد میں اہل الحدیث، اُھل الأثر اور سلفی اور اثری وغیرہ کے ناموں سے ہوئی۔ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا۔

دوسرا گروہ اہلُ الرأی کے نام سے معروف ہوا، ان کے مراکز ،کوفہ، بصرہ، شام وعراق وغیرہ تھے۔مرکزِ اسلام مکہ ومدینہ سے بُعد کی وجہ سے اُن کے ہاں روایت حدیث کا اتنا رواج نہ تھا۔اور منقول وماثور علمی ورثہ کی ان کے ہاں ذرا کمی تھی۔جس کی وجہ سے رائے پر اعتماد اور اس کا بکثرت استعمال ان کی مجبوری تھی۔اسلام کی سادگی اور بے تکلفی کی بجائے ان پر عقل کا غلبہ تھا اور فلسفیانہ مزاج کا اثر بھی تھا۔اہلُ السنۃ ہونے کے باوجود یہ حضرات اہلِ بدعت کی عقل پرستی سے مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکے،جس کے آثار ان کے فتاویٰ واجتہادات میں نمایاں نظر آتے ہیں۔مسائل کے حل میں ان کے ہاں اخبار وآثار اور فہم سلف کی بجائے ہمیشہ عقل ورائے کا غلبہ رہا۔

دوسری طرف حکومت اور حکمرانوں سے قربت وتعلق اور عوام میں مقبولیت کی وجہ سے انھوں نے پیش آمدہ اور واقعی مسائل سے تجاوز کر کے موہومہ اور مفروضہ مسائل کے حل کے لیے بھی کافی محنت کی ، واضح رہے کہ ایسے مسائل جن کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے ان کے حل کے لیے اخبار وآثار سے

ان کی دادرسی کیسے ہوسکتی تھی۔ اس طرح وہ رائے، قیاس اور عقل کے استعمال میں اس حد تک آگے بڑھے کہ انہیں علمی حلقوں میں اہلُ الرائے، الآرائیون اور قیاسیون کے ناموں سے شہرت حاصل ہوگئی۔ یقیناً دونوں گروہوں کی نیت تو خدمت اسلام ہی تھی مگر کتاب وسنت کے ساتھ تعامل اور اعتماد میں تفاوت کی وجہ سے راستے جدا جدا ہو گئے اور حدیث نبوی سے استغناء کسی گروہ کے ہاں بھی نہیں تھا۔ کسی نے براہ راست استفادہ کیا اور کسی نے محدود پیانے پر اور بالواسطہ۔ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ۔

توجہ طلب امور!

یہاں چند باتیں خصوصاً توجہ طلب ہیں:

ا۔ **اہل الرأی** جو عقل ورائے اور قیاس واجتہاد کے علمبردار تھے۔ جب اسلامی علوم وفنون کی ترتیب وتدوین مکمل ہوئی اور اہلِ علم دفقہ کی فکری ونظری مساعی اپنے انجام کو پہنچیں اور علمی معرکے ختم ہوئے، تو ان حضرات کی محنتوں کا نتیجہ تقلید شخصی کی صورت میں سامنے آیا۔ جو کسی طرح بھی قرینِ عقل ورائے نہیں ہے۔ اجتہادی مساعی سرے سے دم توڑ گئیں، ان کے حلقوں میں مجتہد مطلق کا وجود عنقا ہوگیا، اور بقول امام نووی رحمہ اللہ عالمِ اسلام ایسی شخصیت سے مکمل طور پر محروم ہوگیا جس کے سر پر مجتہد مطلق کا زرین تاج سجایا جاسکے۔ گویا عقل ورائے پر بے جا اعتماد کی وجہ سے اس گروہ کو یہ تاریک علمی دور دیکھنا پڑا۔ اسی تقلید وجمود کا ردعمل ہے کہ تا حال فقہ کی تشکیل جدید کے لیے آوازیں بلند ہورہی ہیں، اور مسلمانوں کا حقیقت پسند اور تحقیق آشنا طبقہ فہم کتاب وسنت کے بارے میں اس کم ہمتی اور بے بضاعتی پر قناعت کرنے کو تیار نہیں۔

مگر مقلدین کا مذہبی طبقہ اس قدیم فقہی سرمائے کو مقدس ورثہ سمجھ کر سینے سے لگائے ہوئے ہے، اسی کے مطابق فتوے دیتا ہے، اور اس سے سرمو تجاوز کرنے کو بزرگوں کی گستاخی باور کرتا ہے مگر علمی وتحقیقی دنیا میں ان کی اس روش کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جارہا بلکہ خود انکے حلقے کے بعض تحقیق پسند اہلِ علم بھی اس صورتحال پر مطمئن نہیں ہیں، اور جمود توڑنے کی کوشش کررہے ہیں۔ مگر ماحول کی زنجیریں اور تقلید کی ہتھکڑیاں ان کے فکر رسا کے راستے روکے ہوئے ہیں۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا۔

دوسری طرف محدثینِ کرام جنہیں ظاہر پرستی اور نصوص کے ساتھ تقیّد اور درایت وتفقہ کی کمی کا طعنہ دیا جاتا تھا۔ ان کی مساعی جمیلہ اور طریق استدلال واستنباط تاریخ اسلام کے ہر عہد میں امت کے لیے فکر ونظر اور بصیرت کا سامان فراہم کرتی رہی ہیں۔ اور ان کا مرتب ومدون کردہ علمی وفقہی ذخیرہ باستثناء اہلِ بدعت وروافض پوری امت کے ہاں متفق علیہ، متداول اور معمول بہ ہے، ہزار کوششوں کے باوجود اس میں تشکیک پیدا کی جاسکی اور نہ عامۃ المسلمین کے ہاں اس کی مقبولیت کم کی جاسکی۔

اس سے اہلُ الحدیث کی فہم وفراست، حکمت وبصیرت اور ان کے کام کی خیر وبرکت اور اسلام کے ساتھ مخلصانہ تعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

﴿یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَشَاءُ وَمَنْ یُؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیرًا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (البقرة: ۲٦۹)

''وہ (اللہ جسے چاہتا ہے حکمت سے نوازتا ہے، اور جس کو حکمت عطا کی گئی تو وہ خیر کثیر دیا گیا ،اور نصیحت تو صرف عقل مند ہی حاصل کرتے ہیں''۔

ان حقائق اور اس انجام کے بعد بھی فقہ اِسلامی میں محدثین کرام کے علمی وتحقیقی منہج کو اولین حیثیت نہ دی جائے تو اس پر اکثریت کے بل بوتے پر تاریخ نویسی کی بجائے تاریخ سازی کے سوا کیا تبصرہ کیا جاسکتا ہے۔ ﴿اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾

۲۔ **اہلُ الحدیث** دلائل شریعت، ان سے استدلال اور اصولِ اجتہاد میں اللہ کی توفیق سے خودکفیل ہیں۔ کسی کے محتاج اور دریوزہ گر نہیں ہیں، کتاب وسنت اور فہمِ سلف پر قناعت کی بدولت وہ ہمیشہ سربلند رہے ہیں۔ وہ کبھی کسی علمی معرکے میں مغلوب نہیں ہوئے، خارجی اثرات سے مرعوب نہیں ہوئے، انھوں نے استیناس کے لیے اپنی کتابوں میں فقہاء کی آراء ذکر کی ہیں۔ شریعت کے دقائق کو سمجھنے، اسوۂ رسول کو اپنانے، آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال میں تشریعی اور غیر تشریعی امور میں فرق کرنے میں اور ملکۂ اجتہاد میں انہیں توجیہ وارشاد کا مقام حاصل ہے۔ اجتہاد کے جس مرتبہ پر بھی کوئی فائز ہو، ان کی کتابیں سب کے لیے عمدہ اور راہنما کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس کے برعکس فقہاءِ مقلدین اپنی کتابوں اور فتاویٰ میں رواہ البخاری ومسلم کہنے پر مجبور ہیں

اور اس میں فخر بھی محسوس کرتے ہیں ۔ بلکہ ان کتابوں کا وہی حصہ قابل اعتناء ہے جس میں روایات پر اعتماد ہوتا ہے، اور ان کے حصے میں عموماً سنداً تیسرے درجے کی مرویات ہی آئی ہیں بلکہ مذاہبِ متداولہ کی کتب فقہ کا ایک بڑا حصہ ضعیف احادیث پر مشتمل ہے۔ اس کا اندازہ ان پر لکھی جانی والی کتب تخریج سے لگایا جاسکتا ہے۔

گویا کتب حدیث بالخصوص اصولِ سبعہ اور اس منہج پر لکھی جانی والی دیگر کتبِ حدیث امت کی متفق علیہ کتب ہیں ۔ اور بجا طور پر انہیں کتبِ اسلام کہا جاسکتا ہے، اور وہ اسلامی فقہ میں منہجِ محدثین کی ترجمان ہیں اور تمام مسلمانوں کا مشترکہ علمی سرمایہ ہے۔

عصرِ حاضر میں اس منہج استدلال سے واقفیت کے لیے سعودی عرب کے دارالإ فتاء کی لجنۂ دائمہ کے فتاویٰ وبحوث کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ جس میں محدثین کی اجتہادی بصیرت کی جھلک نظر آتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں اجتہاد ایک مسلسل عمل ہے، جو ہمیشہ جاری رہا ہے اور إن شاء اللہ جاری رہے گا۔ رہبر کامل ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، رقم الحديث: ٢٢٥) قال البخاری: وَهُمْ أَهْلُ الْعِلْمِ

''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر (ہوتے ہوئے) لڑتا رہے گا، اور قیامت تک غالب رہے گا''۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ (گروہ) اہل علم ہیں۔

ہمارے ہاں برصغیر پاک وہند میں بھی محدثین کرام کے فقہی منہج پر افتاء واجتہاد کا سلسلہ الحمد للہ جاری وساری ہے۔ اردو زبان میں فقہ وفتاویٰ کی کتب کا ایک بڑا ذخیرہ اہلِ ایمان کی تسکین ذوق کے لیے مرتب ومدون ہو کر اہلِ علم کے ہاں متداول ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان مفتیانِ کرام کو خیر وعافیت سے نوازے اور انہیں جزائے خیر دے۔

۳۔ محدثینِ کرام اور ان کے فقہی منہج کا تتبع اور اتباع کرنے والے اہلِ علم وفقہاء نے دینی تعلیمات اور شرعی نصوص کو بڑی وسعتِ ظرفی اور دقتِ نظر سے دیکھا، اور ان کے فہم میں پوری

دیانت داری سے کام لیا ہے، فقہ الحدیث کا ذخیرہ امت کے اتحاد و اتفاق اور یکجہتی کے لیے بہترین دستور العمل ہے۔ان کے ہاں فقہی استدلال اور بیانِ مسائل میں مروت اور وسعت پائی جاتی ہے۔وہ موافق ومخالف تمام دلائل ذکر کرتے ہیں اور مسلمانوں میں متداول ومعروف مکاتبِ فقہ کے فقہاء کی آراء ذکر کرنے میں دیانت داری کا ثبوت دیتے ہیں، بلکہ اقوالِ فقہاء کے ذکر میں بھی انھوں نے اپنے اصولِ روایت کا بڑی حد تک اہتمام کیا ہے۔امام محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ کتاب الصلوٰۃ میں ایک باب اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْجَهْرِ بـ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَغَيْرُهُمْ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَقُ لَا يَرَوْنَ أَنْ يَجْهَرَ بـ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ قَالُوا وَيَقُولُهَا فِي نَفْسِهِ (سنن الترمذی، کتاب الصلاۃ، رقم الحدیث: ۲۲۷)

"اکثر اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے۔اصحابِ کرام میں سے خلفاءِ اربعہ وغیرھم ان کے بعد تابعین میں سے بھی سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور پھر احمد، اسحق رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی مسلک ہے۔ان حضرات کا خیال ہے کہ امام بآواز بلند بسم اللہ نہ پڑھے وہ کہتے ہیں کہ آہستہ پڑھے"۔

اس کے متصل بعد دوسرا باب ذکر کیا۔

بَاب مَنْ رَأَى الْجَهْرَ بـ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

وَقَدْ قَالَ بِهَذَا عِدَّةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ أَبُو هُرَيْرَةَ وَابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ رَأَوْا الْجَهْرَ بـ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ۔

"یعنی متعدد اہلُ العلم امام کے بآواز بلند بسم اللہ پڑھنے کے قائل ہیں۔جن میں صحابہ کرام میں

سے حضرت ابو ہریرہ، ابن عمر، ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کچھ تابعین نہیں جن کا مذہب بسم اللہ بالجہر پڑھنے کا ہے۔ فقہاء میں امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

فقہاءِ مذاہب میں اس مسئلے کے بارے میں اختلاف اہلِ علم کے ہاں معروف ہے۔

اور کبھی امام صاحب دوسری آراء کے بیان کرنے یا مسئلے میں وسعت اور گنجائش کا ذکر کرنے کے لیے باب الرخصة فی ذلك کے تحت مسئلہ کا دوسرا پہلو واضح کر دیتے ہیں۔

یہ وسعتِ ظرفی اور مروت یعنی موافق ومخالف تمام دلائل ذکر کرنے کا اسلوب صرف فقہاء محدثین کے ہاں ہی پایا جاتا ہے۔ یا پھر بعض فقہاء حنابلہ نے حدیث اور اہلِ حدیث سے قربت وتعلق کی وجہ سے خصوصاً ابن قدامہ رحمہ اللہ نے المغنی میں اور مالکیہ میں سے ابن رشد رحمہ اللہ نے ”بداية المجتهد ونهاية المقتصد“ میں اس کا اہتمام کیا ہے۔ اور یہ کتاب بھی اہل الحدیث کے مدارس اور دور الإفتاء میں متداول اور زیرِ درس ہے۔

یمن کے علماءِ حدیث نے تو زیدی شیعوں کے اقوال اور ان کے دلائل کے ذکر میں بھی بخل سے کام نہیں لیا۔ اس کی مزید تفصیل وتصدیق کے لیے کتبِ ستہ، نیل الأوطار، سبل السلام اور شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فتاوی وغیرہ کتب ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

حضراتِ اہل الحدیث کے اس جذبہ خیر سگالی اور علمی دیانت وامانت اور فقہی توسع کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور فقہاء مقلدین یہ راہ اختیار کرتے تو متاخرین بھی فروعی اختلافات کی وجہ سے باہم دست وگریبان ہونے کی بجائے شیر وشکر ہوتے۔ اور مختلف فقہی آراء کے حامل اہلِ علم کے درمیان تعصب کی فصیلیں نہ کھڑی ہوتیں۔ مساجد کی باہم تقسیم نہ ہوتی۔ اور ایک دوسرے کی اقتدا میں نماز کی صحت وبطلان کی بحثیں نہ ہوتیں اور مسلمانوں کی غیر مسلموں میں جگ ہنسائی نہ ہوتی۔

﴿ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴾(البقرة:۲۵۳)

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی طرزِ عمل تھا۔ وہ نصوص کتاب وسنت کے فہم میں اختلاف کی وجہ سے باہم تعصب کا شکار نہیں ہوئے۔ حضراتِ محدثین نے بھی یہی منہج اختیار کیا۔ فقہی اختلافات کو انھوں نے ”الولاء والبراء“ کی بنیاد نہیں بنایا۔

محدثین کی اس روش کے صالح آثار اب بھی ان کے منہج ومسلک کے حاملین میں نمایاں ہیں۔ اسی کی خیر وبرکت ہے کہ اہلِ حدیث کی مساجد اور مدارس کے دروازے سب کے لیے کھلے ہیں۔ وہاں نماز پڑھنے، تعلیم حاصل کرنے بلکہ بحث ومناقشہ کی بھی مکمل آزادی ہے۔ مسلکِ محدثین کی روز افزوں نشر واشاعت کی بڑی وجہ بھی اس کی حقانیت کے ساتھ یہ وسعت ومروت اور تحمل ہے۔ اور دیگر فقہاء کا احترام اور ان کی آراء کا آزادانہ جائزہ اور مناقشہ اور اپنے نقطۂ نظر پر کھل کر گفتگو کرنے کی آزادی ہے۔

اہلِ حدیث کبھی اہلِ علم کو دیکھ کر حق کا تعین نہیں کرتے بلکہ حق کو معیار ٹھہرا کر اہلِ علم کے مقام ومرتبہ اور ثقاہت وعدم ثقاہت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ کسی کے نام اور اس کی شخصیت سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے بلکہ کتاب وسنت کے بارے میں اس کے نقطہ نظر کو دیکھ کر شخصیت کے مقام ومرتبہ کا تعین کیا جاتا ہے۔

والحقُّ أحَقُّ أن يُتَّبَع

اتباعِ حق کی اسی پاسداری کا نتیجہ ہے کہ اہلُ الحدیث کے حلقوں میں شخصیت پرستی کے جراثیم کبھی پرورش نہیں پا سکے۔ تمام علماء وفقہاء اور امت کے صلحاء واتقیاء کا نہایت درجہ احترام پایا جاتا ہے۔ سب کو پڑھا جاتا، ان کی بات سنی جاتی ہے، مگر امام دار الہجرۃ مالک بن اَنس رحمہ اللہ سے منقول اس اصول وضابطہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ قبر نبی ﷺ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے:

"كل أحد يؤخذ عنه ويرد عليه إلا صاحب هذا القبر"

"ہر کسی کی رائے قبول بھی کی جا سکتی ہے، اور رد بھی کی جا سکتی ہے، ماسوا اس کے جو اس قبر میں محوِ آرام ہے۔"

یعنی یہ مقام صرف آنحضرت ﷺ کو حاصل ہے کہ ان کا ہر فرمان قبول کیا جا سکتا ہے، رد کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ عصمت کا مقام صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس نے اپنے رسول ﷺ کو معصوم قرار دیا ہے۔ اور تقدس صرف اللہ کے کلام قرآنِ کریم کو اور اس کے نبی ﷺ کی حدیث وسنت کو حاصل

ہے۔اس لیے دین میں حجت بھی یہی دو چیزیں ہیں۔

۴۔ أهلِ ظاهر: کتاب وسنت پر اعتماد اور نصوص سے استدلال کے سلسلے میں اس معرکہ میں اہل الرأی والقیاس کے طرزِ عمل کے خلاف ردعمل کے طور پر ایک تیسرا گروہ بھی ایک دور میں متعارف ہوا۔اور انھوں نے جمہور اہل السنہ کے علماء وفقہاء سے اختلاف کیا اور نصوص کتاب وسنت کے ظاہر سے تمسک کیا اور انہیں جملہ دینی احکام کے لیے کافی ووافی سمجھا، اور مسکوت عنہا امور میں براءت اصلیہ کی بنیاد پر حکم لگانے سے احتراز اور قیاس کی حجیت سے انکار کیا۔اس بارے میں ان کی سب سے اہم دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَآءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (المائدة: ١٠١)

''اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر تمہارے لیے وہ ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔''

نیز نبی ﷺ کا یہ فرمان:

(الْحَلالُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ) (حسن۔ رواه الترمذی(١٧٢٦)

''حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا۔اور جس سے اللہ نے سکوت اختیار کیا تو وہ ان امور میں سے ہے جن سے اللہ نے عفو اختیار فرمایا ہے۔''

اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کے بارے میں شریعت میں حکم موجود ہے تو اس حدیث میں مذکور تیسری قسم ''معفو عنه'' کا کیا مطلب ہے؟

لہٰذا جس مسئلہ میں کوئی نص نہ ملے اسے براءت اصلیہ پر محمول کریں اور سمجھیں کہ اللہ نے اس سے تجاوز فرمایا ہے اور ہمیں بھی اسے زیر بحث نہیں لانا چاہیے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

(وكَأَنَّ هَذَا الْحَدِيثَ الْمَوْقُوفَ أَصَحُّ)

وَسَأَلْتُ الْبُخَارِيَّ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ مَا أُرَاهُ مَحْفُوظًا (سنن الترمذی ، کتاب اللباس ، رقم الحدیث: ١٦٤٨)

اس معنی کی اور بھی متعدد احادیث ہیں جن سے اہلِ ظاہر نے اپنے اس موقف کی صحت پر استدلال کیا ہے۔

محدثین کا منہج اعتدال

قیاس کے بارے میں اہل الرأی اور اہلِ ظاہر کے اس افراط وتفریط کے حامل موقف کے درمیان محدثین کرام نے وسطیت اور اعتدال کا منہجِ اختیار فرمایا، جو حقیقتاً حضرات صحابہ کرام اور تابعینِ عظام کا منہج ہے۔

ائمۂ حدیث وسنت نے ظاہرِ نصوص سے بھی کامل احترام کے ساتھ تمسک کیا ، اور اپنے استدلال میں نصوص کے اشارات ، ایماءات ، اور اقتضاءات سے بھی کام لیا۔ نیز نصوص کے مفاہیم کا بھی اعتبار کیا ہے ۔ جہاں کہیں عبارۃ النص ، اشارۃ النص ، دلالۃ النص اور اقتضاء النص وغیرہ طرق استدلال سے مقصود حاصل نہیں ہوا اور مفہوم سے بھی مسئلہ حل نہیں ہوا ، وہاں انھوں نے عندالضرورت قیاس وغیرہ ادلہ جانبیہ سے کام لیا ہے ۔ اس طرح انھوں نے اپنے اجتہادات میں تمام قابل اعتبار دلائل سے استفادہ کیا ، بشرطیکہ لغت عرب ان کی متحمل ہو اور قرائن اس کی تائید کر رہے ہوں۔ احکامِ دین کے فہم میں صحابہ کرام کا طریق استدلال بھی یہی تھا۔ حضرات محدثین نے صحابۂ کرام سے منقول اس طریق کار کو کبھی نظر انداز نہیں کیا ، اور نہ ہی انھوں نے قیاس کا بے جا استعمال کیا ہے۔ ظاہر نصوص سے تمسک میں بھی انھوں نے جمود کا مظاہرہ نہیں کیا یعنی محدثین نے اہلِ علم میں متعارف ہر طریقۂ استدلال سے استفادہ کیا۔ مثلاً لغوی طریقۂ استدلال ، منطقی طریقۂ استدلال ، اور تاریخی طریقۂ استدلال ۔ مگر ان کے ہاں اصل اہمیت تاریخی طریقۂ استدلال کو ہی رہی ۔ ان کا سب سے زیادہ اعتماد سلف صالحین سے منقول اشباہ ونظائر پر رہا۔ سلف کے احترام اور ان کی علمیت واخلاص کے اعتراف کا یہی تقاضا ہے ، اور فقہ الحدیث کا یہی بڑا امتیاز ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے افکار کی روشنی میں اس سے قبل بھی اس کی کچھ وضاحت ہو چکی ہے۔

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور معتدل فقہاء احناف کا فقہی منہج بھی اصلاً یہی تھا۔ البتہ اس کی عملی تطبیق میں ان کے حلقوں کے اہلِ علم لاشعوری طور پر اس پر کما حقہ قائم نہیں رہ سکے۔ جبکہ محدثین نے عملاً بھی اس کا ثبوت دیا ہے۔ جس کی وجہ ان کے ہاں احادیثِ نبویہ کے حفظ و روایت کا اہتمام اور ان پر کلی اعتماد ہے اور نصوص شریعت کے ساتھ تعامل میں ان کا سلفی و اثری منہج ہے۔

اس طرح فکری و علمی اتفاق کے باوجود بوجوہ عملی اختلاف رونما ہوا، اور اہل الحدیث کے فقہی منہج نے امتِ مسلمہ میں ایک مستقل مکتبِ فکر کی حیثیت اختیار کر لی جسے تسلیم کرنے میں مقلدین حضرات بخل سے کام لیتے ہیں۔

شریعت میں تمام مسائل کا حل موجود ہے

اہل الحدیث کا نقطۂ نظر بھی یہی ہے کہ پیش آمدہ ہر مسئلہ میں اللہ کا حکم موجود ہے۔ اور اکثر و بیشتر احکام براہ راست کتاب و سنت کی نصوص سے دریافت کئے جا سکتے ہیں، اور ضرورت کے وقت طریقِ استدلال کی حیثیت سے قیاس سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اس موضوع پر ان کے دلائل بڑے واضح اور صریح ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَاناً لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدىً وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾

(النحل: ٨٩)

''اور ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے، جو ہر چیز کا مفصل بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔''

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ (الشورى: ١٠)

''اور تم جس شے میں اختلاف کرتے ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (سے) ہے۔

﴿وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ﴾

(النساء: ٨٣)

''اور اگر وہ اسے رسول اور اپنے اولوالأمر (علماء و حکام) کی طرف لوٹاتے تو اسے وہ لوگ جان لیتے جو ان میں سے اس سے استنباط کر لیتے ہیں۔''

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے تمام امور و معاملات میں اللہ کے احکام موجود ہیں جو براہ راست بھی مل سکتے ہیں اور اہلِ علم کے استنباط کے ذریعے بھی، اور یہی دونوں طریقے اہل الحدیث کے ہاں معمول بہ ہیں۔

صحابۂ کرام بھی ہر پیش آمدہ مسئلہ میں حکم الٰہی کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سوال کرتے تھے۔

رسالتِ محمدیہ علی صاحبها السلام پوری انسانیت اور ساری زندگی کے لیے عام ہے اور شریعت اسلامیہ کے احکام بھی پوری زندگی کے لیے عام ہیں۔ بقول شیخ الاِسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

''فهمه من فهمه وحُرِمه من حُرِمه'' ''جس کی قسمت میں فہم تھی اس نے شریعت کے احکام کو سمجھ لیا، اور جو شومیٔ قسمت کا شکار ہوا وہ فہمِ دین سے محروم رہا۔''

لہذا شریعت سے تجاوز کی اجازت ہے اور نہ اس کی نصوص کے بارے میں کوتاہ نظری اور تقصیر کی۔ اہلِ علم کا فریضہ حفظ و اتقان اور فہم و اجتہاد ہے۔

مخلص اہلِ ایمان اور اصحابِ علم کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب فرما دیتا ہے۔ حضراتِ محدثین کا فقہی منہج اس کی بہترین مثال ہے۔ ہر مسئلہ میں وحی الٰہی کا تتبع اور اس کی اتباع نبوی طریق کے عین مطابق ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَى إِلَيَّ مِنْ رَبِّي هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (الأعراف: ۲۰۳)

''کہہ دیجیے! میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف وحی کی جاتی ہے، یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرت پر مبنی دلائل اور ہدایت اور رحمت ہے، ایسے لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔''

﴿فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (البقرة: ۲۱۳)

''حق کے بارے میں جو لوگوں نے اختلاف کیا ہے، اس میں اللہ نے اپنے حکم سے ان ہی لوگوں کو ہدایت دی، جو ایمان لائے ہیں اور اللہ جسے چاہتا ہے، صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔''

ظاہر ہے کہ اس طریقہ کار کے مطابق شریعت کی ترجمانی اور فقہ کی ترتیب وتدوین ایک انتہائی مشکل کام ہے۔ اس کے لیے کتاب وسنت کی نصوص کا استیعاب واستقراء، ان کا حفظ اور ان پر گرفت، ان کا استحضار اور دقیق فہم ضروری ہے۔ جو حضرات محدثین کو کثرت ممارست کی وجہ سے حاصل تھا اور دیگر علماء اس سے محروم تھے۔ اس فرق کے آثار فقہ الحدیث اور فرقہ وارانہ اور تقلیدی فقہ میں بسہولت دیکھے جا سکتے ہیں۔ علماء اصول اور فقہاء کی مبینہ اور مفروضہ شروطِ اجتہاد پر غور کیا جائے تو وہ صرف محدثین کرام میں پائی جاتی ہیں۔ اسی لیے ان کے اجتہادات علمی اخطاء سے بہت حد تک محفوظ ہیں، اور امت میں متعارف، متداول اور معمول بہا ہیں، اور مخالفین کو ان سے اختلاف کے لیے ہزار جتن کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن پھر بھی بات بنائے نہیں بنتی اور محدثین کی مقبولیت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا ☆ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْماً لُدًّا﴾ (سورة مريم: ٩٦-٩٧)

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ اُن کی محبت (مخلوقات کے دل میں) پیدا کر دے گا۔ (اے رسول!) ہم نے یہ (قرآن) تمہاری زبان میں آسان (نازل) کیا ہے تا کہ تم اس سے پرہیزگاروں کو خوشخبری پہنچا دو اور جھگڑالوؤں کو ڈر سنا دو۔''

دینی تعلیمات کی یہ سادگی، سہولت اور عام ذہن سے قربت فقہ الحدیث کا امتیازی وصف ہے۔ اور تقلیدی فقہ

؎ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی کا نمونہ بنی ہوئی ہے۔ ﴿فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ﴾

ایک نصیحت

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مؤمن آدمی کو علم و ایمان تک صحیح معنوں میں رسائی حاصل کرنے کے لیے بھرپور محنت کرنی چاہیے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اپنا ہادی، مددگار، حاکم اور ولی اختیار کرنا چاہیے۔ وہی بہتر مولیٰ اور بہتر مددگار ہے اور تیرا رب ہدایت اور مدد دینے کے لیے کافی ہے۔

﴿نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ﴾ (الأنفال: ٤٠)

﴿وَكَفَى بِرَبِّكَ هَادِياً وَنَصِيراً﴾ (الفرقان: ٣١)

اور بہتر ہے کہ انسان اس دعا سے اللہ کے دربار میں ہدایت کی التجا کرتا رہے۔ یہ دعا صحیح مسلم اور ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز کے لیے قیام فرماتے تو یہ دعا کیا کرتے تھے:

"اللَّهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ اهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ" (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، رقم الحديث:١٢٨٩)

''اے اللہ! جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! غائب اور حاضر کو جاننے والے! بندے جس کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں تو ہی ان میں فیصلہ کرتا ہے۔ حق کے بارے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے تو اپنے حکم سے مجھے اس میں حق وصداقت کی ہدایت نصیب فرما دے۔ یقیناً تو جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم، آخری صفحہ)

محدثین کے ہاں مصدر تلقی اور اصول الأدلہ

اس بیان اور ان تصریحات سے واضح ہوگیا ہے کہ اہل الحدیث کے ہاں مصدر تلقی اور فقہ کی بنیاد اور اصل الأصول صرف کتاب اللہ اور احادیث نبویہ کی نصوص اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور آپکی تقریرات ہیں اور یہ دونوں دلیلیں قطعی حجت ہیں۔ اس پر امت کے تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے۔ جہاں تک اجماع اور قیاس کا تعلق ہے تو ان نصوص کے معانی ومفاہیم کی صحت اور قطعیت کو معلوم کرنے کا بہترین طریق اجماع امت اور فہم سلف پر اعتماد ہے۔

اور قیاس وغیرہ ان اصول ادلہ سے استدلال اور ان میں مذکور احکام دریافت کرنے کے لیے اجتہاد کا ایک طریقہ ہے، بذات خود کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

کتاب وسنت کی حجیت کے دلائل

کتاب وسنت کی حجیت کے دلائل قرآن میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

☆ یا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے منصبی فرائض واضح کیے اور بتایا کہ آپ ﷺ قرآن کریم کو بیان کرنے والے، اس کی آیات اور معانی ومفاہیم واضح کرنے والے تھے۔ فرمایا:

﴿ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (النحل: ٤٤)

''اور ہم نے تیری طرف ذکر نازل کیا تاکہ تو لوگوں کے لیے اسے واضح کردے جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اور تاکہ وہ غور وفکر کرسکیں۔''

۞ جہاں لوگوں کے مابین اختلاف ہو وہاں حق کا بیان بھی نبی ﷺ کی ذمہ داری ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (النحل: ٦٤)

''اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لیے نازل کی تاکہ جس امر میں انھوں نے اختلاف کیا۔ اس میں تم ان پر (حق) واضح کردو اور یہ ایسے لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں ہدایت اور رحمت ہے۔''

۞ اللہ تعالیٰ نے متنازعہ فیہ امور میں نبی ﷺ کے حکم کو دل وجان اور رضا ورغبت سے تسلیم کرنا فرض قرار دیا۔ بصورت دیگر ایمان کا دعویٰ ناقابل قبول ہے۔ فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾ (النساء: ٦٥)

''تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک ایماندار نہیں ہونگے، جب تک اپنے درمیان اختلاف میں تجھے حکم تسلیم نہ کرلیں، پھر جو فیصلہ تو کردے اس کے بارے میں اپنے دلوں میں تنگی بھی محسوس نہ کریں، اور اسے اچھی طرح تسلیم کرلیں۔''

✿ بیان و تعلیمِ قرآن کے ساتھ تعلیمِ حکمت بھی آپ ﷺ کی ذمہ داری بتائی، تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو دین کے احکام سکھائیں۔ فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ (آل عمران: ١٦٤)

''یقیناً اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے اندر ان میں سے ہی ایک رسول مبعوث فرما دیا، جو ان کو اللہ کی آیتیں تلاوت کر کے سناتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور وہ لوگ اس (کی بعثت) سے قبل تو کھلی گمراہی میں تھے۔''

جمہور اہلِ علم و تحقیق کی یہی رائے ہے کہ ''حکمت'' سے مراد قرآن کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے اور وہ یقیناً سنت ہی ہے جو احکامِ دین کی وضاحت کے لیے نبی ﷺ کو عطا کی گئی۔

امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (۱۵۰ھ۔۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

"فذكر الله الكتاب وهو القرآن وذكر الحكمة فسمعت من أرضى من أهل العلم بالقرآن يقول الحكمة سنة رسول الله وهذا يشبه ما قال والله أعلم" (الرسالة للشافعی، ص:۷۸)

''اللہ نے کتاب کا ذکر فرمایا اور وہ قرآن ہے اور حکمت کا ذکر کیا۔ میں نے اپنے پسندیدہ علماء قرآن سے سنا ہے وہ کہتے تھے، حکمت سنت رسول اللہ ہے، اور یہی بات صحیح ہے۔ واللہ اعلم''

حکمت کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ (۱۵۰ھ۔۲۰۴ھ) اور ان کے پسندیدہ اہلِ علم اور جمہور علماء امت کی اس رائے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو قرآن کے ساتھ کچھ اور بھی عطا کیا گیا جس کی اتباع واجب تھی۔ ایک دوسرے مقام پر قرآن کریم میں اس کی صراحت بھی کر دی گئی ہے۔ فرمایا:

﴿يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (الأعرف: ١٥٧)

''وہ رسول انہیں بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے، اور پاکیزہ اشیاء کو ان کے

لیے حلال قرار دیتا ہے اور ناپاک اشیاء کو حرام قرار دیتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور طوق اتارتا ہے جو ان پر (پہلے سے) تھے۔''

اس آیت کے عمومی الفاظ واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ نبی ﷺ کی طرف سے حلال وحرام کا بیان قرآن کریم کی صورت میں ہو یا اس کے علاوہ وحی کے دوسرے طریق حدیث وسنت سے ہو، دونوں کا حکم ایک ہی ہے اور وہ واجب القبول والعمل ہے۔

سنن اَبی داؤد میں مقداد بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

"ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه"

''خبردار! یقیناً مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس جیسی ایک اور شے بھی۔''

۞ اللہ تعالیٰ نے امر ونہی میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع واطاعت فرض قرار دی ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (الأعراف:٧)

''اور جو کچھ تمہیں رسول ﷺ دیں تو اسے لے لو اور جس سے وہ تمہیں منع کریں، اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔''

۞ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیات میں اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا۔

دونوں کی اطاعت کو ملا کر ذکر کیا۔

جب اللہ اور رسول بُلائیں تو اس دعوت کو قبول کرنے کا حکم دیا۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔

اپنے رسول ﷺ کی اتباع کو اپنی محبت کی شرط کے طور پر ذکر فرمایا۔

اور اسے ایمان کی شرط بھی قرار دیا۔ فرمایا:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (آل عمران: ١٣٢)

''اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔''
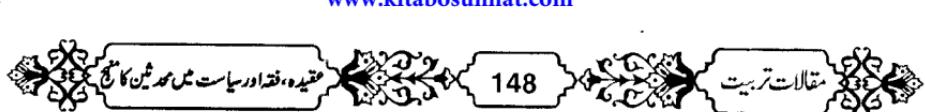
﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴾(الأنفال:٢٤)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو، جب رسول تمہیں ایسے کام کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشتا ہو، اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔''

﴿ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا﴾ (النساء:٦٩)

''اور جس شخص نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی تو ایسے لوگ ان (خوش نصیبوں) کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور ان لوگوں کی رفاقت بہت خوب ہے۔''

﴿ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ﴾(النساء:٨٠)

''اور جس شخص نے رسول ﷺ کی اطاعت کی سو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ﴾

(آل عمران :٣١)

''کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔''

۞ ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾(الأنفال:١)

''اور اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اگر تم مؤمن ہو۔''

☆ نبی ﷺ کے حکم کی مخالفت سے سختی کے ساتھ منع کیا اور اس کے انجامِ بد سے ڈرایا۔ فرمایا:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(النور:٦٣)

''تو جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ ان پر کوئی آزمائش آجائے یا دردناک عذاب انہیں آ لے۔''

۞ ایک مقام پر یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کفر ہے۔ فرمایا:

﴿ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴾ (آل عمران:٣٢)

''کہہ دیجئے! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو یقیناً اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔''

۞ اطاعت کرنے اور حکم بجالانے میں اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنے کو حقیقی کفر قرار دیا۔ فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ☆ أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴾ (النساء: ١٥٠-١٥١)

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے کفر کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا چاہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اس (ایمان اور کفر) کے درمیان راستہ اختیار کریں، وہی لوگ حقیقتاً کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

۞ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو بڑی کامیابی قرار دیا۔ فرمایا:

﴿ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴾ (الأحزاب:٧١)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجالائے گا تو وہ یقیناً بڑی کامیابی حاصل کرے گا۔''

۞ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے اور حکم کی موجودگی میں اہلِ ایمان کو اسے تسلیم کرنے کے سوا کوئی اختیار نہیں رہتا۔ فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾(الأحزاب:٣٦)

''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اپنے اس امر میں کوئی اختیار رہو اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو یقیناً وہ شخص کھلا گمراہ ہو گیا۔''

۞ سورۃ النور میں مسلمان لوگوں کے اپنے مابین مختلف فیہ امور و معاملات میں رسول اللہ ﷺ کو حکم ماننے اور اس سے اعراض کرنے کو اہلِ ایمان اور منافقین کے درمیان خط امتیاز قرار دیا۔ (اس کی تفصیل پہلے ذکر ہو چکی ہے آیت نمبر ٤٧ تا ٦٢)

۞ سورۃ الشعراء میں متعدد آیات میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور رسول کی اطاعت بجالانے کا حکم دیا۔ فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ﴾

''اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''

دیکھیے: الشعراء: ١٠٨، ١١٠، ١٢٦، ١٣١، ١٤٤، ١٥٠، ١٦٣، ١٧٩۔

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری اور اتباع رسول کا حکم اس قدر اصرار، تکرار اور تاکید کے ساتھ قرآن میں مذکور ہے جبکہ اس کے علاوہ کسی تیسری اطاعت کا کہیں ذکر نہیں ماسوائے اولوالأمر کی اطاعت کے وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اختلاف کی صورت میں قول فیصل اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہی ہو گا۔

اسی طرح نصوص سنت پر نظر دوڑائی جائے تو یہ حکم بہت زیادہ تکرار اور تاکید کے ساتھ نظر آتا ہے، جن میں سے چند نصوص پیش خدمت ہیں:

۞ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم مَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۔ (صحيح بخاری، صحيح مسلم، سنن ابن ماجه)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں جس چیز کا

حکم دوں اسے لے لو اور جس سے تمھیں منع کر دوں، اس سے رک جاؤ۔''

۞ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ (متفق عليه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک میں تمھیں (حکم دینے میں) چھوڑوں تم بھی مجھے (سوال کرنے میں) چھوڑے رکھو (یعنی بلاضرورت سوالات نہ کرو) تم سے پہلے لوگ صرف اپنے انبیاء سے سوالات کرنے اور اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے سو جب میں تمھیں کسی چیز کا حکم دوں تو اسے حسب استطاعت بجالاؤ اور جب کسی چیز سے روک دوں تو اس سے رک جاؤ۔''

۞ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ (متفق عليه)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''

۞ عن عرباض بن سارية يقول قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (رواه أحمد وأبو داؤد والترمذي وابن ماجه والحديث صحيح)

''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو (میرے بعد) زندہ رہے گا، وہ بہت اختلاف دیکھے گا، پس تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کے پابند رہنا، اسے مضبوطی سے تھام لینا اور دانتوں سے پکڑ لینا اور نئے کاموں سے بچنا، دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''
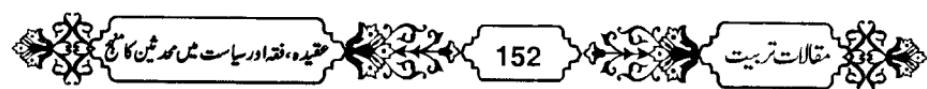
خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت اگر کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو تو اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور اگر قرآن وحدیث سے اس کے خلاف ثبوت مل جائے تو اسے ترک کر دیا جائیگا۔

خلفاءِ راشدین سے صحابۂ کرام کے اختلاف کی مثالیں

حج تمتع اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل یہی تھا، جیسے حج تمتع حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا تو ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترک کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ:

(أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ أَبِي نَهَى عَنْهَا وَصَنَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَأَمْرَ أَبِي نَتَّبِعُ أَمْ أَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ الرَّجُلُ بَلْ أَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَقَدْ صَنَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم) (رواہ الترمذی و قَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ)

''کیا خیال ہے اگر میرے باپ نے اس سے منع کیا اور رسول اللہ ﷺ نے وہ عمل کیا ہو؟ تو میرے باپ کے حکم کی پیروی کی جائیگی یا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی، تو اس شخص نے کہا (جس نے سوال کیا تھا) بلکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی پیروی کی جائے گی، تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کہ رسول اللہ ﷺ نے تو تمتع کیا ہے۔''

✪ وَقَالَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ: نَزَلَتْ آيَةُ الْمُتْعَةِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ (يَعْنِي مُتْعَةَ الْحَجِّ) وَأَمَرَنَا بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ لَمْ تَنْزِلْ آيَةٌ تَنْسَخُ آيَةَ مُتْعَةِ الْحَجِّ وَلَمْ يَنْهَ عَنْهَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّى مَاتَ۔ قَالَ رَجُلٌ بِرَأْيِهِ بَعْدُ مَا شَاءَ (أخرجہ البخاری ومسلم)

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں قرآن میں حج تمتع کی آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس کا حکم بھی دیا، پھر کوئی ایسی آیت نہیں اتری جو حج تمتع کی آیت کو منسوخ کرتی، اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات تک اس سے منع کیا، اس کے بعد کوئی شخص اپنی رائے سے جو چاہے کہتا رہے۔'' (ان کی مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں)

یعنی کتاب وسنت کی موجودگی میں ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے یا فتوے کے پابند نہیں ہیں۔

طلاق ثلاثہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحابہ کا اختلاف

طلاقِ ثلاثہ کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اختلاف کیا۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ (صحيح مسلم، كتاب الطلاق برقم: ٢٦٨٩)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی دو سال تک تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگوں نے ایک ایسے کام میں جلد بازی شروع کر دی ہے، جس میں ان کو مہلت حاصل تھی، پس کیوں نہ ہم ان پر تین طلاقوں کو تین ہی نافذ کر دیں۔ پھر انھوں نے تین طلاقوں کو تین ہی نافذ کر دیا''۔

عصر نبوی اور عہد صدیقی اور خلافت فاروق کے ابتدائی دو سال کے اس عمل کی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتوی بھی ہمیشہ یہی رہا کہ ایک بار دی گئی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہونگی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا بِفَمٍ وَاحِدٍ فَهِيَ وَاحِدَةٌ (أبو داؤد، الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب کسی نے ایک مرتبہ تین طلاق کہہ دیا تو وہ ایک شمار ہوگی۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اختلاف حدیث نبوی پر عمل کی وجہ سے تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وفات ۶۸ھ ہجری میں ہوئی۔ اور ان کا یہ اختلاف صحابہ کو معلوم تھا مگر کسی نے اس پر نکیر نہیں کیا۔ بلکہ اس کے علاوہ بھی بعض صحابہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے اختلاف منقول ہے۔

"نقل عن علي وابن مسعود وعبد الرحمن بن عوف والزبير مثله" (فتح الباری:

ج۹ص:۳۶۳)

''یعنی ایسا ہی اختلاف حضرت علی ، ابن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر سے بھی منقول ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں غنوی کے حوالے سے یہ اختلاف محمد بن تقی ، ابن مخلد اور محمد بن عبدالسلام الخشنی وغیرہ سے اور ابن منذر کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تلامذہ عطاء ، طاؤس اور عمرو بن دینار سے بھی ذکر کیا ہے۔ (فتح الباری أیضا)

اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فتویٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے بعد بھی جاری رہا۔ اس لیے ان کے تلامذہ بھی یہی رائے رکھتے تھے۔ اس اختلاف کی وجہ یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ تعزیری فتویٰ اور انتظامی فیصلہ حدیث نبوی کے مطابق نہ تھا اور تنازع کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے کا جو حکم ہے ان حضرات کا اختلاف اسی پر عمل کی ایک شکل ہے۔

یہاں اس مسئلے کی مختصر وضاحت بے محل نہ ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں، کیونکہ قرآن کریم کی آیت ﴿ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ﴾ (البقرة: ۲۲۹) کا یہی تقاضا ہے۔

ایک دفعہ ایک صحابی رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں، پھر وہ اپنے فعل پر غمگین اور پشیمان ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال کے بارے میں سوال کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا۔

(كَيْفَ طَلَّقْتَهَا) ''تو نے کس طرح طلاق دی تھی۔'' تو اس نے کہا

(طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا) ''میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ) ''تینوں ایک ہی مجلس میں دی ہیں''۔

(قَالَ نَعَمْ) ''اس نے عرض کیا، ہاں، ایک ہی مجلس میں دی ہیں۔''

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ) ''پھر تو یہ ایک ہی طلاق ہے، اگر چاہتے ہو تو رجوع

کرلو۔

(قَالَ فَرَجَعَهَا) ''تو رکانہ نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا۔'' (أحمد، ترمذی)

نبی ﷺ نے اس فعل کو قرآن سے مذاق اور تلاعب قرار دیا، اور اس کے نتیجے میں حلالہ کے مکروہ کاروبار کو زنا سے تعبیر کیا۔ اس مسئلے کی مکمل تفصیل کتب حدیث وفقہ اور علماء حق کی مؤلفات میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ کی اعلام الموقعین وغیرہ۔

اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت وحکومت میں تین طلاق کو وبا کی صورت میں پھیلنے اور قرآن کریم کے ساتھ اس مذاق کا سدباب کرنے کے لیے سزا کے طور پر اسے مؤثر قرار دیا تھا۔ لیکن ان کا یہ اجتہادی اور تعزیری اقدام جسے وہ سزا قرار دیتے تھے۔ مطلوبہ نتائج فراہم نہ کرسکا۔ بلکہ اس سے نئے فتنے حلالہ نے جنم لیا۔ تو عقل و دانش اور فہم وفراست اور اجتہادی فکر کا تقاضا یہی تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہی پالیسی اختیار کرتے ہوئے اسے منسوخ قرار دیا جاتا، اور طلاق کے بارے میں قرآن وسنت کا بتایا ہوا طریقہ اختیار کیا جاتا جیسا کہ بعض روایات کے مطابق حضرت سے ایسا کرنا منقول بھی ہے۔ (إغاثۃ اللهفان، ابن قیم ۲/ ۳۵۱)

مگر جب علماء نے کتاب وسنت کے مطابق یہ موقف اختیار کیا تو اس کی شدید مخالفت کی گئی۔

شریعت حقہ، قضاء، اور مذہبی امور کے بارے میں افکار کی یہ ژولیدگی اور تقلید وجمود کے بالمقابل حق اور اہلِ حق کی یہ مخالفت حیرت انگیز ہے۔ حالانکہ متعدد علماء احناف نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو انتظامی، سیاسی اور تعزیری قرار دیا ہے۔

"ثم حكم بوقوع الثلاث سياسة و تعزيرا لكثرته من الناس" (جامع الرموز، ص: ۳۳۱)

''پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین کے واقع ہونے کا سیاسی وتعزیری حکم جاری کیا، لوگوں کے بکثرت طلاق دینے کی وجہ سے۔'' (نیز ملاحظہ ہو حاشیہ الدر المختار ۲/ ۱۲۸)

اس قسم کی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا۔

''ہندوستانی مسلمانوں کی شدید رجعت پسندی کے پیش نظر یہاں کی عدالتیں اس پر مجبور ہیں کہ مستند کتب فقہ میں بیان کردہ احکام سے انحراف نہ کریں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان تو حرکت میں اور

قانون جامد و ساکن ہے۔''

واضح رہے کہ یہ تبصرہ تقلیدی اور جامد فقہ پر ہو سکتا ہے۔ منزل من اللہ شریعت مطہرہ اس سے بہت اعلیٰ و بالا ہے اور محدثین اسی شریعت کے علمبردار ہیں۔ (خطبات اقبال)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اختلاف

خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جنگ کرنے کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا اور جب تک دلیل کی روشنی میں انہیں اطمینان نہیں ہوا، انھوں نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ (بخاری، کتاب الزکوٰۃ، صحیح مسلم، کتاب الإیمان)

ایسے ہی اپنے بعد خلیفہ کی تعیین کے متعلق بھی انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت موجود ہونے کی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل نہیں کیا اور فرمایا:

(وإني وإن لا أستخلف فإن رسول الله لم يستخلف ، وإن أستخلف فان أبا بكر قد استخلف)

''اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا اور اگر خلیفہ بنا دوں تو ابو بکر نے خلیفہ مقرر کر دیا تھا۔'' یعنی دونوں کے طریقہ پر عمل کی گنجائش ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(فعلمت أنه لم يكن ليعدل برسول الله أحداً وأنه لم يستخلف)(صحيح مسلم، الأمارة، باب الاستخلاف وتركه)

''تو مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ کسی کو برابر نہیں کریں گے اور وہ خلیفہ مقرر نہیں کریں گے۔'' پھر ایسا ہی ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنت نبوی پر عمل کیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی سنت کو نظر انداز کر دیا۔

اس کے علاوہ بھی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ صحابۂ کرام نے خلفاء راشدین سے اختلاف کیا۔ ان آیات و احادیث اور آثار صحابہ کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ مطلقاً حجت صرف کتاب اللہ اور سنت و حدیث رسول اللہ ہے۔ جسے بغیر کسی نقد و نظر اور بحث و جدل کے قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا فرض

ہے۔

یہ آیات واحادیث ایک طرف منکرین حدیث کے خلاف حجت و برہان ہیں، جو اطاعت رسول اور حجیت حدیث کے بارے میں انحراف کا شکار ہیں۔ یہ آیات واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ نبی ﷺ اپنی حیاتِ طیبہ میں اور وفات کے بعد بھی ہر حال میں ہمیشہ کے لیے مطاع اور متبوع ہیں۔ آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ ﷺ کی سنت اور حدیث واجب القبول والطاعۃ ہے۔

دوسری طرف ان حضرات کے خلاف بھی حجت و برہان ہیں جو کتاب وسنت کے علاوہ کسی چیز کو دین میں حجیت، قدسیت اور معصومیت کا مقام دیتے ہیں۔

قولِ فیصل کتاب وسنت ہی ہے

خلفاء راشدین کی پیروی اولوالأمر کی پیروی کے حکم میں ہے جو مطلقاً واجب نہیں ہے۔ تنازع کی صورت میں قطعی فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کا ہی ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی ہے، جیسا کہ چاروں خلفاء سے منقول و ماثور اقوال وتصریحات سے واضح ہے، اور ان کی عملی زندگی اس کا بین ثبوت ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (النساء: ٥٩) کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں:

"فدل على أن من لم يتحاكم فى محل النزاع إلى الكتاب والسنة ولا يرجع إليهما فى ذلك فليس مؤمنا بالله ولا باليوم الآخر"

''یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جو شخص اختلاف کے وقت محل نزاع میں فیصلے کے لیے کتاب وسنت کو حَکم نہیں مانتا اور ان کی طرف رجوع نہیں کرتا، وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لانے والا نہیں ہے۔''

اس صراحت اور وضاحت کے بعد کتاب وسنت کے علاوہ کسی چیز کو احکام شریعت کے لیے

مصدر تلقی اور حجت و دلیل کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ قیاس اور اس کے علاوہ دیگر اصولِ اجتہاد کو مجازاً ادلہ کہا گیا ہے۔ اصل میں یہ سب کتاب وسنت سے استدلال واستنباط کے طریقے ہیں، بذات خود شریعت کے دلائل نہیں ہیں۔ کتاب وسنت کے دلائل واضح ہونے کی صورت میں کسی دوسری چیز کا ذکر بھی صحابہ کرام کے ہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی گستاخی تصور کیا جاتا تھا۔ اور یہی حضرات محدثین کرام کا فقہی منہج ہے اور یہی ''سبیل المؤمنین'' ہے جس کی پیروی فرض اور اس سے اختلاف حرام اور موجبِ عذاب جہنم ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيراً﴾ (النساء: ١١٥)

''اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے گا اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے گا تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اُسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کرینگے اور وہ بُری جگہ ہے۔''

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ﴾

(البقرة: ١٣٧)

''پھر اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو یہ ہدایت یافتہ ہو جائیں، اور اگر منہ پھیر لیں تو وہ اختلاف میں ہیں۔''

مفسر قرآن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقوله: فليحذر الذين يخالفون عن أمره أى عن أمر رسول الله صلى الله عليه و سلم وهو سبيله ومنهاجه وطريقته وسنته وشريعته فتوزن الأقوال والأعمال بأقواله وأعماله فما وافق ذلك قبل وما خالفه فهو مردود على قائله وفاعله كائنا من كان" (ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، النور:٦٣)

ارشاد باری تعالیٰ میں "عـن أمـره" کا مطلب جناب رسول اللہ ﷺ کا امر ہے۔ اور اس سے آپ ﷺ کا راستہ، منہاج، طریقہ و اسلوب، آپ ﷺ کی سنت اور شریعت سب مراد ہیں۔ چنانچہ تمام اقوال و افعال آپ ﷺ کے اقوال و افعال کے میزان میں تولے جائیں گے، ان میں سے جو آپ ﷺ کے اقوال و افعال کے ساتھ موافقت رکھتے ہونگے وہ قبول ہونگے، اور جو آپ ﷺ کے مخالف ہونگے وہ ان کے قائل و فاعل پر دے مارے جائیں گے، ان کے قائل و فاعل کی شخصیت کی پرواہ کئے بغیر کہ وہ کون ہے۔"

محدثین کرام کا سیاسی منہج

سیاست کا لغوی مفہوم:

''سیاست'' عربی زبان کا لفظ ہے۔ قدیم زمانے سے عربوں کے ہاں استعمال ہو رہا ہے۔ عربی نظم ونثر دونوں میں لکھا اور بولا جاتا ہے۔ عربی لغت کی تمام کتب ومعاجم میں موجود ہے۔ احادیث نبویہ میں بھی یہ کلمہ مذکور ہے۔ قبل از اسلام اور بعد از اسلام ہر دور میں عربی زبان کا حصہ رہا ہے۔ اسے غیر عربی یا دخیل سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

''سیاست'' کا معنیٰ اصلاً تدبیر وانتظام ہے۔ یعنی کسی چیز کی دیکھ بھال کرنا، حسب ضرورت اس کے امور ومعاملات کا خیال کرنا۔

"سوس'' اس کا تین حرفی مادہ اور" ساس یسوس "فعل ہے۔ ''لسان العرب'' میں اس کا معنیٰ "القیام علی الشئ بما یصلحه" لکھا ہے۔ اس کے تمام معانی کا مرکزی نقطہ ''کسی شے کی اصلاح کے لیے تدبیر وانتظام'' ہی ہے۔

سیاست کا اصطلاحی مفہوم:

اس کا عمومی معنیٰ تو وہی ہے جو ہمارے معاشرے میں معروف اور'' Politics '' کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جس کا مطلب ہے۔ شہری وملکی امور ومعاملات کا ایسا نظم ونسق جس سے عدل وانصاف قائم کیا جاسکے۔ اور شہریوں کے حقوق وفرائض میں توازن قائم رکھا جاسکے۔ حاکم اور رعیت کے تعلقات صحیح طریقے سے قائم رہ سکیں۔ یا وہ اصول وضوابط اور قوانین جن کے تحت حکمران ریاست کے امور ومعاملات کی تنظیم وتدبیر کر سکے۔ یہ تعریف ہر قسم کی سیاست کے لیے ہے، شرعی ہو یا غیر شرعی۔

حضرات فقہاء کرام نے اپنے مزاج کے مطابق ''شرعی سیاست'' کی تعریف اس انداز سے کی

ہے، جس سے عام سیاست کی نسبت اس پر شریعت کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ مگر اسے قرآن وحدیث ، اجماع اور قیاس کے دائرہ سے نکال کر ایسے قوانین سے تعبیر کرنا جو استحسان، سد ذرائع، مصالح مرسلہ اورعرف وغیرہ سے ماخوذ ہوں، اس سے سیاست کا دینی وشرعی تشخص مجروح ہوتا ہے۔ اور دین وسیاست میں تفریق کا تصور ابھرتا ہے۔ اسی کوتاہ نظری نے بالآخر سیاست میں چنگیزیت کی راہ ہموار کی ہے۔ مگر حق یہی ہے کہ:

؎ جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

محدثین کرام نے ریاست کے نظم ونسق کو، حکمران اور رعایا کے تعلقات کو، عدل وانصاف کے قیام کو کتاب وسنت کی روشنی میں ہی دیکھا ہے۔ ''اسلامی سیاست'' چونکہ فقہ اسلامی کا ہی ایک باب ہے۔ اس لیے اس کے احکام ومسائل کو بھی محدثین نے فقہ الحدیث کے طریق کار اور منہج کے مطابق ہی موضوع بحث بنایا ہے۔ اس کی تفصیلات کے لیے کتب حدیث میں کتاب الإمارۃ، کتاب الأحکام، کتاب الشہادۃ اور قصاص ودیت وغیرہ کے ابواب ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

کیا دین میں سیاست ہے؟

عصرِ حاضر میں ایک مخصوص طبقے کی طرف سے اس فکر کو نشر کرنے کی خاصی کوشش کی گئی ہے کہ دین میں سیاست ہے اور نہ سیاست میں دین۔ مذہب کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے اور علماء دین کا سیاست سے کوئی سروکار نہیں بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ علماء کو سیاست کی لعنت سے دور رہنا چاہیے۔

کیا اسلام اپنی جامع اور کامل شکل میں اس فکر کو قبول کرنے کے لیے تیار ہے؟ کیا انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا بھی ہوسکتا ہے جس کے لیے اسلام کے دامنِ وسعت اور کتاب وسنت کے دائرہ ہدایت وحکمت میں جگہ نہ ہو۔ بالخصوص اجتماعی اور معاشرتی عمومی نظام زندگی کے لیے۔

اللہ تعالیٰ دین اسلام کے ذریعے انسان سے مکمل اطاعت وفرمان برداری کا مطالبہ کرتا ہے۔ کامل خودسپردگی کو ہی صحیح اسلام تسلیم کرتا ہے۔ فرمایا:

﴿یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَافَّةً﴾ (البقرۃ:۲۰۸)

''اے ایمان والو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔''

تخلیق آدم کی ابتدا ہی اس کی خلافت ارضی کے ذکر سے ہوئی ہے۔ فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّی جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیفَةً﴾ (البقرۃ:۳۰)

''جب تیرے رب نے فرمایا! بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو تاجِ خلافت پہنا کر زمین پر اتارا ہے تو نظامِ خلافت کو چلانے کے لیے احکام کیوں نہیں دیے ہونگے ؟

اللہ تعالیٰ نے جب اولیاء الأمور کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اور اختلاف کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے فیصلہ کروانے کی ہدایت کی ہے تو یقیناً اس اطاعت اور اس اختلاف کے حل کے لیے واضح احکام بھی ضرور دیے ہونگے۔

بلاشبہ زندگی کے باقی تمام شعبوں کی طرح سیاست کے لیے بھی کتاب وسنت میں عام وخاص دلائل اور اصول وضوابط موجود ہیں۔ جن کی تطبیق اور بوقت ضرورت ان سے استدلال واستنباط اہلِ علم کا فرض ہے۔ اور سیاسی امور ومعاملات میں کتاب وسنت سے راہنمائی حاصل کرنا ایک دینی ضرورت ہے، جس سے روگردانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حضرات محدثین نے اپنی کتب میں اس کا اہتمام بھی کیا ہے۔

اسوۂ حسنہ کی حفاظت کی طرح خلافت راشدہ کے خدوخال، اور خلفاء راشدین کے فضائل ومناقب، ان کی سیر وسوانح اور ان کے نظام حکومت وسیاست کی کلی وجزئی حفاظت کا اہتمام بھی حضرات محدثین کرام کی جماعت کا کارنامہ ہے۔ اور ہر دور کی اسلامی ریاست کی بنیادی ہی تاریخی ورثہ ہے۔ اس لیے سیاسی امور میں انہی لوگوں کا منہج کامل اور سلیم ہے۔ سب سے بہترین راہنمائی ان سے ہی ملتی ہے۔ اسلامی سیاست اور نظامِ حکومت کا سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ تو اقتدار اعلیٰ کا تعین اور مقتدر اعلیٰ یا سپر پاور کی تعریف ہے۔ آئمہ حدیث وسنت نے توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کے بیان کے ضمن میں جس طرح اس مسئلہ کو واضح کیا اور امت کو اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرنے کی

دعوت دی ہے، ایسی سعادت کسی دینی و مذہبی گروہ کو کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ ایوانِ اقتدار سے دور رہنے ،اور درباری سیاست سے پرہیز کرنے کی وجہ سے اس میدان میں ان کی شہرت نہیں ہوسکی۔ کلمۂ حق کہنے اور حکمرانوں کی خواہشاتِ نفس پر حرف گیری کرنے کی وجہ سے انہیں سرکار و دربار میں کبھی پذیرائی حاصل نہیں ہوئی، اور نہ ہی انھوں نے کبھی حکومتی مناصب کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا ہے۔

لیکن وہ لوگ کسی شعبہ زندگی سے متعلق کتاب وسنت کے احکام بیان کرنے سے کبھی غافل نہیں رہے۔ قرآن حکیم میں مذکور اہلِ ذکر جن کی طرف دینی مسائل میں رجوع کا حکم ہے اس کے اوّلین مصداق یقیناً علماء کتاب وسنت ہی ہیں۔ اور اُولی الأمر جن کی اطاعت کا حکم ہے انکا مصداق بھی یہی حضرات اہلِ علم ہیں۔ حکمرانوں کا مقام ان کے بعد ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ والله أعلم بالصواب۔

دین وسیاست میں جدائی لادینی تصور ہے۔

دین انسان کا ذاتی مسئلہ ہے، سیاست سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ اس تصور نے مغرب کے لادین معاشروں میں جنم لیا ہے۔ مسیحیت کے مذہبی طبقے کے خلاف وہاں کے آزاد خیال طبقے کی بغاوت کے نتیجے میں وہاں اس فکر نے پرورش پائی ہے۔ صرف سیاست وحکومت کو ہی نہیں بلکہ پوری انسانی زندگی کو انہوں نے دین و مذہب کی حدود وقیود سے آزاد قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ اس مغربی فکر کے زیرِاثر ہمارے جدت پسند اور مغربی تہذیب سے مرعوب طبقے نے دین وسیاست میں تفریق کو فروغ دینے کی یہاں بھی کوشش کی ہے۔ اور ہمارے ہاں کے کتاب وسنت کی تعلیمات سے بے بہرہ مذہبی لوگ اس فکر کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہے ہیں، لیکن محدثین کی وارث جماعت الحمدللہ کبھی اس فکر سے مرعوب نہیں ہوئی، وہ سلف صالحین کے عہدِ زریں کی طرح آج بھی اسی منہج پر قائم ہے۔

دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے، اور اسلام جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے مکمل فرماں برداری اور خود سپردگی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت پر کامل ایمان لانے سے ہی صحیح مسلمان کہلوایا جاسکتا ہے۔ اسلام کے امر ونہی اور قضاء وعدل کی کامل اطاعت سے ہی اس کے تقاضے پورے ہوسکتے ہیں۔

فقہی منہج کے بیان میں اس امر کی وضاحت ہوچکی ہے کہ کتاب وسنت میں پوری زندگی کے احکام

موجود ہیں ۔اللہ اور اس کے رسول نے سیاست اور حکومت کے احکام بھی کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً بیان کیے ہیں ۔افرادِ معاشرہ کے باہم تعلقات، حاکم اور محکوم کے باہم تعلقات، مسلم معاشرے کے دوسرے معاشروں کے ساتھ تعلقات، حکومتوں کے حکومتوں کے ساتھ تعلقات سب کی وضاحت کتاب وسنت میں موجود ہے ۔مثلاً فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾

(النحل:۸۹)

''اور ہم نے تجھ پر ہر شے کے بیان کے لیے کتاب اتاری ہے، اور وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور خوش خبری ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ☆ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴾(النساء:۵۸۔۵۹)

''اللہ تعالیٰ تمھیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ، اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو۔ یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمھیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے، دیکھتا ہے۔ اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول ﷺ کی اور اپنے اولیاء الامور کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمھیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے، یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔''

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾(النساء:٦٥)

''سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک آپس کے تمام اختلاف میں آپ کو حکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں

اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرلیں۔''

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ (آل عمران:۱۵۹) ''اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں، پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (یوسف:۴۰) ''حکم دینا صرف اللہ کے لیے ہے۔''

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (الأعراف:۵۴) ''خبردار! پیدا کرنا اللہ کے لیے ہے اور حکم دینا بھی اسی کا حق ہے۔''

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ (الحج:۴۱)

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔ تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔''

﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (المائدة:۴۴)

''اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں۔''

﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (المائدة:۴۵)

''اور جو لوگ اللہ کی اُتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہی لوگ ظالم ہیں۔''

﴿وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (المائدة:۴۷)

''اور جو لوگ اللہ کی اُتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ نافرمان ہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ'' (رواه أبو داؤد، عن أبي سعيد: ۲۶۰۸) ''جب تین آدمی سفر پر نکلیں انہیں چاہیے کہ اپنے میں سے ایک کو اپنا امیر مقرر کرلیں۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ''لَا يَحِلُّ لِثَلَاثَةِ نَفَرٍ يَكُونُونَ بِأَرْضِ فَلَاةٍ إِلَّا أَمَّرُوا عَلَيْهِمْ

أَحَدَهُمْ"(رواه أحمد ٢/ ١٧٧، عن عبد الله بن عمر رضى الله عنها)

''جب تین اشخاص کسی جنگل میں بھی ہوں تو ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ ایک کو اپنا امیر بنائے بغیر رہیں''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جب نبی ﷺ نے اس چھوٹی سی جماعت اور اتنے مختصر سے اجتماع میں بھی اُولی الأ مر مقرر کرنا فرض قرار دیا ہے تو یہ آپ ﷺ کی طرف سے تنبیہ ہے کہ اس سے بڑی جماعت میں بالأولی امیر مقرر کرنا واجب ہے۔''(الحسبه لابن تیمیة رحمه الله)

"اِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ "(مسلم عن أبى هريره رضى الله عنه)

''امام ڈھال ہے، اس کی اوٹ میں لڑا اور دشمن سے بچا جاتا ہے''۔

اسی طرح فرمایا:'' مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً "(مسلم ، ابن عمر رضی الله عنه برقم: ١٨٥١) ''جو شخص ایسی حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت اسلام کا پٹہ نہیں ہے، تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اتفق جميع أهل السنة وجميع المرجئة وجميع الشيعة وجميع الخوارج على وجوب الإمامة وأن الأمة واجب عليها الانقياد لإمام عادل يقيم فيهم أحكام الله ويسوسهم بأحكام الشريعة التى أتى بها رسول الله صلى الله عليه و سلم" (المحلى :ج ٤،ص:٨٧، والفصل بين الملل والنحل)

''تمام اہل سنت، تمام مرجیہ، تمام شیعہ اور تمام خوارج کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام مقرر کرنا واجب ہے اور ایسے امامِ عادل کی اطاعت بھی امت پر واجب ہے جو ان میں اللہ کے احکام نافذ کرے اور رسول اللہ ﷺ جو شریعت لائے ہیں اس کے احکام کے مطابق انکی اصلاح کا اہتمام کرے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مسلمانوں پر جامع شرائط خلیفہ مقرر کرنا فرض کفایہ ہے، اور یہ حکم تا قیامت ہے۔''(إزالة

الخفاء، مقصد اول، فصل اول)

نبی ﷺ نے حکام کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

" اللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ " (مسلم، عن عائشه رضی اللّٰه عنه : ۱۸۲۸)

''اے اللہ! جو میری امت کے امور میں سے کسی امر کا والی بنے، پھر ان پر سختی کرے تو تُو بھی اس پر سختی فرما۔ اور جو ولی الأمور میری امت پر نرمی کرے تو تو بھی اس پر نرمی فرما۔'' مزید فرمایا:

" مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أَحَدًا مُحَابَاةً فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا حَتَّى يُدْخِلَهُ جَهَنَّمَ " (أحمد: ۱/ ۶ ، والحاكم: ٤/ ٩٤،عن أبى بكر رضى اللّٰه عنه)

''جو مسلمانوں کے کسی امر کا والی بنا، پھر اس نے اپنی ذاتی پسند سے (اقربا پروری کرتے ہوئے) کسی کو امیر مقرر کیا، تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس سے اللہ تعالیٰ کوئی نفل و فرض عمل قبول نہیں کرے گا حتی کہ اسے جہنم میں داخل کر دے گا۔''

ایسے ہی نبی ﷺ نے حاکم کی اطاعت کا حکم دیا، اور اس اطاعت کی حدود و قیود بھی بیان کیں۔ فرمایا:

" السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ حَقٌّ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ، فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِالْمَعْصِيَةِ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ " (رواه الستة: خ: كتاب الجهاد برقم: ۲۹۵۵، م: كتاب الإمارة برقم: ۱۸۳۹) ''تمام امور میں حکمران کی سمع و اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے، اسے پسند ہو یا ناپسند، جب تک اسے معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔ اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر حاکم کی بات سننا اور اطاعت کرنا ضروری نہیں ہے۔''

کتاب وسنت کی ان واضح نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ سیاست دین کا حصہ ہے اور فقہ اسلامی کا ایک باب ہے جس کے احکام و مسائل باقی فقہی ابواب کی طرح نصوص شریعت سے ہی ماخوذ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف اقوام و ملل کو جو تعلیمات و ہدایات عطا کیں، انبیاء و رسل کے ذریعے جو شرائع
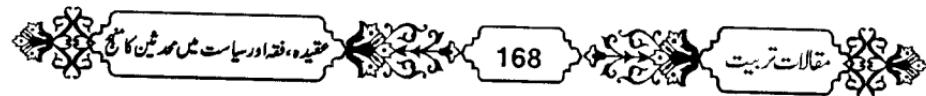
نازل کیں، سیاست بھی ان میں شامل تھی۔ حدیث میں ہے:

"كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ" (متفق عليه، عن أبی هريرة رضی الله عنه (خ: ٣٤٥٥)۔ (م: ١٨٤٢)

''بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کیا کرتے تھے، جب ایک نبی فوت ہوتا تو اس کے پیچھے دوسرا نبی آجاتا تھا۔''

مدینہ منورہ میں جب اسلامی ریاست قائم ہوئی۔ نبی ﷺ نے خود اس کے لیے سیاسی پالیسی وضع کی اور اس کا عملی نمونہ بھی پیش فرمایا، جس میں:

۱۔ مہاجرین وانصار کے مابین مواخات (بھائی چارہ) قائم کر کے داخلی استحکام کا اہتمام کیا۔

۲۔ مسجد نبوی کی تعمیر اور اسے تربیتی مرکز قرار دے کر صالح معاشرہ کی بنیاد رکھی۔

۳۔ ''اصحاب صفہ'' کے لیے تعلیم کا انتظام کر کے تعلیمی پالیسی واضح کی۔

۴۔ اپنے اردگرد موجود مختلف اقوام سے معاہدات کیے اور خارجہ پالیسی کے لیے اصول وضع کیے۔ جن میں ہر سطح پر اسلام اور مسلمانوں کو بالادستی حاصل تھی۔

۵۔ معاشی صورتحال بہتر ہونے پر ضرورت مندوں کی کفالت کا ذمہ اٹھایا اور پہلی اسلامی فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی۔

اس کے علاوہ بھی متعدد ایسے اقدامات کیے جن کے مطابق بعد میں خلافت علی منہاج النبوت قائم ہوئی اور حضرات خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کو سیاست میں نبوی تعلیمات کی تطبیق میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ یہ پورا نظامِ سیاست محدثین کرام نے کتب حدیث میں محفوظ کیا، اور نصوص کتاب وسنت سے استدلال کر کے بنیادی اصول وقواعد مرتب کیے۔ اور ''سیاست شرعیہ'' پر مستقل کتب بھی تصنیف ہوئیں۔ جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی "السياسة الشرعية" کو خاصی شہرت حاصل ہوئی۔

فقہ الحدیث کی طرح ''سیاست شرعیہ'' میں بھی محدثین کے منہج کی بنیاد قرآن وحدیث پر اعتماد، سلف کے افکار سے استفادہ اور اسلام کا شورائی نظام ہے جو جمہوریت، ملوکیت، سرمایہ داری، سوشلزم

وغیرہ تمام سیاسی وحکومتی نظاموں سے بہتر ہے۔اس لیے کہ اس میں اقتدارِاعلیٰ حقیقی مقتدرِاعلیٰ کے پاس ہے اور اس میں مثالی حیثیت خلافت علیٰ منہاج النبوت کو حاصل ہے۔

امن واستحکام قائم کرنے، صالح معاشرہ تشکیل دینے، اور قوم کو ترقی کی راہ پر چلانے میں ہر نظام ناکام ہو چکا ہے۔کامیابی کا واحد راستہ اسلام کا نظامِ حکومت وسیاست ہی ہے۔کاش! قوم اس کا تجربہ بھی کر دیکھے۔مگر جب تک مخلص اہل علم اس نظام اور طرزِ حکومت کا صحیح تعارف نہیں کرائیں گے۔قوم اور اس کے قائدین جمہوریت کے سحر سے نہیں نکل سکتے۔

ہمارے تعلیمی اداروں، تربیتی مراکز، دینی و مذہبی جماعتوں اور ان سے وابستہ اہلِ علم کو سنجیدگی سے اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ہر شعبہ زندگی میں اسوۂ رسول ﷺ کو اجاگر کرنا، اور اس پر عمل کرنا، اپنی ذاتی، خاندانی، معاشرتی، قومی زندگی میں اسے بطور ایک مکمل نظامِ زندگی نافذ کرنا ہم سب کا فرض ہے۔کسی شعبۂ زندگی میں دین کو قبول کرنا، اور کسی میں اسے نظر انداز کرنا، یا دین کے کسی حصے کو قبول کر لینا اور کسی سے روگردانی کرنا بڑا سنگین جرم ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کو سخت وعید سنائی ہے۔فرمایا:

﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ﴾ (البقرة:۸۵)

''کیا تم کتاب کے بعض حصوں کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو، سو جو شخص بھی ایسا کرے گا، اس کی سزا دنیا کی زندگی میں رسوائی ہوگی اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کو سخت ترین عذاب کی طرف لوٹایا جائیگا۔''

ریاست کا قیام، اس میں حکومت کی تشکیل اور سیاسی جدوجہد بذاتِ خود مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ ایک اعلیٰ ترین مقصد کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔اور وہ مقصد ہے اللہ کی عبادت اور بندگی جس کے لیے انسان کی تخلیق عمل میں آئی ہے۔محدثین کے منہجِ سیاست میں اسی اعلیٰ وارفع مقصد کو ہمیشہ دوسرے مقصد پر فوقیت حاصل رہتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاريات:٥٦)

''اور میں نے جن وانس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

اسی لیے تمام انبیاء نے اپنی قوموں سے یہی کہا۔﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ﴾ (الشعراء: ١٦٣)

''اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو''۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین۔

فرق امت اور اہل حدیث کا منہج

موضوع کا تعارف اور اس کی اہمیت

از ڈاکٹر حافظ عبد الرشید اظہر ﷾

نحمده ونصلي على رسوله الكريم أما بعد:

ولاء اور براء اسلامی عقائد اور ایمانیات کا ایک نہایت اہم مسئلہ ہے، جسے سمجھنا، اس پر عمل کرنا اور اس کے مطابق لوگوں سے تعامل ہر صاحبِ ایمان کا فرض ہے، صحت مند اور مثالی معاشرے کی تشکیل کے لیے اسلامی تعلیمات مسئلہ ولاء و براء کے ذریعے ہی ظہور پذیر ہوسکتی ہیں، ایک مومن اور مسلمان شخص کے ولاء اور براء کی بنیاد خالصتاً اسلام پر ہوتی ہے، مومن کی انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی وہ اپنے تعلقات میں ہر صورت اسلام اور اس کی تعلیمات کو ہی ترجیح دیتا ہے، یعنی جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے، وہ جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو، اس کے ساتھ موالات پر مبنی تعلق رکھنا مومن پر واجب ہے۔ ایسے ہی جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا منکر اور کافر ہے، وہ جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو اس سے لاتعلقی اور براءت کا اظہار بھی فرض ہے۔ اور جس شخص میں بیک وقت ایمان اور فسق و فجور دونوں جمع ہوں، اس کے ساتھ اس کے ایمان کے مطابق موالات اور تعلق رکھنا اور جس قدر اس میں فسق و فجور ہے، اسی قدر اس سے اظہار براءت اور بیزاری واجب ہے۔ اور جو شخص ملت اسلام کی پرواہ کئے بغیر کفار سے موالاۃ اور مومنوں سے براءت اختیار کرتا ہے۔ اس کی توحید اور ایمان میں خلل ہے۔

ولاء: کا لفظ عربی زبان میں محبت، نصرت اور قرب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایسے ہی ''ولی'' محبت کرنے والے، مددگار اور دوست کو کہتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں ''ولاء'' اہل ایمان کے ساتھ ان کے ایمان کی بنیاد پر محبت کرنے، ان کی حسب امکان مدد کرنے، ان کو نصیحت کرنے، حسب ضرورت ان کے ساتھ تعاون

کرنے اور ان کے ساتھ رحمت وشفقت سے پیش آنے کو کہتے ہیں۔ اسلام نے اہل ایمان کے ایک دوسرے پر جو حقوق مقرر کیے ہیں انہیں بأحسن طریق ادا کرنا ''ولاء الإسلام'' کا حصہ ہے، اور مومن پر فرض ہے۔

اس کے بالمقابل ''براء'' ہے۔ براء: کا لفظ عربی لغت کی رو سے، کسی شے سے دوری اختیار کرنے، اس سے جدا ہونے اور بیزاری کا اظہار کرنے کو کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ﴾ جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے اظہار بیزاری کر دیں گے جنہوں نے ان کی پیروی کی ہوگی۔ (البقرہ:۱۶۶)

شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں ''براء'' کفار، مشرکین اور منافقین جیسے اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے ساتھ اللہ کی رضا مندی کے لیے بغض رکھنے ان سے دور رہنے اور ان کے خلاف حسبِ ضرورت اور حسب طاقت جہاد کرنے، یا اس کے لیے تیار رہنے کو کہتے ہیں۔

ولاء اور براء دونوں ہی اصولِ ایمان میں سے ہیں، اور اہلِ ایمان پر ان کے مطابق عمل واجب ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں ان دونوں کے لیے صریح احکام آئے ہیں۔

اہلِ ایمان کے ولاء کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ۔ وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾ تمہارے ولی تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جو نماز قائم کرتے اور زکوۃ ادا کرتے ہیں، اور رکوع کرنے والے ہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور ان لوگوں سے جو ایمان لائے دوستی رکھے گا تو یقیناً اللہ تعالی کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے۔ (المائدہ:۵۵،۵۶)

نیز فرمایا: ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ اور مومن حضرات اور مومن خواتین ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ (التوبہ:۷۱)

یعنی مومن مرد، مومن مردوں کے دوست ہیں اور مومن عورتیں مومن عورتوں کی دوست

ہیں۔

کفار ومشرکین اور منافقین جیسے دشمنان اسلام اور اعداء اللہ سے براءت اور بیزاری اختیار کرنے کا حکم بھی اسی طرح صراحت سے وارد ہوا ہے۔

فرمایا:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ﴾ اے اہل ایمان! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست مت پکڑو، تم ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کیا ہے جو تمہارے پاس آیا ہے۔(الممتحنہ:۱)

نیز فرمایا:﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ﴾ مومنوں کو چاہیئے کہ وہ (اپنے) مومن (بھائیوں) کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ پکڑیں اور جو شخص ایسا کریگا تو اس کا اللہ تعالی سے کچھ تعلق نہیں۔(آل عمران:۲۸)

نیز فرمایا:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ اے اہلِ ایمان: اپنے باپوں اور بھائیوں کو دوست مت پکڑو، اگر وہ ایمان کے خلاف کفر کو پسند کریں، اور تم میں سے جو شخص ان کے ساتھ دوستی رکھے گا تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔(التوبہ:۲۳)

کفار کے ساتھ لاتعلقی اور براءت کا اظہار کرنے میں ہمارے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اسوہ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ:﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ﴾ تحقیق تمہارے لیے ابراہیم اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے ان میں بہترین نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو بیزار ہیں، ہم نے تمہارے رویے کا انکار کیا، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے بغض وعداوت ظاہر ہو چکے تا آنکہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ۔(

المتحنہ:۴)

رسول اکرم ﷺ نے بھی دوٹوک الفاظ میں ولاء اور براء کا اظہار فرمایا۔

"وعن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول الله ﷺ جهارا غير سر يقول: ألا إن آل أبي فلان ليسوا لي بأولياء إنما وليي الله و صالح المؤمنين (باب تبل الرحم ببلالها(۵۵۳۱)، رواه البخاري، كتاب الأدب، ومسلم، كتاب الإيمان (۳۱۶)) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بغیر کسی رازداری کے کھلے بندوں یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:''خبردار! آل فلاں۔کوئی خاص خاندان۔میرے دوست نہیں ہیں، میرا دوست تو صرف اللہ ہے، اور صالح اہلِ ایمان ہیں۔

آپ ﷺ نے مزید فرمایا: "من احب لله و ابغض لله وأعطى لله ومنع لله فقد استكمل الإيمان (رواه أحمد وأبوداؤد و الترمذي، وصححه الألباني في السلسلة الصحيحة ج ۱ ص۷۲۸)

(ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جس نے اللہ ہی کے لیے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھا، اور اللہ ہی کے لیے کچھ دیا اور اللہ کی رضا کے لیے دینے سے ہاتھ کھینچا تو یقیناً اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔

اجماع: کتاب وسنت کی انہی صحیح اور صریح نصوص کی بنا پر اہل علم کا اس مسئلہ میں اجماع ہے کہ مومنوں کے ساتھ ولاء اور تعلق داری واجب ہے اور کفار کے ساتھ موالات حرام ہے۔شرح وبسط کے لیے ملاحظہ ہو:(القول المبين في حكم المعاملة بين الأجانب والمسلمين محمد حسنين مخلوف شيخ الأزهر سابقا)

عہد نبوی میں تو چونکہ صرف مومن اور کفار ومشرکین اور منافقین ہی تھے، اس لیے اس مسئلہ کو سمجھنے اور اس کے مطابق ولاء وبراء پر عمل کرنے میں کوئی خاص پیچیدگی نہیں تھی ۔ جبکہ بعد میں مسلمانوں کے اندر متعدد بدعتی فرقے معرض وجود میں آگئے ،جس کی وجہ سے یہ مسئلہ خاصی اہمیت اختیار کر گیا اور اس کی تطبیق بھی کافی شکل ہوگئی۔بالخصوص عصر حاضر میں ولاء اور براء کے حدودِ

اطلاق اور عملاً تطبیق میں خاصی افراط وتفریط کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔

ایک طرف کچھ لوگوں نے اس میں کافی شدت اختیار کر رکھی ہے، اور اس کو اسلام کا رکن اول سمجھا ہوا ہے اور وہ معمولی فقہی اختلاف کو بنیاد بنا کر براءت کا اظہار کرنے میں جلد بازی سے کام لے رہے ہیں، اور اپنے مسلک سے فقہی اختلاف رکھنے والے شخص کو اس کی کوئی نہ کوئی غلطی تلاش کر کے اسے بڑھا چڑھا کر پیش کر کے اس کے پیچھے نماز ادا کرنے کو منع قرار دیدیتے ہیں جو سلف امت کے طرز عمل کے سراسر منافی ہے۔

دوسری طرف کچھ لوگوں کی وسعت ظرفی کا دائرہ شرعی حدود وقیود سے تجاوز کر گیا ہے، وہ کلمہ گو مشرکین، اور یہود ونصاریٰ کے لیے اہل ایمان کے دلوں میں نرم گوشہ پیدا کرنے کی کوشش میں ہیں، اور بین المذاہب مکالمے کی آڑ میں کفار ومشرکین اور اعداء اسلام کے لیے ولاء کا راستہ ہموار کرنے میں شعوری یا لاشعوری طور پر مصروف ہیں، اس طرح مخصوص اغراض یا قلت ادراک کی وجہ سے وحدت ادیان کا ملحدانہ فلسفہ نشر کیا جا رہا ہے، جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان کے خلاف بین الاقوامی یہودی سازش کا حصہ ہے، اور جدید افلاطونیت اور مغرب کی ''روشن خیالی'' کو مسلمانوں میں قابل قبول بنانے کی سعی نامشکور ہے، اسی لیے پاکستان میں امریکی تعاون اور ایماء سے متعدد ''مسلم مسیحی'' کانفرنسیں بھی منعقد کی جا چکی ہیں۔ بالخصوص 9/11 کے واقعے کے بعد اور افغانستان پر امریکی یلغار سے قبل مختصر عرصے میں لاہور اور اسلام آباد کے مذہبی حلقے اس بارے میں کافی متحرک نظر آتے تھے۔

اس مسئلہ کی اہمیت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے، جب اہل حق اور اتباع کتاب وسنت کے دعویدار بعض حلقے بھی اس افراط وتفریط کا شکار ہو رہے ہوں، بلکہ کچھ لوگوں نے تو مذہبی تجارت کے لیے اس موضوع کو ''رأس المال'' بنا رکھا ہے اور اسی کی بنیاد پر اپنی دکان چمکا ہے ہیں۔ وحدت ادیان کے فلسفے کی اشاعت کے ذریعے بالواسطہ ایمان بالرسول ﷺ کے خلاف سازش کا حصہ بھی بنتے ہیں، اور حرمتِ رسول ﷺ کے تحفظ کے علم بردار بھی ہیں۔

﴿يَعْلَمُونَ ظَاهِراً مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ﴾ یہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی کو جانتے ہیں، اور آخرت سے غافل ہیں۔ (الروم: ۷)

مزید فرمایا: ﴿فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَاناً وَأَضْعَفُ جُنداً﴾ سو جلد ہی معلوم کرلیں گے کہ مقام ومرتبہ میں کون بدتر اور لشکر کے اعتبار سے کون کمزور تر ہے۔ (مریم: ۷۵)

اس صورتحال میں مسئلہ ولاء و براء کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ اہل علم وتحقیق اور اصحاب فکر ونظر اور امتِ مسلمہ کا درد رکھنے والے علماء کرام کا فرض ہے کہ مجتہدانہ بصیرت کا مظاہرہ کریں اور اس موضوع کا عالمانہ طریقے سے حق ادا کریں، ورنہ اس موضوع پر جو انتہاء پسندانہ کتابوں کی نشر واشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے، اور کچھ حلقوں سے اس کے عملی مظاہرے بھی ہو رہے ہیں، یہ کسی بڑے فتنہ کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔ امت اسلامیہ اور خصوصاً مسلک حق کی حامل جماعت حقہ جو پہلے ہی متعدد فتنوں کا شکار ہے، مزید کسی ایسے فتنے کی متحمل نہیں ہوسکتی جو ان کو باہمی سر پھٹول میں مشغول کر دے اور اور مخالفین کے استہزاء اور تمسخر کا نشانہ بن کر رہ جائے۔

"فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَ أُفَوِّضُ أَمْرِيْ إِلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ"۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اسے جلد ہی یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، یقیناً اللہ اپنے بندوں پر خوب نظر رکھے ہوئے ہے۔

برادر گرامی قدر ومنزلت، صاحبِ علم وقلم، واجب الاحترام حضرت مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ حسنِ جزا سے نوازے، انہوں نے اس اہم اور نازک مسئلہ کے متعدد پہلوؤں کی کتاب وسنت اور سلف امت کے اقوال وآراء اور علمی وعملی منہج کی روشنی میں بڑی منصفانہ وضاحت کی ہے۔

موصوف علم وثقاہت میں مسلمہ شخصیت ہیں، مسئلہ کی تنقیح وتوضیح کے پسِ منظر میں ان کی کوئی ذاتی غرض یا شخصی رجحان اور میلان بھی کارفرما نہیں ہے، اور مخلص اہل علم کا یہی شیوہ ہے۔ اس حسنِ ظن اور ان کے اخلاص کی بنا پر بجا طور پر یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ یہ مختصر اور مدلل تحریر طلبہ علم کی بصیرت میں اضافہ کا باعث ہوگی اور عامۃ المسلمین کے لیے راہنمائی کا کام دیگی۔ إن شاء الله

ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر اسلام آباد

۱۹ جمادی اولیٰ ۱۴۲۹ھ ۲۵ مئی ۲۰۰۸ م

فرق امت اور اہل حدیث کا منہج

فضیلة الشیخ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

الحمد لله رب العلمين و الصلاة و السلام على سيد الأنبياء و المرسلين وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين وأشهد أن لا اله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد ان محمدا عبده ورسوله أما بعد فاعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه ونفخه ونفثه، بسم الله الرحمن الرحيم۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔

وقال الله تبارك وتعالى في مقام آخر: ﴿وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَنَازَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُواْ إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (الانفال: ٤٦)

وقال: ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِّن فَوْقِكُمْ أَوْ مِن تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعاً وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ انظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ﴾ (الانعام: ٦٥)وقال تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِينَ لِلّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (المائده: ٨)

وعن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" ليأتين على أمتي كما أتى على بني اسرائيل حذو النعل بالنعل حتى إن كان من أتى أمّه علانية لكان في أمتي من يصنع ذلك، وإن بني اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة كلهم في النار إلا ملة واحده قالوا:" من هي يا رسول الله؟" قال:" ما أنا عليه وأصحابي "۔ رواه الترمذي وحسنه و في الباب عن أبي هريرة، وأنس بن مالك، وعوف بن مالك ، ومعاوية بن أبي سفيان، وأبي امامة، وأبي الدرداء،وواثلة، وعمرو بن عوف، وسعد بن أبي وقاص، وابن عمر، وابن مسعود ۔ والحديث بمجموع طرقه صحيح أو حسن ۔

حضرات ! میں نے موضوع کی مناسبت سے چند آیات مبارکہ اور ایک حدیث پاک پیش کی ہے۔پہلی دو آیات میں باہم اتفاق واتحاد کا حکم ہے اور آپس کے نزاع واختلاف سے اجتناب کی تاکید، اور

اختلاف ونزاع کے نتیجہ سے خبر دار کیا گیا ہے۔تیسری آیت میں آسمانی اور زمینی عذاب کے ساتھ ساتھ ایک تیسری نوعیت کے عذاب سے خبر دار کیا گیا ہے اور وہ ہے آپس کا جنگ وجدال، ایک دوسرے کے ساتھ دست وگریبان ہونا اور باہمی خون ریزی میں مبتلا ہونا۔چوتھی آیت کریمہ میں ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت کی صورت میں راہِ اعتدال پر رہنے کا حکم ہے کہ کسی کی شدید سے شدید مخالفت وعداوت بھی عدل و انصاف کے دامن کو چھوڑنے کا سبب نہیں ہونی چاہیے۔

جو حدیث پاک میں نے ذکر کی ہے، اس میں امت کی سیاہ بختی کا تذکرہ ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح یہ امت بھی افتراق وانتشار کا شکار ہو جائے گی اور انہی کے نقش قدم پر چل نکلے گی حتی کہ اگر ان میں سے کسی نے علانیہ اپنی ماں سے منہ کالا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا کرنے والا ہوگا۔بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں بٹ گئے تو میری امت ایک قدم آگے تہتّر فرقوں میں تقسیم ہو کر رہے گی۔اور ایک کے سوا سب کے سب جہنم میں جائیں گے۔آپ سے دریافت کیا گیا کہ وہ ایک گروہ کون سا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو اُس راستہ پر چلے گا جو میرا اور میرے صحابہ کا ہے''۔

اس تفریق سے مراد وہ فرقہ بندی ہے، جو سلف سے ہٹ کر نئے اعتقادات اور بدعات پر مبنی ہو، اور یہی بنیادیں حزبیت وعصبیت میں مبتلا کر دیں اور انھی بنیادوں پر ایک دوسرے کی تضلیل وتکفیر کی جائے اور باہمی عداوت ومخالفت اور مخاصمت پیدا کر دی جائے۔

یہ روایت مختلف صحابہ کرام سے مروی ہے اور مجموعی طور پر یہ صحیح یا حسن ہے۔علامہ ابن حزم نے الفصل (ص ۱۳۸ ج ۳) میں اور علامہ فیروز آبادی صاحب القاموس نے سفر السعادۃ میں اس کی صحت وثبوت کا جو انکار کیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں۔قرآن مجید میں اسی کو ''وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور امام احمد نے فرمایا ہے کہ ''أصول السنة عندنا التمسك بما كان عليه أصحاب النبي ﷺ'' کہ اہل سنت کا ہمارے نزدیک اصول ہے کہ اس پر تمسک کیا جائے جس پر صحابہ کرام تھے۔

(مجموع الفتاوی ج ٤ ص ١٥٥)

تفرقہ کا حکم:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اتفاق واتحاد قائم رکھنے اور انتشار سے بچنے کا جو حکم دیا اور جو اصول وضابطہ مقرر فرمایا تھا، نہایت افسوس کا مقام ہے کہ امت اس پر قائم نہ رہ سکی اور بہت جلد اللہ تعالیٰ کے عذابِ انتشار میں مبتلا ہوگئی، اور انتشار وافتراق کی صورت میں راہ اعتدال پر رہنے کا جو حکم تھا اکثر وبیشتر اس کا دامن بھی چاک چاک ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت بہت سے گروہوں اور فرقوں میں بٹ کر رہ گئی۔

ان فرقوں کے بارے میں ایک فیصلہ تو نتیجہ اور مآل کے اعتبار سے ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”کلهم في النار إلاملة واحدة“ ایک گروہ کے علاوہ یہ سب جہنم کے مستحق ہیں، جس کا جتنا جرم ہوگا وہ اتنی ہی جہنم کی سزا پائے گا۔ اگر کسی کے افکار واعمال کفر کو پہنچیں گے تو وہ بہر نوع جہنمی ہوگا اور جو کم درجہ ومرتبہ میں قصوروار ہوں گے اگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا فیضان ان پر ہوا تو فبہا ورنہ وہ بھی جہنم کے مستحق ہوں گے۔

دوسرا فیصلہ وہ ہے جو آج کی مجلس کا موضوع ہے کہ ان کے بارے میں یہاں دنیا میں ہمارا موقف کیا ہے؟ ہمارے اسلاف اہل سنت واہل حدیث کا ان کے متعلق حکم کیا ہے؟

اختلاف کا ایک پہلو

اس پر غور وفکر اور گفتگو کرنے سے پہلے یہ دیکھنا کہ امت میں باہمی اختلاف کا ایک پہلو فقہی وفروعی اور استنباط واستخراج مسائل کا ہے، اور یہ اختلاف صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ کرام سے چلا آرہا ہے مگر اس کے باوجود ان سلف میں کوئی تفریق وانتشار نہ تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام وتابعین میں مَسِّ ذکر سے وضو ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کا اختلاف تھا، آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کا اختلاف تھا اور اس میں بھی اختلاف تھا کہ خون کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں لیکن اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کا احترام کرتے اور ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حج کے دوران چار رکعتیں پڑھائیں تو حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیهم نے ان سے اس بارے میں اختلاف تو کیا مگر ان کے پیچھے خود چار رکعتیں ہی پڑھیں۔ بلکہ افضل عمل کی مخالفت میں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

نے چار رکعتیں پڑھائیں تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ''إنا لله وإنا إليه راجعون '' پڑھا۔ (مسلم: ج۱ص ۲۴۳)

ان سے کہا گیا کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض تو کرتے ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ ان کے ساتھ چار رکعتیں بھی پڑھتے ہیں تو انھوں نے فرمایا: ''الخلاف شر''(أبو داود، رقم: ۱۹۶۰) اور بیہقی کے الفاظ ہیں ''إني لأ كره الخلاف '' کہ اختلاف برا ہے، میں اختلاف کو بُرا جانتا ہوں۔

یہی صورتِ حال تابعین کرام اور ائمہ مجتہدین کے دور میں بھی رہی تھی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے:

''صحابہ وتابعین میں بعض نماز میں بسم اللہ پڑھتے تھے، بعض جہرا پڑھتے اور بعض آہستہ، بعض صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے اور بعض نہیں پڑھتے تھے، بعض سینگی لگوانے، نکسیر بہنے اور قے سے وضو کرتے اور بعض نہیں کرتے تھے، بعض شرم گاہ اور عورت کو چھونے سے وضو کرتے اور بعض نہیں کرتے تھے، بعض آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو کرتے اور بعض نہیں کرتے تھے، بعض اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرتے اور بعض نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ نمازیں ایک دوسرے کے پیچھے ہی پڑھتے تھے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ مدینہ کے مالکی ائمہ وغیرہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔ حالانکہ مالکی ائمہ نماز میں بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے نہ جہراً نہ ہی سراً۔ خلیفہ رشید نے نماز پڑھائی حالانکہ اس نے سینگی لگوائی تھی، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے پیچھے نماز پڑھی اور اس کا اعادہ نہیں کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نکسیر بہنے اور سینگی لگوانے سے وضو ٹوٹ جانے کے قائل تھے۔ لیکن جب ان سے سوال کیا گیا کہ اگر امام کے جسم سے خون نکل آئے اور وہ بغیر دوبارہ وضو کیے نماز پڑھائے تو کیا اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے؟ انہوں نے فرمایا: '' میں امام مالکؒ اور سعید بن مسیّب رحمهما الله کے پیچھے نماز کیوں نہ پڑھوں؟ ''۔ (حجۃ اللہ ج۱ص ۱۵۹)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اہل مدینہ کا موقف ہے کہ اگر امام بھول کر بے وضو یا جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دے پھر اسے حقیقت کا علم ہو جائے کہ اس کا وضو نہ تھا تو امام دوبارہ نماز پڑھے مگر مقتدیوں کو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں۔ خلفاء راشدین حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے۔ امام شافعی کا اور مشہور قول امام احمد کا بھی یہی ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: کہ امام اور مقتدی سب

دوبارہ نماز پڑھیں۔

ایک دفعہ خلیفہ وقت نے قاضی ابو یوسف سے کہا کہ آپ جمعہ کی نماز پڑھائیں۔ چنانچہ انھوں نے نماز جمعہ پڑھا دی۔ پھر یاد آیا کہ ان کا تو وضو نہ تھا۔ چنانچہ خود انھوں نے تو نماز کا اعادہ کیا مگر لوگوں کو نماز دہرانے کا حکم نہ دیا، اور فرمایا بسا اوقات ہم مشکل میں مبتلا ہو جاتے ہیں، تو اپنے مدنی بھائیوں کے مسلک پر عمل کر لیتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے خلیفہ رشید اور قاضی ابو یوسف کا جو واقعہ سینگی لگوانے کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب قاضی ابو یوسف سے کہا گیا کہ آپ نے خلیفہ رشید کے پیچھے کیسے نماز پڑھ لی جب کہ اس نے سینگی لگوائی تھی؟ تو انھوں نے فرمایا: ''سبحان الله أمير المؤمنين فإن ترك الصلاة خلف الأئمة لمثل ذلك عن شعائر أهل البدع كالرافضة والمعتزلة''۔ ''سبحان اللہ امیر المؤمنین کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اس نوعیت کے مسائل کی بنا پر آئمہ کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اہل بدعت، رافضیوں اور معتزلیوں کا شعار ہے''۔ (مجموع الفتاوی ج ۲۰ ص ۳۶۴، ۳۶۵)

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص قرآن کا حافظ ہے مگر رفع الیدین نہیں کرتا، اور دوسرا وہ ہے جو رفع الیدین کرتا ہے مگر قرآن کا حافظ نہیں کس کو امام بنایا جائے؟ امام صاحب نے جواب دیا جو قرآن کا حافظ ہے وہ امامت کرائے اسے چاہیے کہ وہ رفع الیدین کرے کیونکہ یہ سنت ہے۔ (مسائل أحمد بروایۃ عبداللہ ج ۱ ص ۲۳۶)

اسی نوعیت کی متعدد مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خیر القرون میں ایسے فقہی مسائل میں اختلاف کے باوجود سلف ایک دوسرے کا احترام کرتے اور ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے، ان میں کوئی افتراق و انتشار نہ تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سلف میں انھی اختلافات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''تجوز صلاة بعضهم خلف بعضكما كان الصحابة والتابعون لهم بإحسان فمن بعدهم من الأئمة الأربعة يصلي بعضهم خلف بعض مع تنازعهم فی هذه المسائل المذكورة وغيرها ولم يقل أحد من السلف إنه لا يصلي بعضهم خلف بعض ومن أنكر ذلك فهو مبتدع
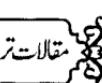
ضال مخالف للكتاب والسنة وإجماع سلف الأمة وأئمتها "۔

"ان مسائل میں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز جائز ہے جیسا کہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور ان کے بعد ائمہ اربعہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، جو اس کا انکار کرتا ہے وہ بدعتی، گمراہ اور کتاب وسنت اور سلف امت اور ان کے ائمہ کے اجماع کے مخالف ہے"۔(مجموع الفتاوی ج ۲۳ ص ۳۷۴)

اسی طرح ایک اور مقام پر شیخ الاسلام رقمطراز ہیں:

"سلف کے مابین علمی اور عملی اختلاف ہوتا تھا، مگر اس کے باوجود وہ باہم شیر وشکر اور اخوت دینی پر قائم رہتے تھے۔ البتہ اگر کوئی قرآن مجید کی واضح نص اور سنت معروفہ یا اجماع سلف کی مخالفت کرے تو اسے اس میں معذور نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس کے ساتھ اہل بدعت کا معاملہ کرنا چاہیے"۔ (مجموع الفتاوی ج ۲۴ ص ۱۷۲)

اس کے برعکس تقلید وجمود کے دور میں جو کچھ کہا گیا اور اجتہادی مسائل کی بنیاد پر ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں نہ پڑھنے کے جو فتوے داغے گئے حتی کہ عین بلد امین میں چار علیحدہ علیحدہ جماعتیں ہونے لگیں۔ اقتداء خلف المخالف کا مسئلہ فقہائے متاخرین کی کتابوں میں عموماً پایا جاتا ہے اور علامہ کشمیریؒ نے ابن ہمام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "إن نفي الا قتداء خلف المخالف من المتأخرين لا من المتقدمين"(العرف الشذى ص ٥١) بلکہ متاخرین کی اسی تنگ نظری کی بنیاد پر باہم جنگ وجدال تک کی نوبت آتی رہی جس کی تفصیل تاریخ کے اوراق میں موجود ہے۔ اور "اسباب اختلاف الفقہاء: حقیقی ومصنوعی عوامل" میں ہم نے اس کا ذکر بھی کیا ہے مگر یہ صورتِ حال قطعاً محمود نہیں۔ ہر دور میں دردمند دل رکھنے والے علماء نے سلف کے طریقہ کو پسند فرمایا اور ان فروعی، فقہی مسائل کو باہم انتشار وافتراق کا باعث بننے سے روکا۔

علامہ کشمیریؒ نے وفیات الأعیان کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ مشہور حنفی فقیہ علامہ محمد بن علیؒ الدامغانی، امام ابواسحٰق شیرازیؒ کی مسجد کے پاس سے گزر رہے تھے کہ مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا تو وہ مسجد میں تشریف لے گئے۔ امام شیرازیؒ نے دیکھا تو انہوں نے مؤذن کو حکم دیا کہ اذان ترجیع کے ساتھ نہ دے، اور پھر لوگوں

نے دیکھا کہ انھوں نے علامہ دامغانی کو نماز پڑھانے کے لیے آگے کر دیا۔آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ علامہ دامغانی نے امام شافعی کے مسلک کے مطابق نماز پڑھائی۔(العرف الشذی ص ۵۱،۱۲۳)

مگر تتبع کے باوجود وفیات الأعیان میں یہ واقعہ نظر نہیں آیا۔مولانا بنوریؒ نے لکھا ہے کہ علامہ طحطاوی نے شرح الدر المختار میں بھی یہ واقعہ قاضی ابو عاصم العامری اور قفال شافعی کا بیان کیا ہے۔ (معارف السنن: ج۱ص۱۶۳)

ان کے علاوہ یہ واقعہ شیخ محمد بن عبد العزیز المکی الحنفیؒ نے القول السدید فی بعض مسائل الاجتهاد والتقلید (ص ۵۰) میں بھی نقل کیا ہے کہ معروف حنفی قاضی علامہ ابو عاصم محمدؒ بن احمد العامری امام قفال مروزیؒ کی مسجد کے پاس سے گزر رہے تھے کہ مؤذن نے مغرب کی اذان دے دی وہ مسجد میں چلے آئے تو امام قفال نے موذن سے کہا کہ آج اقامت دوہری کہنا، ادھر انھوں نے قاضی ابو عاصمؒ کو نماز پڑھانے کے لیے آگے کر دیا۔لکھا ہے کہ "فتقدم وصلى وجهر بالبسملة وأم بشعار الشافعية في صلاته" وہ آگے بڑھے، نماز پڑھائی، نماز میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی اور نماز امام شافعیؒ کے طریقہ کے مطابق پڑھائی۔

امام احمد اور امام اسحاق کے مابین کئی مسائل میں اختلاف ہے، اس کے علی الرغم امام احمد نے فرمایا: "اس پُل -یعنی بغداد کے پُل- کو خراسان جاتے ہوئے اسحاق جیسے کسی اور شخص نے عبور نہیں کیا۔اگرچہ وہ ہمارے ساتھ کئی مسائل میں اختلاف کرتے ہیں۔لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہی رہے ہیں"۔(السیر ج ۱۱ص۳۷۱)

غور فرمایئے! اعترافِ خلاف کے باوجود امام احمد نے ان کی عظمت کا کن الفاظ سے ذکر کیا ہے۔اسی طرح امام علی بن المدینی ایک بار امام احمد کے ہاں اپنی سواری پر تشریف لائے، باہم ملاقات میں ایک مسئلہ پر بحث چل نکلی، تو دونوں کے مابین اختلاف ایسا شدت اختیار کر گیا کہ راوی کا بیان ہے: "ارتفعت أصواتهما حتى خفت أن يقع بينهما جفاء"۔"کہ دونوں کی آوازیں یہاں تک اونچی ہو گئیں کہ مجھے احساس ہونے لگا دونوں کے درمیان نفرت پیدا ہو جائے گی"۔مگر میں نے دیکھا کہ جب امام علی جانے لگے تو امام احمد اٹھے اور امام علی کی سواری کا رکاب تھام لیا۔(جامع بیان العلم ج۲ص۱۰۷)

علامہ المناوی نے ذکر کیا ہے کہ مشہور شافعی امام قاضی ابو الطیب جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے ''اللہ اکبر'' کہنے لگے تو پرندے نے ان پر بیٹ کردی، تو انھوں نے فرمایا: '' أنا حنبلي ''۔ ''میں حنبلی ہوں''۔ یہ کہا اور نماز پڑھادی، اور عند الضرورت دوسرے مسلک پر عمل کرنے میں ان کا مسلک مانع نہ بنا۔ (فیض القدیر ج ۱ص ۲۱۱)

حافظ ذہبیؒ نے سیر أعلام النبلاء (ج ۹ص ۵۶٦) میں محمد بن رافعؒ سے نقل کیا ہے کہ میں امام احمدؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ کے ساتھ امام عبدالرزاقؒ کے پاس تھا کہ عید الفطر کا دن آگیا، ہم امام عبدالرزاق کے ہمراہ عید گاہ کی طرف نکلے اور ہمارے ساتھ بہت سے لوگ تھے۔ جب واپس لوٹے تو کھانے کے لیے امام عبدالرزاق نے ہمیں بلایا، اسی اثناء میں امام عبدالرزاق نے امام احمد اور امام اسحاق کو مخاطب ہو کر فرمایا میں نے آج تمھاری عجیب بات دیکھی ہے۔ تم نے تکبیرات کیوں نہیں کہیں؟ تو انھوں نے عرض کیا کہ ہم تو آپ کا انتظار کرتے رہے کہ آپ تکبیر کہیں گے تو ہم بھی کہیں گے۔ جب آپ کو ہم نے خاموش دیکھا تو ہم نے بھی تکبیریں نہیں کہیں۔ امام عبدالرزاقؒ نے فرمایا: میں تم دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا کہ تم تکبیریں کہو تو میں بھی تکبیریں کہوں۔ اس سے ائمہ کرام کے باہمی عزت واحترام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حافظ ابن جوزیؒ نے مناقب امام احمد میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ، امام شافعیؒ کے لیے عشاء کے بعد دیر تک دعا کرتے تھے۔ فرزند ارجمند نے عرض کیا کہ امام شافعی کا موقف کئی مقام پر آپ کے برعکس ہے اس کے باوجود آپ ان کے لیے دعا کرتے ہیں۔ امام احمدؒ نے فرمایا: امام شافعیؒ آفتاب ہیں جس کی روشنی سے دنیا مستفید ہو رہی ہے اور وہ میری دعا کے مستحق ہیں۔

ماضی قریب میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ اور حضرت مولانا نواب صدیق حسن خان کے مابین مناقشات اور رُدود کی بڑی طویل روئیداد ہے۔ مولانا لکھنویؒ نے انہیں کن کن القابات سے نوازا، ان سے قطع نظر دیکھیے! کہ جب مولانا لکھنویؒ کا انتقال ہوا اور نوابؒ صاحب کو ان کے سانحہ ارتحال کی خبر ملی تو ان کے الم وغم کا یہ عالم تھا کہ اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھے سر جھکائے ہوئے دیر تک روتے رہے اور فرمایا آج علم کا سورج غروب ہو گیا، ہمارا ان سے اختلاف بعض مسائل کی تحقیق کے بارے میں تھا۔ پھر ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا اعلان کیا۔ (نزهة الخواطر ج ۸ص ۲۰۹)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہمارے اکابرین کا باہمی اختلاف ان کے مابین نزاع وانتشار کا باعث نہ تھا۔ وہ اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کا احترام کرتے اور ایک دوسرے سے محبت رکھتے تھے۔

صحابہ کرام اور فقہاء کے ان اختلافات میں ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ ان میں وسعت ہے جس پر چاہو عمل کرلو، جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے۔ بلکہ ہم ان مسائل میں اختلاف تنوع کے ساتھ ساتھ خطا وثواب اور راجح ومرجوح کے قائل ہیں، جیسا کہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جمہور علمائے کرام کی رائے ہے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے جامع بیان العلم، جلد دوم، باب جامع بیان ما یلزم الناظر فی اختلاف العلماء میں اس پر بڑی عمدہ بحث کی ہے مگر اس کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ اس اختلاف کو انتشار وافتراق اور باہمی جنگ وجدال کا میدان بنالیا جائے۔ وللتفصیل موضع آخر۔

اختلاف کا دوسرا پہلو:

امت میں اختلاف کا دوسرا پہلو وہ ہے جس کا تعلق فقہی اختلافات کے علاوہ عقائد ونظریات سے ہے۔ اس پہلو سے بھی ہمیں سنجیدگی سے غور وفکر کر کے دیکھنا ہے کہ فکری واعتقادی اختلافات کی نوعیت کیا ہے؟ اور اس کا حکم کیا ہے؟ بلکہ کسی فرقہ یا گروہ کو نشانہ بنانے کی بجائے مطلقا یہ دیکھنا ہے کہ ان اعتقادی اختلافات میں صحیح پہلو کون سا ہے؟

چنانچہ اس کے بارے میں تین آراء پائی جاتی ہیں:

ایک یہ کہ: باطل اور فاسد عقائد رکھنے والے کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

دوسری رائے: یہ ہے کہ کسی کو کافر نہیں کہنا چاہیے، بلکہ سب اہل قبلہ مسلمان ہیں۔ اہل بدعت گناہ گار ہیں جیسے کسی گناہ پر کافر نہیں کہنا چاہیے اسی طرح اہل بدعت کو بھی کافر نہیں کہنا چاہیے۔

تیسری رائے: یہ ہے کہ اہل بدعت اپنے عقائد وافکار میں ایک جیسے نہیں، بعض ایسے ہیں جو کفریہ عقائد کے حامل ہیں۔ مثلاً؛ وہ عقائد جن کا تعلق ضروریات دین سے ہے، اور ثبوت ودلالت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی ہیں، ان کا انکار کیا جائے، جیسے تمام انبیاء علیہم السلام، ملائکہ، تمام منزل من اللہ کتابوں اور قیامت کا انکار کیا جائے۔ بلکہ کسی ایک کتاب اور ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے۔

قرآن مجید کے کلام الٰہی نہ ہونے اور اس کے غیر محفوظ ہونے کا عقیدہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور اذان کا انکار یا محرمات قطعیہ کو حلال سمجھ کر ان کا ارتکاب کرنا۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کی بنیاد پر کسی کو کافر کہا جائیگا۔ البتہ وہ محرمات جو یقینی نہیں، یا ان کی حرمت حدِ شہرت کو نہیں پہنچی، ان کا اگر کوئی بے خبری سے ارتکاب کرتا ہے تو وہ کافر نہیں۔ البتہ اسے خبردار کرنے اور حجت قائم کرنے کے باوجود بھی کوئی اس کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ بھی کافر ہے۔ عموماً اہل سنت کا یہی قول ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مجموع الفتاوی: ج ۳ ص ۳۵۱، ۳۵۲۔ شرح العقیدۃ الطحاویہ ص ۳۱۶، ۳۱۹۔

یہی رائے قرین انصاف ہے اور نہایت درجہ متوازن فکر ہے۔ قرآن پاک کی تعلیمات سے بھی اس کی رہنمائی ملتی ہے کہ عدل وانصاف کا سررشتہ کسی قیمت پر ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ (المائدہ:۲)

''ایک گروہ نے جو تمہارے لیے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم زیادتیاں کرنے لگو۔ نیکی اور تقوی کے کاموں میں سب سے تعاون کرو، اور گناہ اور زیادتی کے کام میں کسی سے تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرو''۔

اہل کتاب میں سے جو لوگ حق پر قائم تھے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انھیں ایمان کی دولت سے نوازا تھا، ان کے بارے میں فرمایا: ﴿لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ﴾ (آل عمران:۱۱۳)

''سارے اہل کتاب یکساں نہیں ہیں، ان میں کچھ ایسے ہیں جو راہِ راست پر قائم ہیں، راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں''۔

اسی طرح جن اہل کتاب کے دل میں ایمانداروں کے لیے الفت ومحبت کے جذبات تھے ان کی قلبی کیفیت کے عین مطابق اللہ تعالی نے ان کی تعریف فرمائی اور کمال انصاف کے ساتھ حقیقت واضح کی، چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ (المائدہ:۸۲)

''ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاری ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک دنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور وہ متکبر نہیں ہیں''۔

یہ قرآنی ہدایات ہمارے لیے بہترین دستور العمل ہے کہ لوگوں کی تصنیف و تقسیم اور ان پر کسی قسم کا حکم لگاتے ہوئے اور ان کے ساتھ تعامل میں موافق ومخالف کی تفریق کیے بغیر مبنی بر حق فیصلہ دینا چاہیے۔ افراط وتفریط سے ہٹ کر یہی اعتدال کا راستہ ہے۔آئندہ سطور میں ہم سلف امت اور ائمہ ہدیٰ کی آراء اور ان کے اقوال اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر پیش کر رہے ہیں۔جس سے مسئلہ زیر بحث میں حق تک رسائی حاصل کرنے اور مسلک اعتدال اختیار کرنے میں ان شاء اللہ بڑی مدد ملے گی، اور یہی ہماری اس گفتگو اور بحث کا مقصد ہے۔

اہل قبلہ کی اصطلاح:

آگے بڑھنے سے پہلے یہ دیکھیئے کہ یہ جو بعض حضرات نے فرمایا ہے، یعنی دوسری رائے، کہ سب اہل قبلہ مسلمان ہیں کسی کو کافر نہیں کہنا چاہیے۔ یہ حضرات عموماً امام ابوحنیفہ کا ایک معروف قول پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہے:''لا نكفر أهل القبلة ''اس کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی سہارا لیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا فذلك مسلم'' (صحیح بخاری:۳۹۱)

''کہ جو ہمارے طریقے پر نماز پڑھتا ہے، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرتا ہے، اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے، وہ مسلمان ہے''۔

حالانکہ شارحین نے لکھا ہے کہ اس سے صرف یہ تین عمل نہیں بلکہ تمام شعائر اسلام مراد ہیں اور تین کا ذکر اس لیے ہے کہ یہ شعائر اسلام میں پیش پیش اور عام ہیں اور آسان طریقے کے ساتھ دوسرے ادیان سے امتیاز کا باعث ہیں۔ کہ اہل اسلام کے علاوہ کوئی بھی نہ مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں نہ ہمارا قبلہ مانتے ہیں، نہ ہمارا ذبیحہ قبول کرتے ہیں۔ اس کا یہ مقصد تو قطعاً نہیں کہ جو ان تین باتوں پر عمل پیرا ہو وہ مسلمان ہے اگرچہ وہ کسی نبی کا انکار کردے، اسے سب وشتم کا نشانہ بنائے، قرآن پاک کی آیات کا انکار کرے، زکوٰۃ دینے سے انکار کردے، یا دعوی نبوت ہی کردے، یا قرآن پاک میں تحریف کا قائل ہو یا

ایمان کے لیے تیسری شہادت کو بھی لازمی اور ضروری قرار دے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مانعین زکاۃ کے خلاف جہاد کا فیصلہ اس پر برہان ہے۔ صرف زکاۃ کا انکار تھا جبکہ نہ انھوں نے نماز کا انکار کیا نہ ہی کسی اور قبلہ کو انھوں نے اپنا قبلہ بنایا، اور نہ ہی مسلمانوں کے ذبیحہ سے انحراف کیا۔ اس لیے اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ جو ان تین باتوں کا معترف ہے، وہ مسلمان ہے، کافر نہیں ہوسکتا قطعاً غلط ہے۔

اہل قبلہ ایک خالص دینی اور علمی اصطلاح ہے جس کی تفصیل عقائد اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ چنانچہ علامہ علی قاری لکھتے ہیں: ''اعلم أن المراد بأهل القبلة الذين اتفقوا على ما هو من ضروريات الدين '' (شرح فقہ الاکبر ص ۱۵۴)

کہ تمھیں یہ بات خوب جان لینی چاہیے کہ اہل قبلہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو تمام ضروریات دین سے متفق ہیں۔

اسی طرح علامہ طحاوی لکھتے ہیں:

''ونسمي أهل قبلتنا مسلمين مؤمنين ما داموا بما جاء به النبي ﷺ معترفين وله بكل ما قاله وأخبر مصدقين'' (عقیدہ طحاویہ مع الشرح ص ۳۱۳) کہ ہم اہل قبلہ کو مسلمان ومومن کہیں گے جب وہ ہر اس چیز کا اعتراف کریں جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اور جو آپ نے خبر دی ہے اس کی تصدیق کریں۔ گویا آپ کی کامل تصدیق اور تعمیل کا نام ایمان واسلام ہے اور یہی اہل قبلہ سے مراد ہے۔

علامہ علی قاری مزید لکھتے ہیں:

''ولا يكفي أن المراد بقول علمائنا: "لا نجوّز تكفير أهل القبلة بذنب"، ليس مجرد التوجه إلى القبلة، فان الغلاة من الروافض الذين يدّعون أن جبريل عليه السلام غلط في الوحي فإن الله تعالى أرسله إلى علي رضي الله عنه وبعضهم قالوا: "إنه إله" وإن صلوا إلى القبلة ليسوا بمؤمنين هذا هو المراد بقوله ﷺ من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا ـــ" الخ (شرح فقه الاكبر ص ١٦٢)

ہمارے علماء کے قول ''ہم اہل قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر کہنا جائز نہیں سمجھتے'' سے صرف قبلہ کی

طرف منہ کرنا، مراد لینا کافی نہیں ۔ روافض میں ایسے غالی بھی ہیں جو اس بات کے مدعی ہیں کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے وحی لانے میں غلطی کی، اللہ تعالی نے انہیں رسالت کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ معبود ہیں، یہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں تب بھی مومن نہیں۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: من صلی صلاتنا و استقبل قبلتنا سے یہی مراد ہے۔لہذا مطلقا اہل قبلہ سے تکفیر کی نفی قطعا صحیح نہیں۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

''الاتفاق علی أن ما کان من أصول الدین و ضروریاته یکفر المخالف فیه''

(مسایرہ ج۲ص۲۱۲)

''اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص اصول دین اور ضروریات دین کی مخالفت کرتا ہے اس کی تکفیر کی جائے گی''۔

علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

''لا خلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الإسلام وإن کان من أهل القبلة المواظب طول عمره علی الطاعات کما فی شرح التحریر''(رد المحتار ج ۱ ص ۳۷۷)

اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص ضروریات اسلام کا مخالف ہے وہ کافر ہے اگر چہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور عمر بھر اس نے اطاعت اور فرمانبرداری میں گزاردی ہو''۔

علامہ ابن دقیق العید رقم طراز ہیں:

'' والحق أنه لا یکفر أحد من أهل القبلة إلا بإنکار متواتر من الشریعة عن صاحبها فانه حینئذ یکون مکذبا للشرع ـــــ الخ ـ'' (إحکام الاحکام ج ۲ ص ۷۲)

حق بات یہ ہے کہ کسی اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کی جاسکتی تاوقتیکہ وہ کسی ایسی چیز کا انکار نہ کرے جو تواتر کے ساتھ صاحب شریعت سے ثابت ہو، کیونکہ اس صورت میں وہ شرع کا مکذب ہوگا۔

اسی قسم کی وضاحت دیگر علماء کرام نے بھی کی ہے مگر یہاں استیعاب مقصود نہیں۔صرف ضرورۃً مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے کہ اہل قبلہ سے کیا اور کون مراد ہیں۔

کفر دون کفر کی تاویل:

اس مختصر وضاحت سے ان لوگوں کی تاویل کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو بعض اہل بدعت پر ائمہ کے فتویٰ کفر کو کفر دون کفر سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ امام بیہقی نے امام ابوالحسن الاشعری سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے مرض الموت میں فرمایا: "أشهد على أني لا أكفّر أحدا من أهل هذه القبلة لأن الكل يشيرون الى معبود واحد وإنما هذا اختلاف العبارات قال الشيخ (البيهقي) فمن ذهب الى هذا زعم أن هذا أيضا مذهب الشافعي رحمه الله ـــــــ قالوا والذى روينا عن الشافعي وغيره من الائمة من تكفير هؤلآء المبتدعة فانما أرادوا به كفراً دون كفر" (السنن الكبری ج ۱۰ ص ۲۰۷)

''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہتا کیونکہ سب ایک ہی معبود کی طرف اشارہ کرتے ہیں، یہ صرف عبارات کا اختلاف ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ جو حضرات یہ بات کہتے ہیں ان کا خیال ہے کہ یہی مذہب امام شافعی کا بھی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں امام شافعی اور دیگر ائمہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ ان بدعتیوں کے بارے میں کافر کہنے سے ان کی مراد کفر دون کفر ہے''۔ امام بیہقی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہی موقف امام خطابی کا بھی ہے اور ان کا استدلال ''ستفترق أمتي'' کے الفاظ سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اپنا امتی قرار دیا ہے لہذا کوئی فرقہ ملت اسلامیہ سے کلیۃً خارج نہیں۔

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح السنہ (ج ا ص ۲۲۸) میں امام شافعی سے یہی نقل کیا کہ اہل بدعت کے بارے میں کفر کا فتویٰ کفر دون کفر پر ہی محمول ہے، یہی رائے حافظ ذہبی کی ہے، بلکہ انھوں نے امام ابو الحسن اشعری کی بات نقل کر کے کہا ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی بھی آخری رائے یہی تھی۔ (سیر اعلام النبلاء: ج ۱۰ ص ۲۰۲، ج ۱۵ ص ۸۸)

مگر یہ تاویل بھی محل نظر ہے۔ امت اجابت میں سے اگر کوئی شخص ضروریات دین کا انکار کرے یا شرک کا ارتکاب کرے تو کیا وہ بھی مسلمان ہے؟ اور اس کا یہ کفر بھی کفر دون کفر کے قبیل سے ہے؟ جیسا کہ غالی رافضیوں کے بارے میں پہلے علامہ علی قاری کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ وہ شرک کے مرتکب ہیں۔

امام بخاری نے بھی ''باب المعاصي من أمر الجاهلية ولا يكفّر صاحبها بارتكابها إلا بالشرك'' میں اس طرف اشارہ کیا ہے اور یہی صحیح موقف ہے کہ شرک کا ارتکاب کفر ہے۔

اس امت ہی کے بارے میں تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ یہ بھی پہلی امتوں کی گمراہیوں میں مبتلا ہوگی (ترمذی) وغیرہ اور وہ امتیں شرک میں بھی مبتلا ہوئی تھیں ۔ نیز فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی تا آنکہ میری امت کے کچھ لوگ مشرکوں سے مل جائیں گے اور بتوں کی پرستش شروع کردیں گے (ابوداود ج ۴ ص ۱۵) اس لیے "ستفترق أمتي ۔۔۔" سے امام خطابی کا یہ استدلال کرنا کہ امت کے تمام ترفرق امت ہی سے ہیں، درست نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ضروریات دین کا ہی انکار کردے تو وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہوگا اس کے انکار کو کفر دون کفر سے تعبیر کرنا صحیح نہیں ہے۔

ہر کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر نہیں

اس کا یہ مطلب بھی قطعاً نہیں کہ جس کسی کو اپنے عقیدہ وعمل سے منحرف پایا جائے اسے کافر، کافر کہنا شروع کردیا جائے۔ چنانچہ دیکھیے! خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کرام کو کافر کہتے تھے۔ ان پر سب وشتم کرتے اور انہیں قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ مگر صحابہ کرام انہیں کافر اور مشرک قرار نہیں دیتے تھے۔ خوارج کی شدت کا اندازہ کیجیے کہ حضرت علی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک اونچی آواز سے کہتا ہے "لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ " (اگر آپ شرک کریں گے تو آپ کے اعمال برباد ہو جائیں گے، یعنی اس نے یہ کہا کہ آپ مشرک ہیں اور آپ کی یہ نمازیں کسی کام کی نہیں ہیں) انہوں نے نماز ہی میں فرمایا "فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ " صبر کرو اللہ کا وعدہ حق ہے۔ (طبری ج ۵ ص ٥٤ حاکم ج ۳ ص ١٤٦)

ان کے بارے میں صحیح بخاری ومسلم میں منقول ہے کہ "لا يجاوز إيمانهم حناجرهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية فأينما لقيتموهم فاقتلوهم " ان کا ایمان ان کے نرخرہ سے آگے نہیں بڑھے گا، وہ دین سے اسی طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ تم انہیں جہاں پاؤ قتل کردو۔ صحابہ کرام نے ان کے خلاف فرمان نبوی کے مطابق قتال کیا۔ مگر مسیلمہ کذاب کے ساتھیوں کا سا معاملہ ان کے ساتھ نہیں کیا۔ ان کے اموال کی حرمت کو بھی تسلیم کیا اور اس کو تقسیم نہیں کیا۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: أمشركون هم؟ قال: من الشرك فرّوا، قيل: فمنافقون؟ قال: إن المنافقين لا يذكرون الله إلا قليلا، قيل: فما هم؟ قال: قوم بغوا علينا فقاتلناهم "(ابن ابی شیبہ رقم

(٣٧٩٤٢)، بیهقی ج ٨ ص ١٧٤)

”کہ کیا وہ مشرک ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا شرک سے ہی تو وہ بھاگے ہیں۔ کہا گیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا: منافق تو اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں (مگر یہ ایسے نہیں، بڑے عبادت گزار ہیں) پوچھا گیا یہ پھر کون اور کیسے ہیں؟ فرمایا: انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے اس لیے ہم نے ان سے قتال کیا ہے“۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے قاتل عبدالرحمٰن بن عمرو بن ملجم الحمیری کے بارے میں فرمایا: ”لا تقتلوا الرجل فإن برئت فالجروح قصاص وإن مت فاقتلوه“ کہ اسے ابھی قتل نہ کرنا اگر میں صحت یاب ہو گیا تو زخموں کا بدلہ لیا جائے اور اگر فوت ہو گیا تو پھر قصاص میں قتل کر دینا۔ (ابن ابی شیبہ، بیہقی وغیرہ)

لہذا جب صحابہ کرام نے انہیں اتنے جرائم کے باوجود کافر قرار نہیں دیا تو شرک اور کلمات کفر کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے جرم کی وجہ سے کسی کو کافر ومشرک کہنا اور انہیں خارج از ملت قرار دینا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

تکفیر معین

پھر یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک ہے مطلقاً کافر اور بدعتی کہنا اور ایک ہے نام زد طور پر کسی کو کافر ومشرک کہنا۔ کوئی اگر مشرکانہ یا کافرانہ حرکت کا ارتکاب کرتا ہے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کافرانہ ومشرکانہ عمل ہے، اس کے کرنے والے کو مشرک وکافر قرار دینا درست نہیں۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ”من زعم أن محمدا رأى ربه فقد أعظم على الله الفرية“ (طبری ج ٢٧ ص ٥٠۔ بخاری ج ٢ ص ١٠٩٨۔ مسلم ج ١ ص ٩٨)

جس نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ حالانکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی رائے اس کے برعکس تھی مگر حضرت عائشہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرتے ہیں۔

اسی طرح شراب پینے والے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت ہی نہیں کی بلکہ فرمایا: ”لعن الله الخمر وشاربها وساقيها وبائعها ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة له“ (أبو داؤد رقم: ٣٦٧٤) کہ ”اللہ کی لعنت ہو شراب پر، شراب پینے والے، پلانے والے، اس کو فروخت

کرنے والے، خریدنے والے، اسے تیار کرنے والے، جس کے لیے تیار کی گئی، اس کو اٹھانے والے پر اور اس پر بھی جس کے لیے شراب اٹھا کر لے جائی گئی''۔ مگر اس کے باوجود عبداللہ نامی صحابی جسے شراب پینے کے سبب سزا دی گئی، ایک روز وہ پھر اسی حالت میں لائے گئے تو آپ نے اسے پھر سزا دینے کا حکم فرمایا ایک صحابی نے کہہ دیا: ''اللھم العنه ''اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا ''لا تلعنوه فواللہ ما علمت أنه یحب اللہ ورسوله ''اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! میں یہی جانتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ (بخاری رقم: ٦٧٨٠، فتح الباری: ج ١٢ ص ٧٦، ٧٧) غور فرمائیے! ملعون فعل کے ارتکاب کے باوجود آپ نے اس پر لعنت کرنے سے منع فرمایا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"فتکفیر المعین من هؤلاء الجهال وأمثالهم بحیث یحکم علیه بأنه من الکفار لایجوز الإقدام علیه إلا بعد أن تقوم علی أحدهم الحجة الرسالیة ،التی یتبین بها أنهم مخالفون للرسل ، وإن کانت هذه المقالة لاریب إنها کفر ، وهذا الکلام فی تکفیر جمیع المعینین مع أن بعض هذه البدع أشد من بعض ، وبعض المبتدعة یکون فیه من الإیمان ما لیس فی بعض ، فلیس لأحد أن یکفر أحدا من المسلمین وإن أخطأ وغلط حتی تقوم علیه الحجة وتبین له الحجة ، ومن ثبت إیمانه بیقین لم یزل ذلك عنه بالشك ، بل لا یزول إلا بعد إقامة الحجة وإزالة الشبهة " (مجموع الفتاوی ج ١٢ ص ٥٠٠، ٥٠١)

''ان جیسے جاہلوں میں سے کسی معین شخص کی تکفیر کہ اس پر حکم لگایا جائے کہ وہ کافر ہے، اس کی جرأت حجت قائم کرنے کے بعد ہی جائز ہے جس سے یہ واضح ہو جائے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے مخالف ہیں اگر چہ وہ بات بلا ریب کفر ہو۔ اور یہ فیصلہ تمام معینین کی تکفیر کے بارے میں ہے۔ اگرچہ بعض بدعات بعض سے زیادہ بری ہیں اور بعض بدعتیوں میں ایسا ایمان ہوتا ہے جو دوسروں میں نہیں ہوتا۔ لہذا کسی کے لیے مناسب نہیں کہ حجت قائم کرنے اور اس کے لیے دلیل واضح ہو جانے سے پہلے محض اس کی غلطی اور خطا کی بنا پر کسی مسلمان کو کافر قرار دے اور جس کا ایمان یقینی طور پر ثابت ہے محض شک کی بنا پر وہ زائل نہیں ہوگا بلکہ اس کا ایمان حجت قائم ہونے اور اس کا شبہ دور کرنے کے بعد ہی زائل ہوگا''۔

اسی طرح مزید لکھتے ہیں:

" وحقيقة الأمر في ذلك أن القول قد يكون كفرا فيطلق القول بتكفيره ويقال من قال هذا فهو كافر لكن الشخص المعين الذي قاله لا يحكم بكفره حتى تقوم عليه الحجة التي يكفّر تاركها "(مجموع الفتاوى، ج۲۳ ص۳٤٥)

''اور حقیقی بات یہ ہے کہ کبھی بات کفر کی حامل ہوتی ہے تو مطلق طور پر اس کی تکفیر کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ جو یوں کہتا ہے وہ کافر ہے لیکن مخصوص آدمی جس نے یہ قول کہا ہے اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا تا آنکہ اس پر ایسی حجت قائم ہو جس کے ترک سے آدمی کافر ہو جاتا ہے''۔

اسی طرح علامہ ابن العربی فرماتے ہیں:

" فالجاهل المخطئ من هذه الأمة ولو عمل من الكفر والشرك ما يكون صاحبه مشركا أو كافرا فإنه يعذر بالجهل والخطأ حتى يتبين له الحجة التي يكفر تاركها بياناً واضحا ما يلتبس على مثله، وينكر ما هو معلوم بالضرورة من دين الإسلام، مما أجمعوا عليه إجماعا قطعيا يعرفه كل من المسلمين من غير نظر وتأمل "(محاسن التأويل للقاسمي ج ٥ ص ١٣٠٧، ١٣٠٨)

''اس امت کا جاہل اور غلطی کرنے والا اگر چہ کفر و شرک کا ارتکاب کرے، وہ مشرک اور کافر نہیں ہوگا کیونکہ جہالت اور غلطی کی بنا پر اسے معذور سمجھا جائے گا۔ تا آنکہ اس کے لیے حجت بالکل واضح ہو جائے، جس کے ترک کرنے سے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور وہ ایسی چیز کا انکار کرتا ہے جس کا دین اسلام میں ہونا ضروری طور پر معلوم ہے اور اس کے بارے میں ایسا قطعی اجماع ہو چکا ہے کہ ہر مسلمان بغیر غور وفکر کرنے کے اسے جانتا ہے''۔

یہی بات اس سے بھی واضح الفاظ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نے بھی فرمائی ہے: چنانچہ انھوں نے اپنے بارے میں اس غلط فہمی، کہ وہ مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں، کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

" إذا كنا لا نكفر من عبد الصنم الذي على قبة عبدالقادر، والصنم الذي على قبر أحمد البدوي وأمثالهما لأجل جهلهم وعدم من ينبههم فكيف نكفر من لم يشرك بالله إذا لم

یها جر إلینا ولم یکفر ویقاتل سبحانك هذا بهتان عظیم" (فتاوی و مسائل الشیخ بجمع صالح الأطرم ص: ۱۱) بحواله مواقف أهل السنة من أهل الأهواء والبدع للدکتور إبراهیم الرحیلی ص ۲۱۸۔

''جب ہم حضرت عبدالقادر کی قبر پر بت کی پرستش کرنے والے اور شیخ احمد البدوی وغیرہ کی قبر پر بت کی پرستش کرنے والے کو ان کی جہالت کی بنا پر اور انہیں خبردار کرنے والوں کی عدم موجودگی کی بنا پر کافر نہیں کہتے تو ہماری طرف ہجرت نہ کرنے والے کو جو کافر و مشرک نہیں اور قتال نہیں کرتا ہم کافر کیسے کہہ سکتے ہیں، اللہ پاک ہے یہ (ہم پر) بہت بڑا بہتان ہے''۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کفر یا شرک کی وجہ سے عموما یہ کہنے کی تو گنجائش ہے کہ یہ کافرانہ اور یہ مشرکانہ عمل ہے مگر نامزد طور پر کسی کو کافر اور مشرک کہنا درست نہیں۔ الّا یہ کہ اس پر حجت قائم کر دی جائے اور اس کے شبہات کا ازالہ کر دیا جائے پھر بھی وہ عناد کا مظاہرہ کرے، تب اسے کافر کہا جائے گا ورنہ اس کی تکفیر جائز نہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں اتمامِ حجت کے اسی طریقہ کو بطور ضابطہ ذکر فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا'' ''رسول بھیجنے کے بغیر ہم عذاب میں مبتلا نہیں کرتے۔

جہنمیوں سے کہا جائے گا'' اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ قَالُوْا بَلٰى ''کیا تمہارے پاس کوئی نذیر نہیں آیا تھا؟ تو وہ کہیں گے: ''ہاں آیا تھا''۔ گویا یہ ان کی طرف سے ان پر حجت قائم ہونے کا اعتراف ہے، اس کے بعد وہ عذاب میں دھر لیے جائیں گے۔

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے۔'' رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ '' یہ سب رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت نہ رہے کہ وہ قیامت کے روز یہ عذر کر سکیں کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا، خوش خبری دینے والا آیا ہی نہیں تھا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے آپ کو سجدہ

کیا۔آپ نے فرمایا: معاذ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میں شام سے آیا ہوں وہ اپنے بشپ کو، پادریوں اور شرفا کو سجدہ کرتے ہیں، میں نے پسند کیا کہ ہم بھی آپ کو اسی طرح سجدہ کریں۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا مت کرو، اگر میں اللہ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے''۔(مسند احمد ج ٤ ،ص ٣٨١، ابن ماجه رقم:١٨٥٢ ، الصحیحة رقم١٢٠٣)

اسی طرح بخاری شریف میں حضرت ربیع بنت معوذ سے مروی ہے کہ آپ تشریف لائے تو بچیوں نے دف بجاتے ہوئے شہداء اُحد کا ذکر کیا اور اسی اثناء میں ایک بچی نے آپ کی تعریف میں یہ بھی کہہ دیا ''وفینا نبی یعلم مافی غد '' کہ ہم میں وہ نبی ہے جو جانتا ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''یوں نہ کہو،اس کے علاوہ جو کہا جا رہا تھا وہ کہو''۔

غور فرمائیں ! اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا اور کسی اور کے بارے میں علم غیب کا اظہار واعلان کرنا حرام اور کفر وشرک ہے مگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی اس تاویل سے کہ یہ سجدہ تعظیمی ہے جو مخلوق کے لیے جائز ہے۔آنحضرت ﷺ نے انہیں کافر یا حرمت کا مرتکب نہیں ٹھہرایا، بلکہ صرف آپ نے انہیں منع فرمایا اور واضح کر دیا کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کسی اور کے لیے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسی طرح آپ کے بارے میں'' وفینا نبی یعلم ما فی غد '' کہنے والی کو بھی آپ نے کوئی سرزنش نہیں فرمائی۔اس کی جہالت اور بے خبری کی بنا پر اسے معذور سمجھا اور کافر نہیں کہا۔

اسی طرح صحیح بخاری (رقم: ۳۴۷۸، ۶۴۸۱، ۷۵۰۸) اور مسلم (رقم: ۶۸۵۱، ۶۸۵۲) میں اس واقعہ کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے منقول ہے جس نے مرتے وقت کہا کہ میرے مرنے کے بعد مجھے جلا دینا اور میری راکھ کو ہوا اور دریا میں بہا دینا'' فواللہ لئن قدر علیّ ربی لیعذ بنی عذابا ما عذبه أحدا '' کیونکہ اللہ کی قسم! اگر میرا رب مجھے اٹھانے میں قادر ہو گیا تو مجھے ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا جو کسی اور کو نہیں دے گا۔مگر اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر کے جب اپنے سامنے حاضر کیا تو اس سے پوچھا کہ تم نے اپنے آپ کو جلانے کا حکم کیوں دیا؟ اس نے عرض کیا'' من خشیتك یا رب '' اے میرے رب! آپ سے ڈرتے ہوئے ،تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔گویا اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک تھا کہ یوں کرنے سے مجھے اٹھایا نہیں جا سکے گا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت قدرت کا انکار اور اس میں ریب کفر ہے لیکن اللہ

پر ایمان ہونے کی بدولت اللہ تعالی کی اس صفت سے جہالت اور بے خبری کی بنا پر اسے معاف کر دیا گیا۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں:

" والمتأول من أهل الاجتهاد ، الحريص على متابعة الرسول ﷺ أولى بالمغفرة من مثل هذا" (مجموع الفتاوى ج ۳، ص ۲۳۰، ۲۳۱)

''مجتہد جو تاویل کرتا ہے مگر رسول ﷺ کی اتباع کا حریص ہے وہ اس شخص سے زیادہ بخشش ومغفرت کا حق دار ہے''۔

اسی طرح اگر کوئی جاہل ہے اور وہ کسی مشرکانہ فعل میں مبتلا ہے تو اسے کافر ومشرک قرار نہیں دیا جائے گا۔ البتہ اگر اس پر حجت قائم کر دی جائے اور عذر جہالت رفع ہو جائے مگر وہ پھر بھی مشرکانہ عمل پر قائم رہے تو اس کے مشرک ہونے میں کوئی شک نہیں۔

اہل بدعت وشرک سے تعلقات:

رہا یہ مسئلہ کہ مشرک اور بدعتی سے ہمارے تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیے۔ علامہ بغویؒ نے (شرح السنۃ ج ۱ص ۲۲۴، ۲۲۷) میں ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام، تابعین عظام اور تمام اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ اہل بدعت سے موالات جائز نہیں، بلکہ ان سے براءت کا بہر آئینہ اظہار کرنا چاہیے۔ علامہ بغویؒ کے علاوہ یہی بات علامہ نووی، حافظ ابن عبدالبر، حافظ ابن تیمیہ اور علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے کہی ہے۔

علامہ ابن جوزی نے تلبیس ابلیس (ص ۱۸، ۲۱) اور امام لالکائی نے شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ میں اس حوالے سے سلف کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ بلکہ صحابہ کرام سے تو ایک حدیث کی کھلی مخالفت اور معارضت پر انکار اور ان کے مرتکبین سے ترک موالات کا فتوی وعمل معروف ہے۔ علامہ ابن قتیبہ نے بھی المعارف (ص ۵۵۰) میں اس کی تفصیل ذکر کی ہے مگر یہ تفصیل یہاں تطویل کا باعث ہے۔

البتہ یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ تمام بدعات یکساں اور ان کے مرتکبین ایک جیسے نہیں۔ جو بدعات حد کفر تک پہنچتی ہیں، ان کے مرتکبین سے اظہار برأت ایمان کا تقاضا ہے، اور جو بدعات کم تر درجہ کی ہیں ان کے مرتکبین سے معاملہ بقدر بدعت ہونا چاہیے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بڑی جامع بات فرمائی ہے کہ ایک آدمی میں جب خیر وشر، اطاعت ومعصیت، سنت اور بدعت جمع ہوں تو اس سے بقدر خیر

موالات اور بقدر شر معادات اختیار کرنی چاہیے۔ (مجموع فتاوی: ج ۲۸ ص ۲۰۸، ۲۰۹)

علامہ ابن ابی العز رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے: '' الحب والبغض بحسب ما فيهم من خصال الخير والشر ، فان العبد يجتمع فيه سبب الموالاة وسبب العداوة والحب والبغض فيكون محبوباً من وجه ومبغوضاً من وجه ، والحكم للغالب '' (شرح العقيدة الطحاوية : ص ٤٣٤)

'' اہل بدعت سے محبت اور بغض ان میں بقدر خیر اور شر ہونا چاہیے، کیونکہ ایک آدمی میں موالات کا سبب اور عداوت کا سبب، اور محبت ونفرت کا سبب دونوں جمع ہوتے ہیں۔ یوں وہ ایک اعتبار سے محبوب اور دوسری وجہ سے مبغوض ہوتا ہے اور فیصلہ غالب حالت کے مطابق ہوگا''۔

بدعت کی اقسام:

یہی وجہ ہے محدثین کرام نے بدعت کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

ایک بدعت مکفرہ اور، دوسری مفسقہ۔

بدعت مکفرہ کے مرتکب کی روایت مردود ہوتی ہے اور بدعت مفسقہ کے مرتکبین میں سے صرف داعی الی البدعۃ کی روایت قبول نہیں کی جاتی۔ حافظ ابن حجر نے اس مسئلہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

'' والثاني يقبل عمن لم يكن داعية على الأصح إلا إن روى ما يقوى بدعته فيرد على المختار '' (شرح النخبة : ص ١٣٧)

'' بدعت کی دوسری قسم میں جو داعی الی البدعہ نہ ہو اس کی روایت قبول کی جائے گی، الّا یہ کہ وہ ایسی روایت بیان کرے جو اس کی بدعت کی مؤید ہو تو مختار قول کے مطابق اس کی روایت رد کی جائے گی''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اہل بدعت سے تعلقات رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

'' مسلمانوں کی رائے یہ ہے کہ جو بدعت کا اظہار کرتے اور اس کی دعوت دیتے ہیں، اور جو اعلانیہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں ان سے تعلق نہ رکھا جائے۔ اگر کوئی در پردہ گناہ کرتا ہے یا بدعت غیر مکفرہ پر اصرار کرتا ہے تو اس سے قطع تعلق نہ کیا جائے۔ قطع تعلق اس سے کیا جائے جو داعی الی البدعہ ہو۔ کیونکہ قطع تعلق عقوبت کی ایک صورت ہے، اور یہ معاملہ اس سے کیا جاتا ہے جو قولاً وعملاً اس کا اظہار واعلان کرتا ہے۔ امام احمد،

امام مالک اور اکثر ائمہ کرام کا یہی موقف ہے کہ داعی الی البدعہ کی روایت مقبول نہیں، اور صحیح احادیث جمع کرنے والے حضرات نے بھی داعی الی البدعہ کی روایت نہیں لی''۔ (مجموع الفتاوی ج ۲۴ ص ۱۷۵)

اہل بحرین کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف طول پکڑ گیا کہ کفار کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت حاصل ہو گی یا نہیں، یہ اختلاف باہم تفریق بلکہ قتال تک پہنچ گیا تو اس بارے انھوں نے شیخ الاسلام سے رجوع کیا، انھوں نے اس پر مفصل بحث کی اور فرمایا: ''یہ اور اس نوعیت کے دیگر نظری مسائل میں قطع تعلق قطعاً درست نہیں''۔ جس کی تفصیل مجموع فتاوی ج ۶ ص ۴۸۵، ۵۰۶ ج ۲۴ ص ۱۷۲، ۱۷۶ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس حوالے سے اہل بدعت وفسق سے معادات کو تعزیر اور عقوبت پر محمول کرتے ہوئے بڑی نفیس بات کہی ہے: ''والتعزير لمن ظهر منه ترك الواجبات وفعل المحرمات كتارك الصلاة والتظاهر بالمظالم والفواحش، والداعي إلى البدع المخالفة للكتاب والسنة وإجماع سلف الأمة التي ظهر أنها بدع، وهذا حقيقة قول السلف والأئمة إن الدعاة إلى البدع لا تقبل شهادتهم ولا يُصلى خلفهم ولا يؤخذ عنهم العلم ولا يناكحون فهذه عقوبة لهم حتى ينتهوا ولهذا فرقوا بين الداعية وغير الداعية، لأن الداعية أظهر المنكرات فاستحق العقوبة، بخلاف الكاتم فانه ليس شراً من المنافقين الذين كان النبي ﷺ يقبل علانيتهم ويكل سرائرهم إلى الله'' (مجموع فتاوى: ج ۲۸ ص ۲۰۵)

''یعنی اس پر تعزیر ہے جس نے واجبات کا ترک اور محرمات کا ارتکاب کیا ہو، جیسے تارک صلاۃ ہے اور جور وظلم اور فسق وفجور کا اعلانیہ مرتکب ہے، اور کتاب وسنت اور اجماع سلف امت کے مخالف بدعت کا داعی ہے۔ سلف اور ائمہ کرام کے اس قول کی کہ: ''داعی الی البدعہ کی نہ شہادت قبول ہے، نہ ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے، نہ ان سے علم حاصل کیا جائے، اور نہ ان سے نکاح کا معاملہ کیا جائے''، یہی حقیقت ہے۔ ان سے یہ معاملہ ان کے لیے بطور عقوبت ہے تا آنکہ وہ بدعت سے باز آ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ داعی الی البدعہ اور غیر داعی کے مابین فرق کرتے ہیں، کیونکہ داعی الی البدعہ منکرات کا اظہار کرتا ہے اس لیے وہ عقوبت کا مستحق ہے، برعکس اس کے جو بدعت کا اعلان واظہار نہیں کرتا بلکہ اس کا در پردہ اہتمام کرتا ہے، اس کا یہ عمل ان منافقوں کے شر سے بڑھا ہوا نہیں جو نبی کریم ﷺ کے دور مبارک میں تھے، آپ ان کے اعلانیہ اعمال کو

قبول کرتے تھے، اور در پردہ معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے تھے‘‘۔

شیخ الاسلام نے اسی حوالے سے منہاج السنہ میں تو فرمایا ہے:

’’اہل بدعت اور اہل فسق کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔ بعض مطلقاً اس کی اجازت دیتے ہیں اور بعض بالکل منع کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز کی ممانعت اس لیے نہیں کہ خود ان کی نماز باطل ہے بلکہ اس لیے ہے کہ وہ بدعت کو ہوا دیتے ہیں۔ اس لیے وہ اس لائق ہیں کہ ان سے تعلق نہ رکھا جائے، اور انہیں مسلمانوں کا امام نہ بنایا جائے، ان کی عیادت نہ کرنا اور جنازے کے ساتھ نہ جانا بھی اسی انکار منکر کے باب سے ہے، اور جب یہ عقوبات شرعیہ میں سے ہے تو معلوم ہوا کہ بدعت کی قلت وکثرت اور سنت کے اظہار واخفاء کے لحاظ سے مختلف احوال کی بنا پر اس کا حکم مختلف ہے۔ اس لیے کبھی ان سے تالیف مشروع ہے اور کبھی ہجران وبراءۃ مشروع ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نئے مسلمان ہونے والوں اور جن کے بارے میں فتنہ کا اندیشہ ہوتا تھا تالیف وتعلق کا مظاہرہ فرماتے۔۔۔ اور کبھی بعض ایمانداروں کی غلطی پر ان سے قطع تعلق کا اظہار فرماتے، جیسا کہ تبوک سے پیچھے رہنے والے صحابہ کرام سے کیا تھا۔ کیونکہ مقصد تو صحیح طور پر مخلوق کو اطاعت الٰہی کی دعوت ہے۔ اس لیے جہاں رغبت اصلاح کا ذریعہ ہے وہاں رغبت اور جہاں ڈرانا اور دھمکانہ بہتر ہے، وہاں ڈرانا اور ہجر بہتر ہے‘‘۔ (منہاج السنۃ: ج۱ص۶۳، ۶۵)

اہل بدعت وفسق سے ولاء وبراء کے حوالے سے شیخ الاسلام رحمہ اللہ اپنے فتاوی میں یہ بھی فرماتے ہیں: ’’یہ ہجر وترک ہاجرین کی قوت وضعف اور قلت وکثرت کے لحاظ سے مختلف ہے کیونکہ مقصد تو مہجورین کی تأدیب ہے اور عوام الناس کو اس (بدعت وفسق) سے بچانا ہے۔ لہذا اگر مصلحت اس میں ہے کہ ہجر وترک شر وفساد کے ضُعف کا باعث ہے تو وہاں ہجر مشروع ہے۔ لیکن ہاجر اگر کمزور ہے اور ہجر وترک شر کے اضافے کا باعث ہے تو مصلحت یہی ہے کہ وہاں ہجر مشروع نہیں۔ بلکہ بعض لوگوں کے لیے تالیف، ہجر سے زیادہ سود مند ثابت ہوتی ہے اور بعض کے لیے ہجر، تأليف سے زیادہ نفع بخش ہوتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کبھی دشمن سے قتال بہتر ہے اور کبھی جزیہ لینا بہتر ہوتا ہے، یہ سب مختلف احوال اور مصالح کے اعتبار سے ہے‘‘۔ (مجموع الفتاوی: ج۲۸ص۲۰۶)
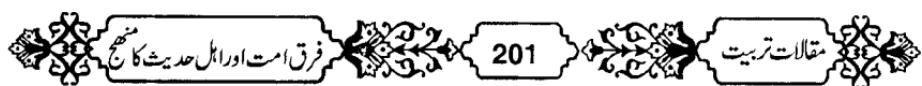
اسی لیے اہل بدعت یا اہل فسق سے ولاء و براء کا معاملہ انہی دینی مصالح کے اعتبار سے ہونا چاہیے ایسا نہ ہو کہ انکار منکر میں کوئی اور منکر یا فتنہ وفساد کھڑا ہو جائے۔

ہمارا یہ مقصد بھی قطعاً نہیں کہ ولاء و براء کے اصول میں سرد مہری کا مظاہرہ کیا جائے۔ بلکہ عامۃ الناس جو اس کی نزاکت سے بے خبر ہیں انہیں بہر نوع اس سے خبر دار کرنا چاہیے کہ وہ مبتدعین کی مجلس کی زینت نہ بنیں تا کہ ''من كثر سواد قوم فهو منهم'' کا مصداق نہ بن جائیں۔

اہل بدعت کا ذبیحہ اور ان سے نکاح

رہا یہ سوال کہ اہل بدعت سے نکاح درست ہے یا ان کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں، تو میں سمجھتا ہوں کہ سابقہ بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل بدعت سبھی ایک جیسے نہیں اور ائمہ سلف کا یہ قول ثابت ہے کہ شرک وکفر کے مرتکبین سے یہ معاملہ درست نہیں۔ چنانچہ روافض، باطنیہ اور جہمیہ سے نکاح کے بارے میں لکھا ہے کہ ان سے نکاح جائز نہیں اور نہ ان کا ذبیحہ درست ہے۔ مگر یہاں ایک پہلو قابل غور ہے کہ جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے '' وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا '' فرما کر مشرکین سے نکاح کی ممانعت فرمائی ہے وہاں کتابی مشرکین کے بارے میں فرمایا ہے: '' وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ '' کہ ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے بلکہ ان کے ذبیحہ کو بھی جائز قرار دیا۔ یہود ونصاریٰ کا شرک وکفر کوئی ڈھکا چھپا نہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں کافر بھی قرار دیا اور مشرک بھی۔ تاہم ان کی عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں شام کے عامل نے خط لکھا کہ ہمارے یہاں کچھ لوگ تورات وانجیل پڑھتے ہیں مگر وہ قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔ امیر المومنین! ان کے ذبیحہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھ بھیجا کہ اگر وہ تورات وانجیل پڑھتے ہیں، سبت یعنی ہفتہ کے دن کا احترام کرتے ہیں تو ان کا ذبیحہ اہل کتاب کے ذبیحہ کی طرح ہے۔ (رواه مسدد ورجاله ثقات اتحاف الخيرة ج۲ص ۳۹۰)

لہذا جب عام مشرکین سے مشرکین اہل کتاب ان احکام میں مستثنیٰ ہیں تو مشرکین امت بھی تو مشرکین اہل کتاب کی طرح ہیں ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہونا چاہیے اور یہ بھی بس جواز کی حد تک ہے نہ کہ عموماً مسلمانوں کی طرح ان سے یہ معاملہ کرنا اور اسے اپنے لیے چاہت کا رشتہ سمجھنا

درست ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر ہی کہتے ہیں۔ لیکن اگر کفار کی طرح کوئی غیر اللہ کا نام لیتا ہے تو اس کا ذبیحہ حرام ہے کیونکہ ''وما أهل به لغير الله'' کی نص قطعی کا یہی تقاضا ہے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کلمہ گو مشرک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس قسم کے مشرکوں کے لیے دو مختلف احکام ہیں: دنیاوی اور اُخروی۔ دنیاوی حکم تو یہ ہے کہ بوجہ کلمہ اسلام، اسلام میں سمجھے جائیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان سے نکاح، میراث وغیرہ جاری کرے تاوقتیکہ کوئی عقیدہ کلمہ اسلام کے صریح متضاد نہ رکھیں۔ اُخروی حکم ان کا بھی وہی ہے جو دوسرے مشرکوں کا ہے۔ (فتاوی ثنائیہ ج ۱ ص ۳۴۴)

مگر اکثر وبیشتر حضرات بدعت مکفرہ کے مرتکب کو اہل کتاب پر قیاس کرنا درست نہیں سمجھتے کیونکہ وہ اس کے قائلین کو مرتد سمجھتے ہیں، جیسا کہ امام احمد بن یونس فرماتے ہیں: ''إنا لا نأكل ذبيحة رجل رافضي فانه عندي مرتد (شرح أصول اعتقاد أهل السنة ج ٤ ص ١٤٥٩)

طلحہ بن مصرف فرماتے ہیں: '' الرافضة لا تنكح نساء هم ولا تو كل ذبائحهم لأنهم أهل ردّة (الإبانه لابن بطه ص ١٦١) اسی طرح امام وکیع بن جراح نے جہمیہ کے ذبیحہ کے بارے میں فرمایا ''لا تو كل لأنهم مرتدون (السنة لابن احمد ج ١ ص ١١٧)

بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ جہمیہ جو اللہ تعالی کے اسماء وصفات کا انکار کرتے ہیں وہ مسلمانوں کے فرقوں میں شمار نہیں ہوتے، وہ امت محمدیہ سے خارج ہیں۔ (كتاب النبوات: ص ١٩٨) اور یہی حکم باطنیہ کے بارے میں امام غزالی نے فضائح الباطنیہ (ص ١٥٦) میں لگایا ہے، اسماعیلیہ اور نصیریہ کے بارے میں بھی یہی ارتداد کا حکم شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لگایا ہے: ''لانهم مرتدون من شر المرتدين'' کہ یہ مرتدین میں سے بہت برے مرتد ہیں۔

(مجموع الفتاوی ج ۲۸ ص ۴۷۴، ۴۷۵)

اسی طرح حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی بارے میں دریافت کیا گیا کہ عمرو اہل بدعت کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح اہل کتاب کی طرح جائز کہتا ہے جبکہ زید کہتا ہے کہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ منکر ضروریات دین کا مرتد ہے اور مرتد کا حکم اہل کتاب کو دینا سراسر انکار ضروریات دین ہے ان دونوں میں مصیب کون ہے؟

انہوں نے جواباً فرمایا: زید مصیب ہے، اہل بدعت جن کی بدعت کفر کو پہنچی ہوئی ہے کسی صورت سے اہل کتاب کا حکم نہیں پا سکتے بلکہ مرتد کہلائیں گے اور ان کے ساتھ مرتدین کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ (فتاویہ نذیریہ ج ۳ ص ۳۴۳) اور اس کی تائید حضرت مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری نے بھی کی ہے۔

ظاہر ہے کہ ضروریات دین کا منکر کافر ہے اور صحیح یہی ہے کہ وہ مرتد ہے جیسے قادیانیوں کے بارے میں عموماً اہل علم کی رائے ہے اس لیے ضروریات دین کا منکر مرتد ہے تو اسے اہل کتاب پر قیاس کرنا قطعاً درست نہیں۔ البتہ ان کے کفر وارتداد کا خصوصی حکم حجت قائم ہونے اور ان کے شبہات کا ازالہ ہونے کے بعد لگایا جائیگا ہے اسی بناپر تو ایسی صورت میں اہل علم لکھتے ہیں '' یستتاب و لا یقتل '' کہ اسے توبہ کرائی جائے اور یہ تبھی ہو سکتا ہے جب اس پر حجت قائم ہو۔ اگر وہ توبہ کر لے تو فبھا ورنہ ارتداد کی وجہ سے اس کی سزا قتل ہے۔

البتہ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اہل بدعت میں سے کچھ وہ ہیں جو داعی بدعت ہیں اور شب وروز اس بدعت اور کفر وشرک کی ترویج میں کوشاں ہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں جو جاہل ہیں انہیں اس قدر شعور نہیں کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہ سراسر کفر وشرک ہے اور دین اسلام کے منافی ہے۔ دونوں کو ایک ہی پلڑے میں رکھنا قطعاً انصاف نہیں۔ جیسا کہ جہالت یا تاویل ایک مقبول ومعقول عذر ہے۔ اگر امام احمد جہمیوں کے حکام کو ان کی جہالت کی بناپر معذور سمجھتے ہوئے انہیں کافر قرار نہیں دیتے تو ان دین سے بے خبروں کو بھی معذور سمجھنا چاہیے اور ان کی اصلاح اور بھلائی کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

اہل بدعت وفسق کو امام بنانا

اہل علم کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ فاسق اور اہل بدعت کو امام نہ بنایا جائے۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ لیکن اگر وہ کہیں امام بنا دیئے گئے ہوں یا بالجبر وہ امام بن گئے ہوں تو ان کے پیچھے نماز درست ہے، اس لیے کہ بدعت فسق ہے اور فاسق وفاجر کے پیچھے نماز جائز ہے۔ '' صلوا خلف کل برّ و فاجر '' کی روایت کے الفاظ گو ضعیف ہیں، جیسا کہ علامہ ابن جوزی نے العلل المتناھیة (ج ۱، ص ۴۲۱، ۴۲۸) میں اس کے طرق نقل کر کے ان پر کلام کیا ہے اور امام احمد، امام دارقطنی اور امام عقیلی سے نقل کیا ہے کہ اس باب کی کوئی روایت ثابت نہیں۔ تاہم صحابہ کرام کا عمل اسی کے مطابق ہے۔ بلکہ ابن قدامہ اور علامہ شوکانی نے تو عصر اول میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۷۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔حجاج کے جور وظلم کے علاوہ اس کا ناصبی ہونا بھی کسی پر مخفی نہیں بلکہ امام بخاری نے التاریخ الکبیر اور امام بیہقی نے السنن الکبری (ج ۳ ص ۱۲۲) میں عبدالکریم البکاء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''أدرکت عشرۃ من أصحاب النبی ﷺ کلھم یصلی خلف أئمۃ الجور '' میں نے دس صحابہ کرام کو دیکھا وہ سب ائمہ جور کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب إمامۃ المفتون والمبتدع قائم کیا اور اس میں امام حسن بصری کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ'' صل وعلیہ بدعتہ '' کہ بدعتی کے پیچھے نماز پڑھو اس کی بدعت کا وبال اسی پر ہے۔اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اقدام کرنے والے بلوائیوں سے بڑھ کر فتنہ پرداز اور کون ہوسکتا ہے مگر اس کے باوجود جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے تو انہوں نے اثبات میں اس کا جواب دیا اور فرمایا کہ'' من دعا إلی الصلاۃ فأجیبوہ '' جو نماز کی طرف بلاتا ہے اس کی بات کو تم قبول کرو اور صحیح بخاری کے الفاظ ہیں:'' الصلاۃ أحسن ما یعمل الناس فاذا أحسن الناس فأحسن معھم ، واذا أساء وا فاجتنب إساء تھم''

''لوگ جو اچھا عمل کرتے ہیں نماز ان میں سب سے اچھا عمل ہے۔جب لوگ اچھا کام کریں تو تم ان کے ساتھ مل کر اچھا کام کرو اور جب وہ کوئی برا کام کریں تو ان کے اس برے کام سے اجتناب کرو''۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہ باب ذکر کر کے اشارہ کیا ہے کہ گناہ گار اور بدعتی کے پیچھے نماز جائز ہے اور اصول بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے کہ'' إن من صحت صلاتہ صحت إمامتہ '' جس کی اپنی نماز درست ہے اس کی امامت بھی درست ہے۔فقہاء کے اختلافی مسائل میں بھی یہی اصول ہے اور فاسق وبدعتی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔حدیث نبوی میں جو امامت کی شروط بیان ہوئی ہیں ان میں ''معصوم عن الخطا'' کا ذکر بہر نوع نہیں۔علامہ شوکانی نے اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھا کہ امام کے لیے عدالت شرط نہیں۔لیکن بدعتی اگر ایسی بدعت کا مرتکب ہے جو بدعت مکفرہ ہے تو اس کے پیچھے نماز قطعاً جائز نہیں۔

امام احمد اور شیخ الاسلام ایسے امراء اور ائمہ مساجد کے جہل اور تاویل کے عذر کی بنا پر انہیں معذور سمجھتے ہوئے ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مجموع فتاوی ج ۷ ص ۵۰۷، ۵۰۸ ج ۲۳ ص ۳۴۹)

علامہ ابن نجیمؒ اسی مسئلہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد خلاصۃً فرماتے ہیں: ''فالحاصل أنه يكره لهؤلاء التقدم ويكره الاقتداء بهم كراهية تنزيهية ، فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلّا فالاقتداء أولى من الانفراد ، وينبغي أن يكون محل كراهة الاقتداء بهم عند وجود غيرهم وإلّا فلا كراهة كما لا يخفى ''(البحر الرائق: ج۱ص۳۴۹)

''حاصل مسئلہ یہ ہے کہ اہل بدعت وفسق وغیرہ کو امام بنانا مکروہ ہے، اور ان کی اقتداء مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر ان کے علاوہ دوسروں کے پیچھے نماز ممکن ہو تو یہی افضل ہے، ورنہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا اکیلے پڑھنے سے اولی ہے، اور مناسب یہی ہے کہ ان کی اقتداء کی کراہت تب ہے جب کوئی دوسرا امام موجود ہو، اگر ایسا نہیں تو مکروہ بھی نہیں، جیسا کہ اس میں کوئی ابہام نہیں''۔

حبط اعمال کا مسئلہ

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بدعتی کا عمل ہی مردود ہے جیسا کہ بعض روایات اور سلف کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے، لہذا جب بدعتی کا اپنا عمل باطل اور مردود ہے تو اس کے پیچھے نماز کیونکر درست ہو سکتی ہے؟ تو اس کے بارے میں بھی مختصراً عرض ہے کہ اہل سنت کے نزدیک صرف شرک اور کفر ایسا عمل ہے جو خلود فی النار کا سبب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: '' إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ''(النساء : ٤٨، ١١٦)

''کہ اللہ تعالیٰ مشرک کو معاف نہیں کرے گا، اس کے علاوہ جسے چاہے معاف فرمادے''۔

اس کی تائید میں بہت سی احادیث بھی مروی ہیں جس کی تفصیل اس عجالہ میں ممکن نہیں، شائقین اس حوالے سے تفسیر ابن کثیر، فتح القدیر اور الدر المنثور ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: '' كنا أصحاب النبي ﷺ لا نشك في قاتل النفس وآكل مال اليتيم وقاذف المحصنات وشاهد الزور حتى نزلت هذه الآية ''(ابن كثير ج ١ ص ٦٧٩)

کہ ہم نبی ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں شک نہیں کرتے تھے کہ ناحق قتل کرنے والا، مالِ یتیم کھانے والا، پاکدامن عورتوں پر تہمت دھرنے والا اور جھوٹی گواہی دینے والا جہنمی ہے تاآنکہ یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ مشرک کے علاوہ جسے چاہے معاف کردے گا۔

جمہور علماء کا یہی موقف ہے۔ لہذا جب کفر وشرک کے علاوہ باقی سیئات کی معافی کی گنجائش ہے تو بدعتی کی معافی کا انکار اور اس کے اعمال کی بربادی کا اظہار کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

" ولا يحبط الأعمال غير الكفر ، لأن من مات على الإيمان فإنه لا بد أن يدخل الجنة ويخرج من النار إن دخلها ولو حبط عمله كله لم يدخل الجنة قط، ولأن الأعمال إنما يحبطها ماينافيها ولا ينافي الأعمال مطلقاً إلا الكفر وهذا معروف من أصول أهل السنة"(الصارم المسلول ص: ٥٥)

'' کہ کفر کے علاوہ اعمال کسی عمل سے ضائع نہیں ہوتے کیونکہ جو ایمان کی حالت میں فوت ہوگا وہ بہرنوع جنت میں داخل کیا جائے گا اور اگر جہنم میں چلا جائے تو وہ اس سے نکالا جائے گا۔ لیکن اگر اس کے تمام اعمال برباد ہوجاتے ہیں تو وہ جنت میں نہیں جائے گا اس لیے کہ اعمال کی بربادی کا سبب وہ امور ہیں جو ان کے منافی ہیں اور کفر کے علاوہ کوئی عمل بھی اس کے منافی نہیں اور اہل سنت کا یہ معروف اصول ہے''۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص کہتا ہے: اللہ کی قسم فلاں کو اللہ معاف نہیں کرے گا تو اللہ تعالی فرماتے ہیں یہ مجھ کو قسم دینے والا کون ہے کہ میں اسے نہیں بخشوں گا'' قد غفرت لفلان وأحبطت عملك '' اسے میں نے معاف کردیا اور تیرا عمل میں نے ضائع کردیا۔ (مسلم، ج ۲ ص ۳۲۹)

علامہ نووی اس روایت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ کبیرہ گناہ سے عمل برباد ہوجاتے ہیں۔ مگر'' مذهب أهل السنة أنها لا تحبط إلا بالكفر '' اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ حبط اعمال صرف کفر سے ہوتا ہے اور اس شخص کے اعمال ضائع ہونے کا معنی اور تاویل یہ ہے کہ اس کی نیکیاں گناہوں کے مقابلے میں کم ہوں گی، اور اسے مجازاً عمل ضائع ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے یا یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے کوئی ایسا عمل ہوا ہو، جو موجب کفر ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۲۹)

اسی طرح صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' من ترك صلاة العصر فقد حبط عمله '''' جس نے نماز عصر چھوڑ دی اس کا عمل برباد ہوگیا'' اس سے خوارج نے اہل معاصی کی تکفیر پر استدلال کیا ہے مگر جمہور اہل سنت کا قطعاً یہ موقف نہیں ہے، وہ اسے انتہائی زجر وتوبیخ قرار دیتے ہیں۔ حافظ ابن

حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تاویل میں اہل سنت کے مختلف اقوال نقل کیے ہیں مگر یہ اس تفصیل کا محل نہیں۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری (ج ۲ ص ۳۲، ۳۳ حدیث نمبر ۵۵۳)

فتح الباری (ج ا ص ۱۱۰) ہی میں انھوں نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اس نوعیت کی روایات سے مراد "احباط الموازنہ" ہے کہ وزن اعمال میں اس کی نیکیاں کم ہو جائیں گی۔ اور اسی کو مجازاً احباط عمل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہی بات علامہ نووی نے فرمائی ہے جیسا کہ اوپر ہم نقل کر آئے ہیں۔

اسی طرح حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ثلاثة لا یقبل الله عزوجل منهم صرفا ولا عدلا عاق ومنان ومکذب بالقدر۔ (ابن أبی عاصم فی السنة ص ۱۴۲ باسناد حسن، الترغیب ج ۳ ص ۳۲۸) علامہ البانی نے ظلال الجنۃ میں اسے حسن کہا ہے اور السلسلۃ الصحیحہ (رقم ۱۷۸۵) میں اسے درج کیا ہے۔ حالانکہ تمام قدریہ کے بارے میں سلف کا یہ موقف نہیں بلکہ انہی قدریہ کو کافر کہا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ازلی علم کا انکار کرتے ہیں۔ ورنہ تمام قدریہ اس کا مصداق نہیں ہیں، اور مقصد یہاں بھی یہ ہے کہ ان کے فرائض ونوافل وزن اعمال میں کم تر ہو جائیں گے۔ تمام اعمال کی بربادی یہاں مراد نہیں۔

اس کی ایک مثال اور بھی دیکھیے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (الحجرات : ۲)

اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند آواز کرنے اور عامۃ الناس کی طرح آپ کو بلانے کے نتیجہ میں خبردار کیا گیا ہے کہ ایسا کرنے سے تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ حافظ ابن کثیر اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"إنما ینهاکم عن رفع الصوت عنده خشیة أن یغضب فیغضب الله تعالی لغضبه فیحبط عمل من أغضبه وهو لا یدری" (ابن کثیر ج ٤ ص ٢٦٥) کہ آپ کے روبرو رفع صوت سے اس لیے منع فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس سے ناراض ہو جائیں اور آپ کی ناراضی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے تو اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے، اور اسے اس کا شعور بھی نہیں ہوگا"۔

جیسے آپ ﷺ نے فرمایا: ''انسان بسا اوقات اللہ کی ناراضی کا ایسا کلمہ کہہ گزرتا ہے جس کی طرف اس کو خیال بھی نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے وہ دوزخ میں چلا جاتا ہے''۔ (بخاری: ۶۴۷۷) گویا یہ ایک ڈرانے اور خبردار کرنے کا اسلوب ہے۔ مسلمان تو آپ ﷺ کے مقابلے میں اپنی آواز کی بلندی کا تصور نہیں کر سکتا۔ ... ئی توہین واہانت کی نیت سے ایسا کرے گا تو یقیناً اس کا عمل ایمان ہی جاتا رہے گا۔

علامہ ابن جوزی نے ایک توجیہ یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ ''ان الإحباط بمعنی نقص المنزلة لا حبوط العمل من أصله کما یحبط بالکفر'' (الأداب الشرعیة ج ۱ ص ۱۳۰) یعنی احباط عمل کے معنی یہ ہیں کہ ان کا درجہ کم ہو جائے گا، یوں نہیں کہ اس کے اعمال بالکل ضائع ہو جائیں، جیسے کافروں کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

اس مختصر وضاحت سے مقصد یہ ہے کہ ہر بدعتی کا عمل ضائع نہیں ہوتا، صرف وہ بدعتی جو شرک و کفر کا مرتکب ہو اس کا عمل برباد ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ'' یا جیسے فرمایا: ''لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ'' کہ اصل حبط عمل کا سبب کفر و شرک ہے، مرتکب کبیرہ کے اعمال کا ضائع ہونا خوارج و معتزلہ کا عقیدہ ہے، اہل سنت کا نہیں۔

البتہ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جیسے صدقہ وخیرات کا اجر احسان جتلانے اور ریاکاری سے ضائع ہو جاتا ہے، اسی طرح بدعتی کا وہ عمل جو بدعت پر مبنی ہے وہ بھی مردود ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ ''من أحدث في أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد'' (بخاری مع الفتح: ج۵ ص ۳۰۱ وغیرہ) ''جو ہمارے اس دین میں نیا کام جاری کرتا ہے وہ مردود ہے''۔

یہ نہیں کہ اس کے باقی سب اعمال ہی ضائع ہو جائیں گے۔ وہ اعمال جو قبولیت کی شرائط کے مطابق ہوں وہ اعمال مقبول ہوں گے۔ لہذا جب وہ نماز پڑھے گا تو اس کی نماز درست ہے، تو اس کے پیچھے دوسروں کی نماز بھی درست ہے۔

بدعتی کی اقتدا میں نماز کا حکم

گزشتہ صفحات میں فقہی اختلافی مسائل کے ضمن میں یہ اشارہ گزر چکا ہے کہ خون نکلنے سے اگر وضوٹوٹ جانے کا مقتدی قائل ہے مگر امام اس کا قائل نہیں، اس کا خون نکلا تو اس نے نماز پڑھا دی، اس کے

مسلک وموقف کے مطابق اس کی نماز جائز ہے تو مقتدی کی اختلاف مسلک کے باوجود نماز جائز ہے۔ اسی طرح ہم اس حوالے سے بھی ذکر کر آئے ہیں کہ اگر بدعتی امام بنا دیا جائے تو کیا حکم ہے۔

رہی یہ بات کہ بدعتی کی اقتدا کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ عمومی طور پر وہ اہل بدعت جو بدعت مکفرہ کے مرتکب ہیں اور وہ اس کے داعی ہیں۔ ان کے پیچھے تو نماز پڑھنے سے گریز کرنا چاہیے۔ لیکن جمعہ اور عیدین کی نمازیں جہاں کوئی صحیح العقیدہ امام نہیں ان کے پیچھے پڑھنا درست ہے۔ اسی طرح نماز خمسہ میں بھی اگر کوئی اور صورت نہیں تو وہ نمازیں جو ان کے پیچھے پڑھ لی جائیں درست ہوں گی۔ اس بارے ائمہ کرام کے اقوال مختلف ہیں۔

حافظ ابن حزم اس بارے میں اختلاف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وذهبت طائفة الصحابة كلهم دون خلاف من أحد منهم وجميع فقهاء التابعين كلهم دون خلاف من أحدمنهم وأكثر من بعدهم وجمهور أصحاب الحديث وهو قول أحمد والشافعي وأبي حنيفة وداؤد وغيرهم إلى جواز الصلاة خلف الفاسق الجمعة وغيرها وبهذا نقول وخلاف هذا القول بدعة محدثة فما تأخر قط أحد من الصحابة الذين أدركوا المختار بن أبي عبيد والحجاج وعبيد الله بن زياد وحبيش بن دلجة وغير هم عن الصلاة خلفهم وهؤلاء أفسق الفساق وأما المختار فكان متهما في دينه مظنونا به الكفر " (الفصل في الملل والأهواء والنحل ج ٤ ص ١٧٦)

''بلا اختلاف صحابہ کرام، اسی طرح تمام فقہائے تابعین اور ان کے بعد اکثر علماء اور جمہور محدثین کا یہ موقف ہے اور یہی قول امام احمد، شافعی، ابوحنیفہ، داؤد اور دیگر حضرات کا ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز جمعہ اور دوسری پنجگانہ نمازیں جائز ہیں۔ اور یہی ہمارا موقف ہے اور اس کے خلاف (عقیدہ رکھنا) بدعت ہے کوئی صحابی بھی مختار بن ابی عبید، حجاج بن یوسف، عبیداللہ بن زیاد، حبیش بن دلجہ وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھنے میں پیچھے نہیں رہا اور یہ لوگ افسق الفساق تھے بلکہ مختار تو اپنے دین میں متہم تھا اور اس کے بارے میں کافر ہونے کا گمان کیا گیا ہے''۔

حجاج اور مختار تو وہ بدنصیب ہیں جن کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی ہے۔

''ثقیف میں عنقریب ایک ہلاک ہونے والا ظالم اور دوسرا کذاب ہوگا''۔ (مسلم ج۲ ص۳۱۲)

مختار کے بارے میں تو حافظ ذہبی اور علامہ نووی نے لکھا ہے'' كان يزعم أن جبرئيل عليه السلام ينزل عليه ''وہ کہتا تھا کہ جبریل علیہ السلام اس پر نازل ہوتے ہیں۔(میزان الاعتدال ج۴ ص ۸۰، شرح مسلم ج۲ ص۳۱۲) اور کہا ہے هو شر من الحجاج کہ وہ حجاج سے بھی زیادہ بدبخت تھا علامہ ابن حزم نے یہی بات المحلی (ج۴ ص۲۱۳، ۲۱۴) میں کہی ہے۔

نجدہ بن عامر الحروری معروف غالی خارجی حج پر آیا تو حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے، ابن عمر سے اس بارے میں بات کی گئی کہ آپ نجدہ کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب وہ اچھے عمل کے لیے بلائیں تو ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں، مگر جب وہ قتلِ نفس کے لیے بلائیں تو ہم ان کی بات نہیں مانتے۔(السیر ج۳ ص۲۲۸، اصول السنۃ لابن ابی زمنین : ج۲ ص۱۰۰۲ بحوالہ موقف اھل السنۃ للدکتور ابراہیم الرحیلی)

علامہ ابن ابی العز شرح العقیدہ الطحاویہ میں لکھتے ہیں:'' والفاسق والمبتدع صلاته في نفسها صحيحة فاذا صلى المأموم خلفه لم تبطل صلاته '' (شرح الطحاويه ص ٣٧٤)

''فاسق اور بدعتی کی نماز فی نفسہا صحیح ہے، اگر مقتدی اس کے پیچھے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی''

مگر یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ نماز کا جائز ہونا اور بات ہے مگر ان کو امام بنانا درست نہیں بالخصوص جبکہ وہ داعی بدعت ہو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقاضا ہے کہ اس کی بدعت کی تردید کی جائے اور اس کی تعظیم وتکریم نہ کی جائے۔لیکن انکار منکر کے نتیجہ میں کسی مفسدہ اور فتنہ کا خوف ہے یا دوسری جماعت کی کوئی صورت نہیں تو ان کے پیچھے نماز جائز ہے جیسا کہ جمعہ یا عید یا ایام حج کی نماز وغیرہ کا مسئلہ۔

اسی تناظر میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

'' ولهذا كان الصحابة يصلون خلف الحجاج والمختار بن أبي عبيد الثقفي وغيرهما الجمعة والجماعة فان تفويت الجمعة والجماعة أعظم فسادا من الاقتداء فيهما بإمام فاجر '' (مجموع الفتاوى ج ٢٣ ص ٣٤٣)

''اسی لیے صحابہ حجاج اور مختار ثقفی کے پیچھے جمعہ اور جماعت (عیدین) پڑھ لیتے تھے، کیونکہ جمعہ وجماعت کے فوت ہونے کا فساد فاجر امام کی اقتدا کی نسبت زیادہ ہے''۔ اس کے بعد انھوں نے اسی فساد کی وضاحت بھی کی ہے بلکہ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایسی صورت میں جمعہ اور عیدین وغیرہ کی نماز باجماعت رافضی وغیرہ اہل بدعت چھوڑتے ہیں، ان کے الفاظ ہیں:

" إنما تدع مثل هذه الصلوات خلف الأئمة أهل البدع كالرافضة ونحوهم "(مجموع الفتاوی ج ۲۳ ص ۳۵۵)

امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں: ''ومن ديننا ان نصلى الجمعة والأعياد وسائر الصلوات والجماعات خلف كل بر وفاجر لما روى عن ابن عمر أنه كان يصلى خلف الحجاج " (الابانہ ص ۶۱)

''ہمارے دین میں سے ہے کہ ہم جمعہ، عیدین اور سب نمازیں، ہر نیک اور گناہ گار کے پیچھے پڑھیں، کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حجاج کے پیچھے نماز پڑھتے تھے''۔

اس بارے علامہ ابن نجیم کا قول البحر الرائق ج ۱ ص ۳۴۱ کے حوالے سے ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ کہ اہل بدعت کے پیچھے نماز کی کراہت تب ہے جب دوسرا امام موجود ہو۔

بلکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جہمی امراء وحکام کے پیچھے بھی نماز پڑھ لیتے تھے وہ فرماتے تھے کہ ہر جہمی کافر نہیں، یہ دراصل اپنی بے خبری اور جہالت کی بنا پر جہمیوں کے ہاتھ چڑھے ہوئے تھے، وہ درحقیقت جانتے نہ تھے کہ یہ عقیدہ کفر ہے (مجموع الفتاوی ج ۳ ص ۵۰۷، ۵۰۸)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ جہمی حکام جو اپنی بدعت کے داعی اور علمبردار تھے اور اپنے مخالفوں کو قید وبند کی سزائیں دیتے اور اسے تب تک نہ چھوڑتے جب تک وہ اقرار نہ کر لیتا کہ قرآن مخلوق ہے مگر اس کے باوجود امام احمد ان پر ترس کھاتے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ ایسے ہیں جن کے لیے یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ وہ رسول کی تکذیب کرنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اس کے لائے ہوئے دین سے انکاری ہیں بلکہ انہوں نے تاویل کی اور اس میں خطا کے مرتکب ہوئے اور جنھوں نے انھیں یہ کہا، ان کے مقلد ہو گئے۔ ایسے حکام وامراء یا ان کے مقرر کردہ اماموں کے پیچھے نماز
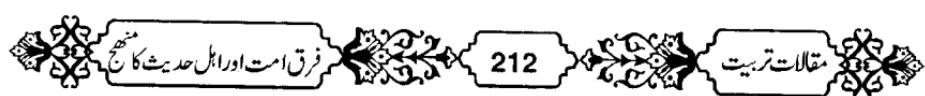
بالخصوص نماز جمعہ عیدین، حج کے دوران کی نمازیں درست ہیں۔ (مجموع الفتاوی ج ۲۳ ص ۳۴۹)

اسی طرح مختصر الفتاوی المصریہ میں فرماتے ہیں: ''جو یہ کہتا ہے کہ جس کا عقیدہ معلوم نہیں اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے''۔ یہ ایسی بات ہے جو کسی مسلمان نے نہیں کہی۔ اہل حدیث جیسے امام شافعی امام احمد اور امام اسحاق وغیرھم اس بات پر متفق ہیں کہ جمعہ کی نماز ہر نیک اور گناہ گار کے پیچھے جائز ہے۔ حتی کہ اکثر اہل بدعت جیسے جہمیہ ہیں جو قرآن کو مخلوق کہتے ہیں، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے بھی قائل نہیں، باوجود یہ کہ امام احمد ان کے ہاتھوں آزمائشوں میں مبتلا کیے گئے۔ پھر بھی وہ جہمیوں، قدریوں اور رافضیوں کے پیچھے جمعہ پڑھتے تھے۔ کسی کے لیے یہ درست نہیں کہ امام کے بدعتی ہونے کے باعث وہ جمعہ کی نماز ہی چھوڑ دتے''۔ (مختصر الفتاوی ص ۶۲)

چند صفحات بعد انھوں نے مزید فرمایا ہے: کہ جس کے لیے بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہ ہو وہ اس کے پیچھے نماز پڑھے اس پر کوئی اعادہ نہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ جو بدعت مکفرہ کا مرتکب ہے اس کے پیچھے جمعہ کی نماز کے بارے میں اختلاف ہے۔ جو کہتا ہے کہ اس کا مرتکب کافر ہے وہ ایسے بدعتی کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کے اعادہ کا قائل ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کبھی کسی فعل کے مرتکب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا مرتکب کافر ہے۔ لیکن معین طور پر تبھی کافر کہا جائے گا جب اس پر حجت قائم کر دی جائے۔ (مختصر الفتاوی ص ۶۷)

جس سے اس بارے میں شیخ الاسلام کے موقف کی وضاحت ہو جاتی ہے اور یہی بات اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔

اسی پر ہم اپنی گذارشات ختم کرتے ہیں۔ تمام فقہاء کرام کے اقوال کا استیعاب یہاں ممکن نہیں۔

نسأل الله تعالى أن يوفقنا لما يحب ويرضى ويرشدنا إلى الحق والصواب وصلى الله على حبيبه وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين ـ آمين

گروہ بندی اور تنظیم سازی میں اہل حدیث کا موقف

حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين محمد وعلى آله وأصحابه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أشهد أن لا اله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله وبعد:

اقبال کے ایک شعر کا میں سہارا لیتے ہوئے اپنی بات آپ کے سامنے رکھتا ہوں

اوروں کا ہے بیاں اور میرا بیاں اور ہے
عشق کے دردمند کا طرز کلام اور ہے

شاید میری یہ باتیں آپ حضرات کو ذرا انوکھی معلوم ہوں لیکن بحمد اللہ میں نے علماء کی جوتیاں اٹھائی ہیں، ان کی خدمت میں کچھ وقت گزارا ہے، کچھ اہل اللہ کی صحبت کی جھلک بھی دیکھی ہے اور کچھ الفاظ کی شدھ بدھ بھی ہے، اس لئے جو کچھ سمجھ پایا ہوں اور عقل وفہم میں آیا ہے وہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

آپ حضرات جو اہل علم اور اصحابِ بصیرت ہیں اور اس وقت آپ نے امت کی رہنمائی اور قیادت کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔ آپ کے سامنے میں اپنے احساسات رکھنا چاہتا ہوں تاکہ آپ ان پر غور کریں اور ان کو پرکھیں، اگر ان میں غلطی محسوس ہو تو میری اصلاح فرمائیں اور اگر یہ باتیں ایسی ہیں کہ انہیں اپنایا جاسکتا ہے اور ان پر آگے بڑھا جاسکتا ہے تو پھر ہمیں مل کر کوشش کرنی چاہیے کہ ہم ان خطوط پر مزید آگے بڑھیں اور ایک دوسرے کا دست و بازو بنیں۔

اپنی اصل بات شروع کرنے سے پہلے میں اپنے محترم بھائی اور بہت ہی مخلص ساتھی شیخ نجیب اللہ طارق صاحب کی بات کے تتمے اور تکملے کے طور پر ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میرے عزیزان! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صورت حال بہت ہی حوصلہ شکن ہے اور ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تاریکی کی ایسی فضا ہے کہ روشنی کی کرن کہیں دکھائی نہیں دیتی، ہر طرف مہیب اندھیرا ہے، اور جس

کی طرف بھی نگاہ اٹھتی ہے، انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ:

کسے رہنما کرے کوئی!

سیاسی قائدین، عسکری قائدین، مال وتجارت کے عمائدین اور سماج اور معاشرے کے اندر جو مرکزی حیثیت رکھنے والے لوگ ہیں ان سب کا یہ حال ہے۔ "اَلنَّاسُ کَإِبِلٍ مِائَةٍ لَا تَکَادُ تَجِدُ فِیهَا رَاحِلَةً" کہ کسی بھی آدمی سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ لیکن اس ساری صورت حال میں بھی مسلمان کیلئے مایوسی نہیں ہے۔ کیونکہ" إنه لا ييأس من روح الله إلا القوم الكافرون " " ومن يقنط من رحمة ربه الا الضالون" اپنے بندوں کونوازنے کے لئے اللہ کی رحمت بھرپور اور بے تاب ہے۔

جن خیرات وبرکات کا حوالہ محترم نجیب اللہ طارق صاحب دے رہے تھے، یہ ساری چیزیں ہماری حوصلہ افزائی کرتی ہیں کہ اللہ رب العزت نے ہمیں بہت کچھ دیا ہے، اتنے وسائل، اسباب اور بہت قیمتی مراکز دیے ہیں اور ہمیں اس طرح تیار فرمایا ہے کہ اب مسلمان اپنا کردار ادا کرنا شروع کر دیں، صحیح مسلمان بن کر کھڑے ہو جائیں اور اس دنیا میں وہ اپنا مشن بنالیں کہ ہم نے مسلم بن کر زندگی گزارنی ہے اور دنیا میں اسلام کا احیاء کرنا ہے اور یہ کام کسی اور نے نہیں کرنا، مسلم بننا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا یہ نبیوں کا کام رہا ہے، اورانہوں نے سب سے پہلے یہ اعلان کیا تھا کہ " أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ " میں سب سے پہلے مسلم ہوں، اور انہوں نے لوگوں کو" أَسْلِمْ تَسْلَمْ" کا پیغام دیا اور انہیں کفر وشرک کی گمراہیوں اور دنیا داروں کی غلامی سے نکال کر عزت وسرفرازی اور عبادت وفرمانبرداری کے روشن راستے پر گامزن کر دیا۔

آج انبیاء کے بعد یہ کام ان کے جانشینوں اور وارثوں کا ہے، یہ آپ حضرات کا کام ہے اور آپ نے ہی یہ کام کرنا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اس امت کے چارہ گر، کشتی بان اور اس کو ان اندھیروں سے نکالنے والے اللہ کے فضل، توفیق اور اسکی تائید وحمایت کے ساتھ اگر کوئی لوگ ہیں تو وہ امت کے علماء ہیں۔ امت کے علماء یہ کام کرسکتے ہیں اور انہوں نے ہی کرنا ہے پہلے بھی جب کبھی ہوا ہے تو انہی سے ہوا ہے اور اب بھی اگر ہوگا تو انہی سے ہوگا اس لئے مایوسی کی کوئی بات نہیں صرف اس راستے پر آگے بڑھنے کی ضرورت ہے جو اللہ تعالی نے ہمیں بتایا ہے کہ" إن تنصروا الله ينصر كم

ویثبت أقدامکم "۔

باقی جو کچھ ہمیں اپنے خلاف نظر آ رہا ہے بے شک یہ زہرہ گداز ہے، ایسا ہے کہ پتے پانی ہو جاتے ہیں اور یہ سازشی ماحول، سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہمہ جہت استیلاء اور یہ جبروت اور تسلط کی فضا جس نے ہمیں اپنی خواب گاہوں میں بھی ہراساں اور لرزاں کر رکھا ہے، نیند میں بھی ہم ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھتے ہیں کہ کوئی حملہ نہ ہو جائے، ہمیں پچھلے دور میں نہ دھکیل دیا جائے۔ مگر گھبرائیں نہ خاطر جمع رکھیں۔ قرآن اس بارے میں کہتا ہے: " والذین کفروا فتعسالهم وأضل أعمالهم " یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا لیکن بات پھر وہی ہے کہ " إن تنصروا الله ینصرکم "۔

ہمیں اس چیز کے اوپر کھڑے ہونا ہے اور اس کیلئے علماء کو قربانی دینی ہوگی سب سے پہلی چیز تو دین کے علم کا صحیح فہم اور اسکا یقین ہے۔ یہ آپ کا سرمایہ ہے کہ آپ اس علم کا فہم حاصل کریں ،اس کی بصیرت اپنے اندر پیدا کریں اور اس کا یقین آپ کے اندر اتر جائے، اس علم کا یقین ایسا ہو کہ پھر ساری دنیا کے حالات کچھ بھی نظر آتے ہوں لیکن اندر کا یقین اور اللہ کے ساتھ تعلق واقعتاً انسان کو ایسی قوت بنا دیتا ہے کہ وہ ساری دنیا کو مخاطب کر کے کہتا ہے " فکیدونی جمیعا ثم لاتنظرون " سارے مل کر جو چاہو کرلو ایک لمحے کی مہلت نہ دو" إنی توکلت علی الله ربی وربکم ما من دآبة إلا هو آخذ بناصیتها إن ربی علی صراط مستقیم " یہ چیز ہمیں اپنے اندر پیدا کرنی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ساتھ بھی یہ سنت پوری فرمائی ہے ابراہیم خلیل اللہ، موسیٰ کلیم اللہ............ اللہ اکبر

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
آج بھی کوہ طور سے آتی ہے بانگِ لاتخف

آج بھی وہاں سے بانگ لاتخف آرہی ہے کوئی میدان میں اترے تو سہی

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اللہ تعالیٰ کی اپنے نبیوں کے ساتھ یہ سنت رہی ہے اور وہ جو ساحر کا شاگرد غلام تھا، جس کا واقعہ آپ نے بخاری میں پڑھا ہے، اللہ تعالیٰ کس طرح اپنے بندوں کی مدد کرتا ہے، وہ کوئی بہت بڑا

عالم نہیں تھا اور عملی اعتبار سے بھی وہ کوئی بہت بڑی ہستی نہیں تھی ،صرف اللہ کے ساتھ اس نے اپنا تعلق سیدھا کر لیا تھا، پھر کیا ہوا؟ وقت کی ساری قوت اور سپر پاور، لاؤ لشکر اور پوری سپاہ اس کے سامنے بے بس ہوگئی۔

تو میرے عزیزو! ہمارا اللہ کے ساتھ جو مانگنے اور اس سے مانگ کر لے لینے کا تعلق ہے، اور جو اللہ رب العزت نے ہمیں اعزاز دیا ہے کہ ہم اس کے فقیر ہیں یہی اصل چیز ہے۔ کاش ہمیں اس کا علم ہو جائے ، ہمیں اس کی قوت معلوم ہو جائے کہ یہ کتنی بڑی طاقت ہے اور مادی وسائل سے محرومی کے اندر اللہ رب العزت نے ہمیں جو ایمانی طاقت اور روحانی قوت عطا فرمائی ہے اس کے اندر کتنی تاثیر ہے اور اس کی کہاں تک رسائی ہے اور کیا کچھ اس کے ساتھ کیا جا سکتا ہے...... اللہ تعالی ہمیں اسکا شعور نصیب فرمادے ...... اس لئے اس درد بھرے قصے سے مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ آپ کا عزم وحوصلہ جوان ہونا چاہیے کہ ایسی صورت حال میں ہم نے طوفانوں کے رخ موڑنے ہیں، ہم نے آگے بڑھنا ہے اور ہم نے اس امت کو صحیح سمت دینی ہے اور امت حقیقت میں علماء ہی ہیں۔

اور علماء بھی وہ جو صحیح دین کی بصیرت رکھنے والے ہیں (جو علم کی طرف منسوب ہیں اور علم کے نام پر تہمت ہیں، جن کا وجود علم کے لئے باعث ننگ ہے انکی بات نہیں کرتا) جو واقعی علم ویقین رکھنے والے ربانی علماء ہیں۔ اور یہی لوگ امت اور جماعت ہیں تو اس لئے ہمیں علماء کے اس گروہ میں شامل ہونے کی اللہ سے توفیق مانگنی چاہیے اور اس کے لیے جدو جہد کرنی چاہیے۔ ۔ ۔إن شاء الله العزيز امت کی قسمت بدلے گی اور اللہ رب العزت دستگیری فرمائے گا۔ اللہ رب العزت کی سنت یہی ہے، اگر چہ امتحان کے دن آتے ہیں'' تلك الأيام نداولها بين الناس'' اور ایسے حالات کہ لوگ کہتے ہیں '' متى نصر الله؟''

'' حتى إذا استيأس الرسل وظنوا أنهم قد كذبوا جاء هم نصرنا فنجي من نشاء ولا يرد بأسنا عن القوم المجرمين'' ۔(سورة يوسف : ١١٠)

اللہ رب العزت کی طرف سے معجزات کا ظہور رہوتا ہے لیکن لوگوں کی کوتاہی اور غفلت، ان کی بدعملی اور بے حسی کی وجہ سے کبھی یہ مدت لمبی ہو جاتی ہے۔ لیکن جب لوگ سنبھل جائیں اور سیدھے

راستے پر آ جائیں تو اللہ تعالی مدد فرماتا ہے۔

باقی دوسری بات جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں، کوئی لمبی چوڑی بات نہیں، صرف ایک فکر ہے جو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ ہم آج کے دور میں دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں بہت زیادہ گروہ بندیاں دھڑے، تنظیمیں اور جماعتیں ہیں اور ان جماعتوں کا آپس میں افتراق، بغض وعداوت اور عناد کا معاملہ، یہ انسان کو پریشان کرتا ہے کہ مسلمان امت کس طرح ٹکڑوں اور گروہوں میں تقسیم ہے۔ سیاسی گروہ بندیاں، وطنی اور علاقائی تقسیم، اعتقادی اور فکری گروہ بندیاں اور دھڑے بندیاں، فروعی اور اجتہادی مسائل کی وجہ سے مسلمانوں کی تقسیم اور پھر ایک فکر اور مسلک رکھنے کے باوجود شعبہ ہائے زندگی کے اختلاف کی وجہ سے مختلف میدانوں میں کام کرنے والے لوگوں کا یہ معاملہ کہ ہر کوئی دوسرے کی تردید اور تغلیط کرتا ہے، ایک دوسرے کی تنقیص کرتا ہے، دوسرے پر ذمہ داری ڈال کر اپنے آپ کو کریڈٹ دینا چاہتا ہے، نیک نامی اور اعتبار حاصل کرنا چاہتا ہے اس ساری صورتحال کو ہم محسوس کر رہے ہیں اور اس کے برے اثرات کو بھگت رہے ہیں تو ایسے حالات میں اہل علم حضرات کو کیا کرنا چاہئے؟ یہ بھی کسی ایک جماعت کا حصہ بن جائیں، کسی ایک دھڑے میں مدغم ہو جائیں اور کسی فریق کے قائد ہو جائیں یا اپنا الگ کوئی فریق یا جماعت بنالیں اور اپنے گرد چند لوگوں کو جمع کرلیں۔ ان کو کیا کرنا چاہئے؟

میں یہ سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب میں قبائلی عصبیت اور قبائلی اختلاف، تفاخر اور تنافس موجود تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ قبائلی عصبیت اور تفاخر و تنافس ختم کر کے مسلمانوں کو ایک دوسرے ہی شعور سے آشنا کیا اور وہ یہ تھا کہ اسلام پر فخر کرنا چاہیے۔ اسلام ہمارا باہمی رشتہ ہے، ہمیں باہم جوڑنے والا خون اور نسب نہیں بلکہ وہ دین اور ایمان ہے جو ہمیں باہم جوڑتا ہے اور اس بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ایک امت بنایا اور واقعتاً وہ ایک امت بن گئے لیکن شیطانی اثرات یا دشمن کے اثر یا منافقین کی سازش کی وجہ سے کبھی اختلاف ہوا تو لوگوں نے یہ نعرہ سنا یا للأنصار، یاللمهاجرين ۔ اب دیکھیے! ہجرت کا کام کتنا بلند ہے، دین کے اندر اس کا کیا مقام اور مرتبہ ہے اور یا للأنصار نصرت اسلام کتنا اونچا کام ہے لیکن اس ہجرت اور نصرت اسلام کے عنوان

سے لوگوں کو جمع کر کے جس مقصد کے لیے استعمال کرنا تھا وہ کیا تھا؟ تفریق بین المسلمین تھا۔ تو رسول اللہ نے فرمایا" أو بدعوة الجاهلية وأنا بين أظهركم " یہ تم نے کیا پکار لگانی شروع کر دی یا للمهاجرين، يا للأنصار۔ أو بدعوة الجاهلية وأنا بين أظهركم دعوها فانها منتنة" یہ اچھے اچھے نام اور ان ناموں کا شعار بنا کر مسلمانوں کے درمیان تفریق کرنا اور مسلمانوں کو آپس میں الجھانا یہ جاہلیت کا دعوی ہے، چھوڑ دو اسے " فانها منتنة " یہ انتہائی عفونت بھرا دعوی ہے اسکے قریب نہ جاؤ۔

(صحیح بخاری، كتاب التفسير: ٤٩٠٥۔ صحيح مسلم، كتاب البر والصلة : ٦٥٨٣)

اس سے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ کسی بھی نام کے ساتھ یا کسی اچھے ٹائیٹل کے ساتھ اگر آپ لوگوں کو جمع کر لیں اور پیچھے مقصد یہ ہو کہ ایک دھڑا اور فریق بنا لیا جائے تو یہ کام صحیح نہیں ہے، رسول اکرم ﷺ نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی، اب یہ کوئی بات ایسی نہیں تھی کہ جو بالکل جاہلیت والی ہو۔ ان کے ہاں آپس میں لڑائی کی عادت تھی جیسے اوس اور خزرج کے معاملات چلتے تھے لیکن جب اس کو ایک اسلامی عمل، انصار اور مہاجرین کا لبادہ دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسکی سخت حوصلہ شکنی فرمائی۔ لیکن اس کے باوجود مہاجرین اور انصار کا یہ تشخص ختم نہیں کیا گیا رسول اکرم ﷺ کے دور میں انصار اور مہاجرین کے تشخص کے ساتھ لوگ موجود تھے لیکن اس تشخص کے بعد جو آپس میں ٹکراؤ اور الجھاؤ والی بات تھی اسکو رسول اللہ ﷺ نے ختم کر دیا۔

تو یہاں سے میں ایک بات سمجھتا ہوں، اہل علم موجود ہیں وہ اس سلسلہ میں رہنمائی فرمائیں، کہ جس طرح جاہلیت کے دور میں لوگوں کے درمیان تفریق و تحزب تھا اس کو تو اسلام نے ختم کر دیا لیکن اسلامی اعمال کے حوالے سے ان کو اسلامی تشخص دیا ہے لیکن آپس میں عصبیت اور حزبیت کو قائم کر کے ایک دوسرے کے خلاف ہونے اور تفریق کی اجازت نہیں دی بلکہ یہ فرمایا کہ مہاجرین اور انصار سب ایک ہیں ان سب کا مقصد اور راستہ ایک ہے حالانکہ یہ الگ الگ بھی ہیں اور ایک بھی ہیں۔ تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں کام کرنے کے لیے جماعت اور ایک اجتماعی شکل قائم کرنا ایک انسانی ضرورت ہے اس کے بغیر کام نہیں ہو سکتا، خاندان کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا یہ ایک جبلی اور سماجی ضرورت ہے اور اسی طرح یہ بھی ضرورت ہے کہ ایک آدمی عقل کل نہیں ہوتا

اور ایک آدمی سارا کام نہیں کرسکتا۔ کام کرنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے کہ جماعت بنائی جائے۔ لیکن جس چیز کی اسلام نے حوصلہ شکنی اور سخت مذمت کی ہے وہ یہ کہ جماعتیں آپس میں ٹکرانے لگیں اور ایک دوسرے کی مخالفت کرنے لگیں ایک دوسرے کو ختم کرنے پر تُل جائیں اور یہ کہنے لگیں کہ صرف میں ہوں اور باقی اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

میں کبھی یہ آیت پڑھتا ہوں اور غور کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے " وإذ أخذ الله ميثاق النبيين لما آتيتكم من كتاب وحكمة ثم جاء كم رسول مصدق لما معكم لتؤمنن به ولتنصرنه " رسولوں سے یہ عہد لیا ہے کہ تمہاری شان، عظمت، رسالت و نبوت، اور مقام و مرتبہ اپنی جگہ پر لیکن اگر تمہارے ہوتے ہوئے تمہارے سامنے ایک دوسرا رسول ہماری طرف سے آجاتا ہے تو آپ نے یہ نہیں کہنا کہ بس میں ہی ہوں اور کچھ نہیں بلکہ اس کی تائید اور مدد کرنی ہے۔

دین کے سارے کام کوئی ایک فرد یا جماعت نہیں کرسکتی یہ کام فطری طور پر ایسے ہیں کہ جیسے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا جب عبداللہ بن عبدالعزیز العُمری الزاھد جو کہ ایک بڑے اللہ والے بزرگ تھے انہوں نے امام مالک کو خط لکھا کہ یہ کیا تو نے علم کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے، پڑھانے اور لوگوں کو حدیثیں سکھانے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے؟ عبادت میں انسان کو وقت گزارنا چاہیے، اور علم حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ رب العزت کی معرفت حاصل کر کے تعلق باللہ کے ساتھ زندگی گزارے۔ تو امام مالک نے جو اسے جواب دیا وہ بہت ہی بصیرت افروز جواب ہے، کہنے لگے کہ اللہ پاک کی تقسیم ہوتی ہے کسی کو اللہ پاک کسی میدان میں فتوحات عطا فرماتا ہے اور کسی کو کسی میدان میں، کسی کو اللہ تعالیٰ عسکری میدان میں قوت عطا فرماتا ہے، کسی کو علمی میدان میں، اور کسی کو عبادت کے میدان میں، اور کسی کو تجارت کے میدان میں اور ہمیں اللہ تعالی نے علم کے لیے چنا ہے اس لئے ہمیں اس میں کام کرنے دو اور تم کو اللہ نے اس میدان کے لیے چنا ہے تم اس میدان میں کام کرو، جسے عسکری اور تجارتی میدان کیلئے چنا ہے انہیں اسمیں کام کرنے دو سب دین کے لیے کام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر نہیں چل سکتے اور دین کے مختلف شعبے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۸ ص ۱۱۴، ترجمہ: امام مالک)

اس سے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ رب العزت ساری چیزیں کسی ایک آدمی کو نہیں دے دیتا بلکہ اللہ رب العزت نے لوگوں کے اندر تقسیم کی ہوئی ہے اور اس کام کے لیے مختلف لوگوں کی ضرورت ہے۔ اور اس کام کو کرنے کے لیے پھر ان لوگوں کو ایک نظام، جماعت اور ایک سیٹ اپ قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن جو چیز اس وقت منفی پیدا ہو چکی ہے وہ آپس میں اختلاف اور معارضہ ہے اور ہر ایک اپنے آپ کو سب کچھ سمجھتا ہے اور دوسروں کی نفی کرتا ہے۔ پچھلے لوگوں نے کیا کیا؟ کام صرف وہی ہے جو ہم کر رہے ہیں۔ آج تک کسی نے کچھ نہیں کیا، وقت اور وسائل برباد کر دیے، عمریں ضائع کر دیں آج تک کیا کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں پہلوں کی نفی نبیوں کا طریقہ نہیں ہے بلکہ وہ تو" مصدقا لما بین یدی" پہلوں کی تصدیق کرتے ہیں اور کہتے ہیں" ما کنت بدعا من الرسل" میں کوئی نئی چیز لے کر نہیں آیا وہی بات کہتا ہوں جو پہلے کہتے رہے ہیں، میں اپنی بات نہیں کہتا انہی کی بات کہہ رہا ہوں انہی کے مشن کو لے کر آگے چل رہا ہوں، پہلوں کی تردید نہیں بلکہ ان کی تائید کے لیے آگے بڑھ رہا ہوں اور جو میرے ساتھ دوسرے موجود ہیں ان کی بھی نفی نہیں کرتا، دوسروں کی خدمات کا اعتراف کریں، جہاں تک ممکن ہو ان کی تائید وحمایت اور آپس کے اندر وتعاونوا علی البر والتقوی کی فضاء قائم کریں۔ جہاں آپ دوسروں سے تعاون کر سکتے ہیں کریں۔ ہاں اگر کہیں غلطی نظر آئے تو اس کو واضح طور پر غلط کہنے کا حق آپ کو اور ہر ایک کو حاصل ہے اور اس کا اظہار کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''علی میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ لیکن مجھے تلوار ایسی دے دیں جو کافر اور مسلم کے درمیان فرق کر سکے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے میں کیسے چلا جاؤں''۔ گھر بیٹھ گئے اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کہا تھا کہ میری سمجھ میں بات نہیں آتی، میں نہیں ساتھ چل سکتا اور بھی بہت سارے لوگ تھے جو پیچھے ہٹ گئے۔ تو جس بات کو آدمی سمجھتا نہیں اس پر کیسے چل سکتا ہے۔ اس لیے کہ وحی تو کسی پر نازل نہیں ہوتی، آدمی استنباط کرتا ہے اور نصوص سے رہنمائی لیتا ہے، آج کوئی بات سمجھتا ہے اور کل اسے معلوم ہوتا ہے کہ میں غلط

سمجھا تھا، آدمی اس سے رجوع کر لیتا ہے یا ایک چیز کی آج سمجھ نہیں آتی ایک عرصے کے بعد اس کی سمجھ آجاتی ہے اہل علم کے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے۔علمی مسائل میں زندگی کے اندر انسان کے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے اور جو فکری مسائل ہیں، جن کے اوپر انجام کا انحصار ہوتا ہے اور جن کے مطابق فیصلے ہونے ہوتے ہیں ان کے متعلق تو واقعتاً انسان کے لیے ایسی صورت حال ہوتی ہے کہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔اس لیے ان چیزوں میں کسی سے کوئی فرو گذاشت ہو تو اسے برداشت اور گوارا کیا جائے، اس کو سکون، تحمل اور حسنِ ظن کے ساتھ برداشت کیا جائے کہ ٹھیک ہے اس کی سمجھ میں بات نہیں آئی اللہ کرے درست بات سمجھ میں آجائے۔

مرتدین کے متعلق حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی رائے مختلف تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اصرار کر رہے ہیں حتی کہ اللہ رب العزت نے حضرت عمر کا سینہ بھی کھول دیا۔اور مصحف کے بارے میں جب یہ کہا گیا کہ اسے لکھوا لو تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اصرار کر رہے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ انکار کر رہے ہیں حتی کہ اللہ رب العزت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ والے موقف کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تو اہل علم کے اندر اس طرح کی فضا ہونی چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کو سمجھائیں، ایک دوسرے سے بات کریں، ایک دوسرے کو برداشت کریں اور ایک دوسرے کے متعلق حسنِ ظن رکھیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارا یہ حلقہ اب اہل الحدیث، اہل السنۃ والجماعۃ کا حلقہ ہے، لیکن میرا تو جی چاہتا ہے بس میرا یہ احساس ہے کہ کہیں ہم ان لوگوں تک بھی پہنچ سکیں، ان کے علماء کے دروازوں پر پہنچ کر دستک دیں اور جا کر ان اللہ کے بندوں کو بھی سمجھائیں جو ہماری مخالفت کرتے ہیں اور ہمیں مٹانا چاہتے ہیں ہمیں معلوم ہے ان کے دلوں میں کیا کچھ ہے وہ ہمارے متعلق کیا کہتے ہیں ان کو بھی جا کر کہیں کیونکہ وہ بھی ہمارے بھائی ہیں، پتہ نہیں وہ غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں یا ہمارے بعض لوگوں کے ردعمل کی وجہ سے وہ اتنے تند و تیز ہو گئے ہیں، انہیں حقائق سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے، لیکن مایوسی پھر بھی نہیں اگر ان لوگوں تک پہنچا جائے اور ان سے بات کی جائے تو ان شاء اللہ العزیز ہر جماعت کے اندر رجال رشید ہوتے ہیں'' أليس منكم رجل رشيد '' کوئی نہ کوئی تو رجل رشید ہوتا ہی ہے جو آپ کا ساتھی بنتا ہے اس لئے ہمیں تو اس چیز کو فروغ دینا چاہیے اور اس کے حلقے کو وسیع کرنا

چاہیے اوران لوگوں تک بھی پہنچنا چاہیے اور بلا امتیاز مقلدین وہ حنفی دیوبندی ہوں یا بریلوی رضا خانی ہمیں ان تک پہنچنا چاہیے اور ان کے ساتھ بات کرنی چاہیے اور کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اپنے اختلافات کو گھٹائیں اوران اختلافات کو صحیح بنیادوں کے اوپر ختم کرنے کی کوشش کریں میں سمجھتا ہوں کہ کسی چیز کو مقصد بنا کر سنجیدگی کے ساتھ شروع کرلیا جائے تو اللہ رب العزت برکت عطا فرماتے ہیں۔ فرض کیا اگر کامیابی نہ بھی ہو پھر بھی آپ کا سفر رائیگاں نہیں، کم از کم حسن نیت کا ثواب تو ضرور ملے گا إن شاء الله۔

میں علماء سے یہ گزارش کرتا ہوں کہ وہ جماعت ہیں حدیث میں ہے کہ'' عليكم بالجماعة وإياكم والفرقة'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا خطبہ دیا اور کہا کہ جس طرح میں نے خطبہ دیا ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ ''عليكم بالجماعة وإياكم والفرقة'' امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جماعت کون ہے؟ عبداللہ بن مبارک سے کسی نے پوچھا تو انہوں نے کہا ابو بکر وعمر جماعت ہیں پھر کسی اور کا نام لیا، ابوحمزہ سکری کا نام لیا امام ترمذی آخر میں خلاصہ نکالتے ہیں ''وتفسير الجماعة عند أهل العلم هم أهل العلم والفقه والحديث (کہ جماعت اہل علم، اصحاب فقہ وبصیرت اور حاملین حدیث ہیں) (جامع ترمذی، كتاب الفتن، باب ما جاء في لزوم الجماعة: ٢١٦٥)

علماء ہی اصل جماعت ہیں اور انہوں نے جماعت کو قائم رکھنا ہے اس لیے انہیں گروہوں کے اندر تحلیل نہیں ہوجانا چاہیے کہ آپ کا سب کچھ کسی گروہ کیلئے وقف ہوجائے، آپ کو گروہوں کو جوڑنے اور ملانے کا کام کرنا چاہیے، اور جو لوگوں کے اندر فطری طور پر ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں، ایسی عادات اور نفسیات جو گروہ بندی اور حزبیت پرستی کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہیں آپ علماء نے ان چیزوں کا ازالہ کرنا ہے۔ آپ ان کے طبیب ہیں اور معالج ہیں اور ظاہر بات ہے کہ یہ کام بہت مشکل ہوتا ہے کہ بیماروں کے ساتھ رہتے ہوئے، اپنے آپ کو بچا کر رکھا جائے، اور بیماروں کا علاج بھی کیا جائے۔ اور یہ زندگی ایسی ہی ہے، جیسے کسی نے کہا ہے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای

باز مے گوئی کہ دامن تر مشو ہوشیار باش

اللہ رب العزت نے اس امتحان میں ڈالا ہے اور سب سے زیادہ مشکل امتحان نبیوں کا ہوتا ہے ثم الأمثل فالأمثل اور آپ نبیوں کے وارث ہیں اس لیے یہ امتحان تو بڑا مشکل ہے لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں ''ایہ کسے بھانڈے دا ڈھکن نہیں'' یہ مولوی کسی دیگ کا ڈھکنا نہیں ہے، یہ کسی جماعت میں نہیں ہے آج یہاں ہے کل وہاں ہے اس کی کسی جماعت اور پارٹی میں کوئی قیمت نہیں ہے۔

لوگوں کو جہاں مفادات نظر آتے ہیں اسی پارٹی سے منسلک ہو جاتے ہیں لیکن ہمیں ایسے مفادات سے دست بردار ہو جانا چاہیے، کیونکہ ہم تو مسلمانوں کو جوڑنے اور ملانے کا مشن رکھتے ہیں اور اس کے لیے ہم صرف اللہ سے اجر کے امیدوار ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ یہ جماعتیں آپ کو سپورٹ نہیں کریں گی لیکن ہمارا اعتماد اللہ پر ہے۔"و ما سألتكم من أجر إن أجرى إلا على الله" اس لئے اہل علم جماعت ہیں اور اہل علم کو اجماعیت قائم رکھنی ہے۔

ہمارے بعض احباب تو یہ کہتے ہیں کہ جماعت بندی اور تنظیم سازی اصلا ہے ہی بدعت، تو میں بڑے احترام کے ساتھ یہ کہنے کی جسارت کرتا ہوں کہ جماعت بندی ایک ضرورت ہے جو کام کی تنظیم کے لیے بعض دفعہ ضروری بھی ہوتی ہے - جیسے خانگی زندگی ایک ضرورت ہے جس میں سوتن لانے کی اجازت تو ہے، لیکن پھر اس سوتن پن کو برداشت کیا جاتا ہے، تو جب تک ایک نظم کے تحت مشاورت اور پھر افراد کی تقسیم کار نہ ہو تو کام نہیں چلتا، لیکن اس گروہ اور جماعت کے افراد وارکان میں حمیت وعصبیت، دوسروں کو حقیر جاننا اور پھر اسی بنیاد پر جماعات اور تنظیموں کا باہمی تنافس وتحاسد اور تباغض وتدابر یہ البتہ غلط اور بہت برا طرز عمل ہے۔ جماعتی مفادات کی خاطر آدمی دوسرے مسلمانوں بلکہ اپنے عقیدہ کے بھائیوں کے ساتھ ولاء اور براء، الحب للہ والبغض فی اللہ کی اساس کو ہی فراموش کر دے یقیناً یہ اور ایسے تمام پہلو جو واقعی ہیں قابل مذمت ہیں۔

لیکن صبر وتحمل کے ساتھ آدمی خود ان چیزوں سے اجتناب کرتے ہوئے دوسروں کو

برداشت کرے اور حتی المقدور اصلاح کرے۔تو إن شاء اللہ العزیز اللہ رب العزت بڑے کریم اور مہربان ہیں، اپنے بندے کی محنت کو ضائع نہیں کرتے" إنا لا نضيع أجر المصلحين " یہ اصلاح کا عمل بڑا عظیم عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم سب کا حامی و ناصر ہو ہماری کوششوں اور مساعی میں اتحاد و برکت عطا فرمائے اور ان کو نتیجہ خیز بنادے...... آمین یا رب العالمین۔

علومِ نبوت کے طلبہ کی ذمہ داریاں

پروفیسر عبد الجبار شاکر حفظہ اللہ

آج کی اس نشست میں میری حاضری ایک سعادت پر محمول کی جا سکتی ہے اور یہ ایک بھاری ذمہ داری بھی ہے کیونکہ آج میرے مخاطب وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً علوم نبوت کے وارث ہیں۔ یہ دینی درس گاہیں اور جامعات جو قائم ہیں یا قائم ہو رہی ہیں، اسلام کے بہت بڑے قلعے ہیں۔ میں آپ حضرات کی خوش نصیبی پر رشک کرتا ہوں کہ میں نے مدۃ العمر علومِ جدید کے مراکز سے تعلیم حاصل کی ہے۔ میرے ایامِ طفولیت اور شباب ایسی وادیوں میں گزرے ہیں، جن میں یقین کی دولت غائب، اور تشکیک کی دنیا آباد ہو جاتی ہے۔

میں ایک ایسا مسافر ہوں جس نے اس علمی سفر کی دونوں سمتوں میں جھانک کر دیکھا ہے۔ اس لیے میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آپ معلومات کے نہیں بلکہ علم کے وارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وہ علمی وراثت جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے انسانیت کو عطا کی اور جس کا نقطۂ کمال اور منتہائے کمال یہ تھا کہ اس آخری امت کے لیے ایک ایسا منہجِ علمی تشکیل دے دیا کہ اب قیامت تک کے لیے اس کی ذمہ داری اور مسئولیت آپ لوگوں کے کندھوں پر ہے۔

ان دینی مدارس اور جامعات کی حمایت وتعاون میں نہ تو سرکاری سرپرستی ہے نہ کوئی بہت بڑی معاشی منصوبہ بندی ہے۔ یہاں کے فارغ التحصیل حضرات کے لیے مستقبل میں بہت ساری معاشی ترغیبات کا بھی کوئی جہان آباد دکھائی نہیں دیتا۔ یہ طلبہ یہاں آنے سے پہلے بھی سوچ سمجھ کر آتے ہیں کہ یہ ماحول کیا ہے؟ اور یہاں سے فارغ ہونے کے بعد کس مشقت بھرے اور آزمائشوں سے پُر ماحول کی طرف انھوں نے رجوع کرنا ہے؟ اس اعتبار سے اس کائنات میں آپ سے زیادہ سعید روحیں کوئی نہیں ہو سکتیں کہ جن کو آنے سے پہلے ہی یہ احساس ہے کہ ان درس گاہوں سے کیا میسر ہوگا، اور ان کے مقاصد میں معیشت کا کوئی خواب، تجارت کی کوئی سکیم اور نفع وضرر کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا۔

مقصد کا تعین:

مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ اتنا بڑا فیصلہ کہ جس نے آپ کی ایک منزل متعین کر دی ہے، آپ کی سرگرمیوں کے دائرے متعین کر دیے ہیں اور آپ کے شب و روز کی مصروفیات کا ایک پورا نظم الاوقات متعین کر دیا ہے۔ اتنا اہم فیصلہ کرنے اور اتنی بڑی قربانی کے بعد کہیں ایسا تو نہیں کہ راستے پر چلنے والے ایک مسافر کی حیثیت سے آپ نے اس مقصد کا ادراک اور شعور گم کر دیا ہو، جو اس کی روح رواں اور جان ہے اور جس کے بغیر اس کام میں وہ لذت، فرحت اور کمال پیدا نہیں ہو سکتا جو اس وظیفۂ علمی کے لیے ناگزیر ہے۔ اس لحاظ سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات کو پہلے ہی سے یہ تعین کر لینا چاہیے اور ہر وقت یہ بات ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ آپ خود کون ہیں؟ اور کس سفر پر نکلے ہوئے ہیں؟ آپ کی منزل کیا ہے؟ خیال رہے کہ اس مادی دنیا کے حریص اس مقصد کو نہیں پا سکتے۔

علوم نبوت کی اہمیت:

دوسری حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگ جس چیز کو حاصل کر رہے ہیں، وہ سراسر علوم نبوت سے متعلق ہے۔ علوم نبوت میں سب سے پہلی چیز خود وحی کا وہ آخری نظام اور پیغام ہے جو قرآن مجید کے متن کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ یہ علومِ نبوت کا مرکزی اور اساسی مرجع ہے جسے تمام مصادر علمی میں ہمیشہ سے ایک افضلیت اور سبقت حاصل رہی ہے۔ یہ ان صحائف کی تصدیق اور توثیق بھی کرتا ہے جو اس سے پہلے اتارے گئے، اور بعض اساطیری روایات جو دنیا میں وحی کے نام سے پھیلی ہوئی ہیں ،ان کی تردید بھی کرتا ہے۔

یہ نسخۂ کیمیا پوری انسانیت کے پاس ایک ایسا منہجِ علمی ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحی اور الہام کی مستند شکل ہے۔ یہ قرآن علمی منہج کو متعین کرنے کے لیے ہمارے پاس موجود ہے اور اس کی حفاظت کے لیے انسانوں کو مکلّف نہیں ٹھہرایا گیا ہے۔ یہی علمِ وحی ہمارے لیے خود اس چیز کا تعین کرتا ہے کہ اس علمِ وحی کی تفہیم کے لیے اور اس پر عمل کے لیے ایک دوسرا علم ہے جو خود اس کے بطون سے پیدا ہوتا ہے اور وہ علم حدیث اور سنت کا وہ ذخیرہ ہے جسے محدثین نے کمال ریاضت اور بے مثال تقویٰ اور حزم و احتیاط کے ساتھ مدوّن اور مرتب کیا ہے۔

یہ کتابِ حکیم جس شخصیت کی طرف بھیجی گئی ہے، اس شخصیت کا کارنامۂ سیرت کیا ہے؟ کہ

جس نے اس قرآن مجید کی علمی اور عملی وضاحت انسانیت کے سامنے پیش کی جسے ہم اسوۂ رسول کہتے ہیں، جسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کمال عقیدت اور جذبۂ اتباع سے محفوظ بنا دیا ہے۔ جب تک یہ دونوں متون علوم نبوت کے ساتھ ساتھ نہیں چلتے، اس وقت تک دین کا نصب العین، اس کا فہم اور اس کے مقاصد صحیح معنوں میں متعین نہیں ہو سکتے۔ یہ ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ جسے علوم الحدیث کہتے ہیں، اس علم کا وجود بھی خود اس علم وحی سے پیدا ہوتا ہے۔ انہی دونوں علوم اور متون کے ساتھ فرد کی اصلاح، ایک صالح معاشرہ کی تشکیل اور ایک آئینی ریاست اور حکومت کا قیام وابستہ ہے۔

میں یہ بات شرح صدر کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ کتاب اللہ اور علم حدیث کے ان متون کے علاوہ جو علوم وفنون ہیں، انہیں صرف کتاب وسنت کا شارح اور خادم ہونا چاہیے۔ کوئی بھی شعبۂ علم اور کوئی بھی فن اگر دین وشریعت کے مقاصد کو پورا نہیں کرتا تو وہ علم نافع کی بجائے مضرت رسانیوں کا انبار ہے۔ کتاب وسنت کے اساسی علم کے مقابلے میں یہ صرف ونحو، لغت، معانی، فقہ واصول فقہ جیسے علوم وفنون ثانوی درجہ رکھتے ہیں اور بلاشبہ ان اساسی مصادر کو سمجھنے کے لیے ان فنون اور معاون علوم کی بہت اہمیت ہے۔ ان علوم وفنون کی استعداد کے بغیر آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح وتفسیر نہیں کر سکتے۔ میرا مقصود یہ ہے کہ یہ معاون علوم بذاتہ مقصود نہیں بلکہ اسلامی علوم کی حکمت کو سمجھنے کا ایک ذریعہ ہیں۔

یہ توجہ طلب بات ہے کہ علوم نبوت دنیا کی علمی میراث میں سب سے ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ علوم نبوت کی اوّلین درس گاہ اور معلّم اول صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک ہمہ وقت اور ہمہ جہت درس گاہ تھی، اس درس گاہ کا نظم الاوقات آج کی طرح نہیں کہ صبح فجر سے شروع ہو کر ظہر سے پہلے اسباق ختم ہو جائیں گے بلکہ اس علم کے اولین مخاطب، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو ایک ایسے کلاس روم سے تعلق رکھتے تھے جو ان کی پوری زندگی پر محیط تھا اور ان کے کلاس روم کے نظم الاوقات اور سرگرمیاں بھی شبانہ روز زندگی پر محیط تھیں، ان کے درمیان کوئی خلا، وقفہ، تضاد، یا انتخاب دکھائی نہیں دیتا ہے۔

علوم نبوت کے طلبہ کی ذمہ داریاں:

ان ابتدائی معروضات کے بعد عرض کرتا ہوں کہ علوم نبوت کے طلبہ کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں۔قرآن مجید کی جن آیات میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے اغراض ومقاصد کو بیان کیا گیا ہے، ان ساری آیات کو متحضر کیجئے تو وہ مقاصدِ ثلاثہ نظر آتے ہیں جو ان تمام آیات میں مشترک بیان ہوئے ہیں۔

ان ساری آیات کو دیکھئے تو پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اساسی فریضہ یہ ہے: ''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِي ضَلاَلٍ مُّبِيْنٍ '' (آل عمران ۳:۱۶۴)

نکتۂ اول: ''يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ'' اس میں قرآنی متن کی آیات کی تلاوت کا ذکر ہے اور پھر اس تلاوت کے ساتھ وہ فنون شامل ہیں جن کا تذکرہ بھی قرآن میں آتا چلا جائے گا۔ ''ورتل القرآن ترتیلا'' ''قرآن کو پڑھنا کیسے ہے؟ پھر یہ آئے گا کہ یہ قرآن جس زبان میں موجود ہے، وہ زبان کیا ہے؟ اُم القریٰ کی ان وادیوں میں اس زبان کی اہمیت کیا ہے؟ یعنی خود قرآن مجید اپنے معاون علوم وفنون کا تعین کرتا چلا جاتا ہے۔ان آیات کے متن میں جھانک کر دیکھیں تو ایک ایک بات کا تعین ہوتا چلا جائے گا کہ اس قرآن کے فہم، عمل، دعوت اور درس وتدریس کے لیے کون کون سے علوم وفنون کی آپ کو ضرورت ہے۔اس طرح ''یتلو علیهم آیاته'' کے علوم اور فنون ایک جگہ قائم ہو جائیں گے۔ دنیا میں کسی مذہبی کتاب کی قرأت کے لیے ایسے مستقل قواعد نہیں ہیں۔

نکتۂ ثانی: ''وَيُزَكِّيْهِمْ'' یہ تزکیۂ نفس کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اگر آپ غور کریں تو دین کا کلّی مقصود اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے کہ نفس امّارہ رکھنے والی شخصیت کو نفس لوّامہ کے مراحل سے گزارتے ہوئے نفس مطمئنہ کے درجے پر کیسے لے جانا ہے؟ یہ قرآن مجید کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ اس کتاب مقدس کی تعلیمات، حلال وحرام کے شعور، طیبات اور خبائث کے فرق اور ان کے تقاضے بتاتی ہیں؟ یہ سب معاشرتی اور تمدنی تقاضے مستقل فنون کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ انسانی نفس کا مطالعہ اپنی جگہ ایک بڑا عجیب وغریب موضوع ہے۔ دنیا میں پہلی اہم کتاب جو نفسِ انسانی کی ماہیت کے ساتھ اس درجہ بحث کرتی ہے، وہ خود قرآن مجید ہے، جو علم النفس کا ایک بہت بڑا مضمون ہے۔ مکّی زندگی کی وہ ساری سورتیں جن میں انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کا تذکرہ تفصیل سے نظر آتا

ہے، یہ ان افراد اور گروہوں کی نفسیات ہی کا تذکرہ ہے کہ ان قوموں کی نفسیات کیا تھی؟ ان کی نفسیات میں جو ناپاکی، کثافتیں اور غلاظتیں جسے آج کی زبان میں (Pollution) کہتے ہیں، تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ اس کتاب میں اعلیٰ درجہ پر انسانی نفسیات (Psychology) کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ دین کیا ہے؟ انسان جو مختلف قسم کی جبلّتوں کا مجموعہ ہے، ان ساری جبلّتوں کے تزکیہ کا نام ہے۔ انسانی شخصیت کا یہ پہلو بڑا ہی نازک ہے آپ دیکھئے کہ انسان کے ساتھ جتنی جبلتیں وابستہ ہیں، مثلاً بھوک ایک جبلت ہے، اس جبلت کے لیے شریعت نے کیا کیا حدود قائم کی ہیں، حلت وحرمت کے کیا معیار قائم کر دیے اور جو اشیاء بھی انسان کی اس جبلت کے لیے نقصان دہ ہو سکتی تھی ان سب سے اس کو منع کر دیا۔ اسی طرح شکم پروری کی اس جبلّت کی تطہیر اور تزکیہ کے لیے روزے کا ایک نظام وضع کیا اور پھر سحر وافطار کے آداب، سب اس جبلت کے تزکیہ کا کام کرتے ہیں۔

اسی طرح جنس ایک جبلّت ہے۔ اس کی وجہ سے دنیا میں کیا کیا خرابیاں اور کثافتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ آج کی جدید دنیا میں جنس کی اس جبلت نے کیا کیا فساد برپا کر رکھا ہے۔ تعلیمات اسلام کی طرف نظر دوڑائیے کہ اس نے اس جبلت کا تزکیہ کس طرح کیا ہے؟ نکاح جیسی ایک مقدس اور پاکیزہ شکل مسنون قرار دی ہے اور انسان کی اس فطری اور طبعی ضرورت کو پورا کیا ہے۔ قرآن مجید کی تعلیمات اور محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ نے اس جنس کی تطہیر اور تزکیہ کا ایک بے مثل سامان پیدا کر دیا ہے۔ عائلی اور خاندانی زندگی کی تشکیل کی یہ تعلیمات، اسلام کے تفوق اور امتیاز کی علامت ہیں۔ یہی ضرورت بالآخر اسلام کے خاندانی اور تمدنی نظام کی تشکیل کرتی ہے۔

مسلمانوں کی تہذیبی اساس:

افکار علوم اسلامی کے ضمن میں اسلامی تراث کے بارے میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ انسان اگر اس کا مطالعہ کرے تو اسلام کے مختلف علوم وفنون میں کمالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ دنیا میں ہر قوم کا ایک تمدن اور تہذیب ہے لیکن ہمارے اور ان سب کے مابین ایک فرق ہے۔ جو آپ کو ذہن نشین رکھنا چاہیے۔ وہ فرق یہ ہے کہ مسلمانوں کو تہذیبی اساس پہلے عطا کی گئی۔ کلمۂ توحید اس تہذیب کی وہ اساس ہے جو مسلمانوں کو فراہم کی گئی ہے۔ اس تہذیب کی توحیدی اساس کے بعد اسلامی تمدّن ارتقاء پذیر

ہوا۔ لہٰذا امتِ مسلمہ کے تمام تر ضعف، بے عملی اور تغافل کے باوجود وہ اساسی قوتِ توحید ہمارے نظریے اور معاشرت وتمدن میں موجود ہے اور تہذیب کے بگڑتے ہوئے جدید منظرنامے میں کہیں نہ کہیں اس کی صالح روح جھلک اٹھتی ہے۔

یورپ اور مغرب میں یہ ہوا کہ تمدنی ترقی انہوں نے پہلے حاصل کی۔ صنعت، فنون، ٹیکنالوجی اور سائنس کی مدد سے اشیاء وخدمات کا ایک جہان پیدا کیا اور جب وہ تمدنی ارتقاء کے ایک خاص درجے پر پہنچ گئے اور تفریحات وآسائشات کے انبار لگا لیے تو پھر ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس تمدن کو تہذیب کی اساس دی جائے۔ لہٰذا وہ سارے کا سارا فساد جو ان کے تمدنی ارتقاء میں موجود تھا، آج ان کی تہذیب میں پورے طور پر موجود ہے اور مسلمانوں کے اندر وہ صالحیت جو ان کی تہذیبی اساس اور نظریے میں موجود تھی، ہمارے تغافل کے باوجود ابھی تک وہ پاکیزگی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ اس کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ اسلام نے اس خاندانی نظام اور اسلامی برادری کی تشکیل کا یہ طریق بتایا ہے کہ ایک خاندانی نظام کا اپنا دائرہ ہے، جو والدین اور زوجین کے ذریعے سے ترتیب پاتا ہے، اس کے حقوق وفرائض کا ضابطہ متعین ہے۔ دوسری طرف ایک اسلامی برادری ہے جو کلمہ کے پڑھتے ہی تشکیل پانا شروع ہو جاتی ہے، نمازِ پنج وقتہ کا قیام اور اہتمام اور پھر ان نمازوں میں صف بندی کا اس قدر اہتمام اور رکوع وسجود کے التزام سے یہ جماعت اور صف بندی ایک طرف اخوت پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف اسلامی برادری کی خشتِ اوّل بن جاتی ہے۔ یہی تمدنی تشکیل عبادات سے بھی پختہ ہوتی ہے۔

ابھی حال میں مجھے ایک مرتبہ پھر سعودیہ جانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس بار میں نے دیکھا کہ نماز کے وقت مسفلہ، شامیہ اور دوسرے ملحقہ محلوں کے ایک ایک کلومیٹر دور سڑکوں اور گلیوں تک صفیں بن جاتی ہیں اور بارہا ایسا بھی ہوا کہ حرم کعبہ کے صحن تک پہنچنے سے پہلے پہلے رستے مسدود ہو گئے اور ہمیں حرم کعبہ سے بہت دور سڑک پر نماز ادا کرنے کا موقع ملا۔ میں اس سوچ میں غرق اور غلطاں تھا کہ میں نے بڑی بڑی فوجوں کی پریڈز بھی دیکھی ہیں، وہ بھی فوجیوں کے قدموں میں کسی نہ کسی لغزش کی غمازی اور عکاسی کر دیتی ہیں۔ یہ نماز ایک عجیب ڈرل ہے جو ایک امام کی آواز پر لاکھوں افراد

کو قیام، رکوع، سجود، تشہد اور سلام کی یکساں اور منظّم کیفیت میں پرو دیتی ہے۔ یہ کون ہے جو ایسا نظم پیدا کرتا ہے؟ یہ عجیب منظر کیا روح پرور ہے اور اس کے ذریعے سے کیسی عظیم اسلامی برادری تشکیل پا رہی ہے۔

علوم نبوت کے طلباء کو دیکھنا چاہیے کہ ہمارے حقیقی علوم وفنون کیا ہیں؟ عملی شکل کے اعتبار سے ان علوم کی معاشرتی، ریاستی، تمدنی اور ثقافتی تشکیل کیا ہے؟ اسلام میں تو ہر دائرہ علمی میں ایک خاص شکل اور اس کے اوضاع واطوار متعین ہیں، یہ کوئی مفروضوں پر مبنی دین نہیں ہے بلکہ یہ دین جن محکم دلائل پر قائم ہے، ان اساسیات کی بنیاد پر اس کی عملی صورت اور تمدنی ہیئت کو متعین کیا گیا ہے۔

اسلامی تہذیب وتمدن کا تحفظ کس طرح ہوگا؟ اس وقت یورپ اور مغرب کا ایک بہت بڑا حملہ ہمارے خاندانی نظام پر ہے۔ اس پر شب خون مارے جا رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ آخری قلعہ ہے جسے ہم نے مسمار کر لیا تو مسلمانوں کے پاس پسپائی کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ان علوم کی عملی شکل جو ایک صالح معاشرے، پاکیزہ تمدن اور مہذب ریاست کو جنم دیتی ہے اس کے بھی محافظ بنیں مثلاً اگر کوئی نیا شہر آباد کرنا ہے تو کیسے کرنا ہے؟ اس میں سب سے پہلے مرکزی مسجد کا تعین ہو، مکانات، گلیوں اور بازاروں کی ہیئت کیسے ہو؟ ضرورت ہے کہ اس تہذیبی اساس پر بننے والے اسلامی تمدن کے لیے جن اوضاع واطوار کی ضرورت ہے، ان کے احیاء کی کوشش کی جائے۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس وقت مسلمانوں کو جو خطرات وخدشات درپیش ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے شکستہ تمدن کی وہ عمارت جو ابھی تک کسی درجے میں قائم ہے اس کو گرانے کی پوری کوشش مغرب کی طرف سے کی جا رہی ہے۔

؎ یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین؟ پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

علومِ اسلامی سکھانے کے لیے نبی ﷺ کی مجلس ایک ہمہ وقت درس گاہ تھی اگرچہ آج کے دور میں ہمیں اس مخصوص مقصد کے لیے ایک نظام اور متعین اسلوب کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور میں اس کا مخالف نہیں ہوں لیکن اس درسیات کے ماحول میں جو اضمحلال پیدا ہو رہا ہے، اسے دور کرنے کی ضرورت ہے۔ علوم نبوت کا ایک منتہائے کمال نقشہ جو ہمارے سامنے آتا ہے، وہ ایک ہمہ گیر نظام

ہے جو پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک ایک وسیع کلاس روم کا نقشہ پیش کرتا ہے۔

مسلمانوں کا عدیم المثال کارنامہ:

دوسری بات جو آپ حضرات سے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مسلمانوں نے صرف علوم پڑھائے نہیں بلکہ علوم بنائے ہیں اور دنیا میں کسی تہذیب نے ایسا کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا جو مسلمانوں نے علم کو تہذیبی، ثقافتی اور اخلاقی سطح پر منظم کر کے دکھلایا ہے۔اس کے لیے مسلمانوں کی قدیم درس گاہوں کا مطالعہ ضروری ہے۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمانوں سے پہلے علم کی روایت موجود نہیں تھی۔ دنیا میں چند اقوام اور کچھ لوگ ایسے موجود تھے جو زمانۂ قدیم میں یونانی علوم سے وابستہ تھے۔علم الاصنام (Mythology) میں یونانی، مصری، ہندی اور چینی علم الأ صنام کے سلسلے موجود تھے۔ان لوگوں کی تاریخ کا خاکہ ایسے علوم سے بنتا ہے جو ان کے مذہبی تصورات کے حوالے سے تھے۔گویا ان کی تاریخ توہمات، خرافات اور علم الأ صنام کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ یہی یونانی افکار اور رومی تہذیب موجودہ مغربی تہذیب کی اساس ہے جس کی ایک بنا مسیحی علم الکلام بھی ہے۔

مسلمانوں کا علمی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اس تاریخ کو کتاب العبر بنا دیا، ایک ایسا آئینہ جس کے اندر قوموں کے عروج وزوال کے اسباب، اصول اور نتائج دیکھے جاسکتے ہیں۔ سابقہ قوموں کی تاریخ میں کوئی ایسی چیز یا کتاب آپ کو نہیں ملے گی جس میں واقعات کا عبرت کدہ پیش کیا گیا ہو۔وہ آدمی جو مقدمہ ابن خلدون کا سنجیدہ قاری ہو، وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ قرآن نے قوموں کے عروج وزوال کے جو اصول متعین فرمائے ہیں، ابن خلدون (۷۳۲-۸۰۸ھ) نے ان سب کو جمع کر کے اپنی کتاب" العبر وديوان المبتدا والخبر " کے معروف مقدمہ میں درج کر دیا ہے، جس کی بنا پر اسے فلسفۂ تاریخ کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔

اندلس کے اور لوگوں نے بھی یہ علمی کمالات دکھائے ہیں، ان نامور مسلم دانش وروں میں ابن حزم، ابن رشد، ابن عبدالبر، ابن خلدون اور ابواسحاق الشاطبی وغیرھم نے اسلامی علوم اور ثقافت کو اس حد تک پروان چڑھایا کہ دوسرے خطوں میں اس کی مثال نہیں ملتی، عربی زبان بہت بڑا آلۂ علمی بن

گئی۔زبان تو اس سے پہلے بھی تھی لیکن ان باکمال لوگوں نے اس زبان میں بہت سے نئے نئے علوم پیدا کردیے۔یہ علوم وفنون ہسپانیہ کے مسلمانوں نے مغرب کو ایک سوغات کے بطور پیش کیے مگر جب ہم اپنی اس علمی نشاۃ کی روایت کو جاری نہ رکھ سکے تو ہم اسی ہسپانیہ میں مرقعِ عبرت بنا دیئے گئے۔سقوطِ اندلس (۱۴۹۲) ہمارے علمی زوال اور اخلاقی انحطاط کی بنا پر واقع ہوا۔

عربی زبان کا کمال:

علوم نبوت کا ذریعۂ تعلیم (Medium of Instruction) عربی زبان تھا۔ ہمارے بچوں کے لیے ذریعۂ تعلیم کیا ہونا چاہیے؟ اردو، سندھی، پنجابی یا انگریزی، یہ سوال قومی زندگی کا ایک المیہ بن چکا ہے، یہ ایک فتنہ ہے جو ابھی تک برپا ہے اور ہم ساٹھ سالوں میں یہی فیصلہ نہیں کر پائے جبکہ اسلامی تمدن نے پہلے دن سے اس کا علاج تجویز کر دیا کہ مسلمان کی تہذیبی اور ثقافتی زبان صرف ایک ہے اور وہ عربی ہے۔

وہ لوگ جو دنیا میں زبانوں کی تاریخ سے آگاہ ہیں انہیں یہ حقیقت معلوم ہے کہ جس طرح قبائل اور ان کی آبادیاں ہیں اور ان کی نسبت سے وہ سب پہچانے جاتے ہیں۔ایسے ہی زبانوں کے بھی خطے،ان کے بھی خاندان،ان کی بھی برادریاں،ان کے بھی تہذیبی اور لسانی منطقے ہیں۔دنیا میں ان لسانی منطقوں کے اندر اس زبان کا پورا استعمال ہوتا ہے۔

حدیث نبوی میں اس علم اور زبان کے حوالے سے واضح تعلیمات موجود ہیں۔اس کے علاوہ اگر آپ قرآن مجید سے صرف ان آیات کا تعین شروع کردیں جو علم اور فن کے بارے میں ہیں تو ایک اچھا مجموعہ علمی جمع ہوسکتا ہے۔اس علم کے متعلق کبھی قرآن اس انداز سے سوال اٹھاتا ہے:''هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ '' اور کہیں فرمایا: '' هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ والبصير '' قرآن نے رفعِ درجات کی بنیاد اس علم کو قرار دیا ہے۔اگر آپ پہلی وحی کو پڑھیں۔اقــرأ سے شروع ہونے والی ان پانچ آیات میں میرے نزدیک علوم نبوت کے طلبہ کا منہاج بیان کر دیا گیا ہے۔تصورِ علم ،حفاظت علم اور امکاناتِ علمی سبھی کچھ ان آیات میں بیان کر دیا گیا ہے۔

زبانوں کی تاریخ کے ماہرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عربی صرف ایک ایسی زبان اس

دنیا کے منطقے میں پائی جاتی ہے جو گزشتہ چار ہزار سال میں کسی تبدیلی اور تغیر کا شکار نہیں ہوئی۔ آپ کو علم ہے نا! کہ انجیل کی زبان خالدی ہے، آج پوری دنیا میں آپ چراغ لے کر ڈھونڈیں، اس خالدی زبان کو جاننے والا ایک آدمی نہیں ملے گا۔ تورات کی زبان بلاشبہ عبرانی ہے اور انھوں نے بڑی محنت کی اور دنیا میں یہ پہلی مثال ہے کہ یہود نے ایک مردہ زبان کو زندہ کرنے کے لیے صدیوں کا سفر طے کیا اور سینکڑوں نہیں ہزاروں لوگ اس کام پر لگا دیے گئے کہ کسی طرح سے زبان کے ڈھانچے کو متعین کریں، زبان کا ڈھانچہ تو انھوں نے متعین کر لیا۔ لیکن اس زبان کے ڈھانچے میں نازل ہونے والا ناموسِ وحی یعنی تورات کا متن باوجود کوشش کے جمع وترتیب کی شکل اختیار نہیں کر سکا اور صرف عبرانی زبان کا ڈھانچہ ان کے پاس ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جس زبان میں تورات نازل ہوئی تھی وہ یہی عبرانی زبان ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ صاحبانِ علم کو اس بات سے باخبر ہونا چاہیے کہ اس زبان کے احیاء کے لیے انھوں نے کیا کوششیں کی ہیں، شاید دنیا میں کسی چیز کے احیا کے لیے ایسی کوششیں نہ ہوئی ہوں۔ لیکن یہ ساری کوششیں بھی ایک سعی لاحاصل ہیں، اس لیے کہ یہ ساری کاوشیں جس مقصود کے لیے تھیں وہ مقصود آج بھی ان کے ہاتھ نہیں آسکا۔

یہ دل چسپ اعداد وشمار پیشِ نظر رہیں کہ جدید دنیا میں ۶۷۸۰ زبانیں رائج ہیں۔ اردو انسانی تہذیب وثقافت کے ارتقاء کی آخری اہم زبان ہے جسے دنیا کے ایک ارب سے زائد انسان بولتے یا سمجھتے ہیں۔ خود اردو کی اساس میں عربی اور فارسی زبانوں کے گہرے اثرات ہیں، دنیا کی ساری زبانیں مل کر بھی عربی زبان کی فصاحت، بلاغت اور عظمت کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ ہر چند زبان مقصود نہیں بلکہ ذریعہ ہے مگر اسلامی فکر اور ثقافت کی شناخت اس زبان کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

قرآن مجید اور اس کی عربی زبان کا عجیب عالم ہے کہ اس پر ایک زمانہ ایسا آیا ہے، شاید یہ آپ کے علم میں ہو کہ مصر میں اس زبان کے مزاج کو بگاڑنے کے لیے ایک بہت بڑی کوشش کی گئی۔ اس میں معرّبات کی دنیا بسائی گئی۔ فرانسیسی، اطالوی، انگریزی اور پرتگالی الفاظ کا ذخیرہ متجددین اور سیکولر ذہن کے لوگوں نے اپنے قلم کے ذریعے سے، اپنے افسانوں، ناولوں، شاعری، سفرناموں، آپ بیتیوں میں داخل کرنے کی شعوری اور مصنوعی کوشش کی اور اس علمی سازش میں مصر کے

نصرانی زیادہ پیش پیش تھے۔لیکن قربان جایئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف قرآن کے متن کو محفوظ کیا ہے بلکہ اس کے ذریعے سے زبان بھی محفوظ ہوگئی۔ اگرچہ قرآن میں اس زبان کی حفاظت کی تو کوئی مستقل آیت نظر نہیں آتی لیکن متن کے محفوظ ہونے کے لیے چونکہ زبان کی حفاظت ضروری ہے۔اللہ تعالی نے ''اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ'' کے ذریعے صرف متن کی حفاظت اپنے ذمہ نہیں لی بلکہ جتنی حفاظتیں اس کے ساتھ ممکن ہوسکتی تھیں وہ سب اس کے ساتھ وابستہ کردیں۔لیکن ایک بات بڑی واضح ہے کہ اللہ تعالی نے اس قرآن مجید میں متن کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اور اس کی دعوت اور عملی شکل کی حفاظت کے لیے امت مسلمہ کو مسئول ٹھہرایا ہے۔

عربی زبان سے رغبت اور اس کا حصول ایک ایسا فرض منصبی ہے کہ علوم نبوت کے طلباء جس سے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتے، وہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک بھی سبکدوش نہیں ہوسکتے۔اللہ تعالی نے متن قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ کیا، اور بلاشبہ یہ معجزہ ہمیشہ کے لیے رہے گا۔لیکن قرآن مجید میں مجھے کہیں یہ وعدہ نظر نہیں آیا کہ تم فارغ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو گے اور ہم اس دین کی اساسیات، محکمات اور تعلیمات کو خود بخود دنیا میں قائم رکھیں گے۔ بلکہ یہ فریضہ امت مسلمہ کے ذمہ بالعموم اور آپ طالبان علوم نبوت کے ذمہ بالخصوص ہے۔سورہ توبہ کی آیت میں جہاں تفقہ فی الدین کا تذکرہ ہے وہاں ''رَجَعُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ لَعَلَّہُمۡ یَحۡذَرُوۡنَ'' کے ذریعے معاشرے کی تعلیم اور تربیت کا مکمل نظام ہے، جسے آپ کو اختیار کرنا ہے۔اس لحاظ سے قرآن مجید نے آپ کے لیے فریضۂ دعوت کا تعین بھی کر دیا ہے کہ یہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالی نے علوم نبوت کے حوالے سے تفقہ فی الدین اور علوم کتاب وحکمت کا ذخیرہ، علوم وفنون کے پورے دوائر کے ساتھ دیا ہے جس کا مقصود پوری انسانیت کو بالعموم اور امتِ مسلمہ کو بالخصوص دعوت دین کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

بہت سے علوم اس دنیا میں ایسے ہیں کہ خود مقصود بالذات ہیں۔غور کیجئے علوم نبوت کی ایک امتیازی شان یہ ہے کہ وہ خود مقصود بالذات نہیں ہیں، بلکہ ایک ذریعہ ہیں، اور اس ذریعہ کا مقصد کچھ اور ہے۔اور وہ مقصد ایسا ہے کہ فرد کے تزکیۂ نفس کے ساتھ پورے معاشرے کا تزکیۂ نفس کیسے کیا جائے اور عالمی انقلاب کے اس تغیر کو علمی اور تربیتی اعتبار سے صحیح رخ کیسے دیا جائے۔علوم نبوت کے

طلباء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نہ صرف اس دعوت کی زبان کو سمجھیں بلکہ اس زبان کے حوالے سے علم لغت کی جتنی لطافتیں ممکن ہوسکتی ہیں اوراس کے ساتھ جتنے صرف ونحواور معانی و بلاغت کے فنون ہو سکتے ہیں ان سب کو حاصل کرنے کی کوشش کریں کہ داعی کے لیے تحریر ہو یا تقریر ان دونوں کی ناگزیر ضرورت ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے لیے عربی زبان میں مہارت اوراس پر دسترس ناگزیر ہے لیکن اس کے ساتھ جواس کی لطافتیں ہیں اس کو بھی سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ میں ابھی سعودیہ میں تھا تو ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے جوادب کے استاد رہے ہیں اوراب بھی وہاں مکہ مکرمہ میں مسجد الرحمہ کے بالکل سامنے ان کا مکان ہے۔تو انھوں نے کسی حوالے سے مجھے یاد فرمایا، ایک موضوع تھا جس پر گفتگو کرنا تھی۔ میں نے ان سے گفتگو کے دوران میں عرض کیا کہ حضرت آپ تو عربی ادب کے بہت مایۂ ناز استاد ہیں تو فرمایئے کہ کوئی شخص اگر عربی زبان سیکھنا چاہے تو اس کے لیے کیا کیا وسائل ہو سکتے ہیں۔ مجھے ایک بات پر تکلیف بھی ہوئی اور خوشی بھی۔تکلیف اس بات پر کہ میں سمجھتا تھا کہ وہ جواب میں کہیں گے کہ قرآن مجید ہی عربی ادب اور بلاغت کی سب سے بڑی کتاب ہے۔لیکن انھوں نے ایک اور بات کہی اور وہ غلط نہیں تھی۔انھوں نے کہا کہ کتاب الاغانی کو پڑھا جانا چاہیے۔اس میں ادب، انشاء، فصاحت و بلاغت اور حکمت وفراست کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔اہل علم نے لغت عرب کے بارے میں بھی کیسی عظیم اور شان دار خدمات پیش کی ہیں کہ عربوں کو تو شاید لغت کی ضرورت نہیں تھی اوراس کی ضرورت ہم عجمیوں کو تھی۔

اہل علم نے لغت عرب کے بارے میں بھی کیسی عظیم اور شاندار خدمات پیش کی ہیں، مگر ہم عجمیوں نے اس لغت میں بھی وہ وہ کمالات پیدا کیے۔ ایک عجیب وغریب لسانیات کا جہان آباد کیا۔لغت کے میدان میں برطانوی علماء اورادیبوں نے Greater Oxford Dictionary کے عنوان سے ایک بڑا علمی کام کیا ہے، جس پران کو بہت ناز ہے۔اس کو آپ سمجھ نہیں سکتے کہ اس ناز کی کیا کیا کیفیتیں ہیں۔ (وہ لوگ جنھوں نے انگریزی لٹریچر کو اپنے جاہلی ایام میں میری طرح پڑھا ہے انہیں یہ معلوم ہے کہ ان کو اپنے ادیبوں اور شاعروں پر کتنا فخر ہے۔شیکسپئر کا نام یہ کیسے لیتے ہیں؟ کیا کیا

یادگاریں اس کے نام سے قائم کی ہیں۔ان کے ہاں شیکسپیر کا مرتبہ کیا ہے؟ انھوں نے بعض شعراء کی چھوٹی سے چھوٹی چیز کا بھی میوزیم بنا دیا اور ان شعراء کی پرستش ان کے ہاں ایک کلچر کا درجہ رکھتی ہے) ۔یہ بات عرض کرتا چلوں کہ یورپی زبانوں میں دسویں صدی عیسوی سے پندرھویں صدی عیسوی تک بہت سارے علوم تھے جن پر عربی زبان وادب نے بھرپور اثرات پیدا کیے اور انھوں نے عربی الفاظ کو اپنی شاعری، ادب اور لٹریچر میں پورے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کی اور آج اگر عربی زبان کے وہ سارے الفاظ اور اصطلاحات ان کے علوم وفنون سے نکال دیے جائیں تو انگریزی زبان بھی ایک بے مایہ زبان نظر آئے گی۔

یوں برطانوی زبان دانوں نے پندرہ جلدوں میں لغت کی ایک بہت بڑی کتاب مرتب کی جس کا نام گریٹر آکسفورڈ ڈکشنری (Greater Oxford Dictionary) ہے جسے سینکڑوں علماء اور ادیبوں نے مل کر لکھا اور انگلستان کی پارلیمنٹ کے اندر انھوں نے اس کتاب کی پہلی جلد کو لہرایا اور کہا کہ برطانوی فتوحات صرف یہ نہیں ہیں کہ ہم نے مشرق ومغرب کی ۱۱۴ ریاستوں پر قبضہ قائم کر رکھا ہے۔ ہماری فتوحات میں یہ بھی شامل ہے کہ ہم نے ایسا عظیم لغت تیار کیا۔ جب میں نے اس واقعے کو پڑھا تو میں نے سوچا کاش! مسلمانوں میں کوئی ایسا باحمیت ہوتا تو اسی وقت کہتا کہ تمہارے پانچ سو آدمیوں نے مل کر پچاس برس کی محنت شاقہ کے بعد ایک ایسا لغت تیار کیا جس کے بارے میں ابھی بھی یہ احساس ہے کہ یہ نامکمل ہے اور ہمارے ہاں ایک ایک سکالر نے پندرہ پندرہ جلدوں کے لغت کا کام کیا اور تنہا یہی کام نہ کیا بلکہ اس کے علاوہ بھی بیسیوں نوعیت کے علمی کام اس کے ساتھ شامل ہیں لیکن علمی افتخار چھن جانے کے باعث ہمارے ہاں کوئی ایسا نہیں کہ جو یہ کہہ سکے کہ ابن منظور نے یہ بڑا کام کیا۔ ابومنصور محمد الأزھری نے ''تھذیب اللغۃ'' میں، اسماعیل بن حماد الجوھری نے ''الصحاح'' میں اور مرتضی الزبیدی نے ''تاج العروس'' میں اس سے بڑھ کر کارنامہ انجام دیا، لغۃ الاضداد اور لغۃ الاشتقاق پر یہ کچھ لکھا گیا۔ لغت کا ایک فن کے اعتبار سے، کہ علوم نبوت کو سیکھنے کے لیے یہ ناگزیر ہے، گہرا مطالعہ کرنا چاہیے، مگر بعض لوگوں نے تو خود لغت کو مقصود بنا لیا۔ عہد جدید میں اسی برصغیر میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں کہ جن کا نام نہیں لیتا، آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ان لوگوں کو ادبِ جاہلی سے تو قرآن سمجھ آ گیا لیکن حدیث او

رسنت سے انھیں قرآن سمجھ نہ آسکا۔ یعنی یہ لغت مقصود بالذات نہیں بلکہ ایک آلۂ علم ہے۔ یہ مقصودِ علم نہیں بلکہ ذریعۂ علم ہے۔ علوم نبوت کے یہ جو اساسی مراجع ہیں ان کے علاوہ باقی فنون اور علوم کی نوعیت معاون علوم اور آلات علم کی ہے اور وہ مقصود بالذات نہیں ہیں۔

اگر یہ علوم وفنون علم الوحی کی توضیح، تفسیر اور تشریح نیز حواشی اور تعلیقات میں معاون ہیں تو مبارک ہیں وگرنہ وہ بالکل مطلوب نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں علم فی نفسہٖ پرستش کے لائق نہیں بلکہ علم ایک ذریعہ ہے اپنے مقصود تک پہنچنے کا اور اپنے مقاصد کو صحیح طور پر جاننے کا۔ اس لحاظ سے مسلمانوں میں تمام فنون صَرف ونحو، معانی و بیان، عروض اور لغت کے علوم وفنون کی جو اساس ہے، وہ کتاب وسنت کے ساتھ منسلک ہے۔

حال میں ہی کچھ کتابیں دیکھ رہا تھا، جن میں امثال القرآن اور امثال الحدیث پر چند کتابیں نظر سے گزریں کہ آج جدید ادبیات میں اس بات کو اہمیت دی جاتی ہے کہ تمثیل اور تشبیہ کے ساتھ کچھ باتوں کو بیان کیا جائے۔ میں محظوظ ہوا کہ دنیا کے اندر تمثیل سے یا تشبیہات سے اپنی بات کو بیان کرنے کا اسلوب سب سے زیادہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے، اور اس سے بڑھ کر پھر حدیث میں پیش کیا گیا ہے۔ اگر کوئی صاحبِ علم کوشش کرے، تو اس موضوع پر بڑا مفید کام ہوسکتا ہے کہ فہم قرآن، فہم حدیث اور فہم دین کے لیے مختلف امثال اور مختلف تمثیلات سے جو کام لیا گیا اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور ہمارے جو مختلف داعی یعنی خطیب حضرات ہیں، اس اسلوب کو اختیار کر کے دعوتِ دین کا کس قدر مفید کام کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر یہ اسلوب مقصود بالذات نہیں تھا کہ وہ کسی ایک اسلوب اور فن کی بنیاد رکھیں، بلکہ مقصود یہ تھا کہ فہم دین کے لیے اس کو کیسے معاون بنایا جائے۔ آپ کے ذہن میں ہوگا کہ وضو کے بارے میں کتنی سادہ سی بات ہے کہ وضو کرنے کے فوائد یہ ہوتے ہیں۔ پوچھا جارہا ہے کہ اگر کوئی شخص بہتے ہوئے پانی کے کنارے پانچ دفعہ اس عمل کو دہرائے تو کیا کوئی کثافت یا غلاظت اس کے ساتھ وابستہ رہ سکتی ہے۔ یہ ایک تمثیلی اسلوب ہے، جس سے پیش نظر حکم یا مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

علوم نبوت کے طلبہ کا دائرۂ عمل:

اوّل: علوم نبوت کے جتنے طالب علم ہیں وہ تین دائروں میں منقسم ہو جائیں گے۔ایک دائرہ ان لوگوں کا ہے جو علمی اور تحقیقی منہج اختیار کر لیں گے اور یہ دائرہ وہ ہوتا ہے جیسے یہ عمارت ہے، اس عمارت کی ایک بنیاد ہے اور اس بنیاد کو نہ کوئی روغن کرتا ہے نہ کبھی اس کو کوئی پینٹ کرتا ہے۔ یہ بے چاری سارا وزن اٹھائے ہوئے ہے۔ یہ مظلوم بنیاد اس عمارت کا سارا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ لیکن کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا میرے نزدیک اہل تصنیف اور محققوں کا مقام کسی تہذیب اور نظریے میں ان بنیادی اینٹوں کا سا ہے، جو علم وتحقیق کا سارا وزن اٹھائے ہوئے ہیں۔

دوم: اس کے مقابلے میں کچھ اور لوگ ہیں جن کا کام بہت بنیادی ہے۔ وہ اشاعتِ علم اور تدریس کا ہے اور وہ اس فریضے کو علوم کے احیا کے لیے انجام دیتے ہیں اور یہ بڑا بنیادی فریضہ ہے۔

سوم: تیسرا دائرہ بہت اہم ہے اور اس کو بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ موٹے تازے، اچھے لباس، گاڑی اور دو چار کلاشنکوفیں ساتھ رکھنے والے اس تیسرے دائرے کے لوگ آپ کو نظر آئیں گے جن کو ہم خطیب حضرات کہتے ہیں، ہمارے معاشرے کی سنگ دلی اور بے حسی یہ ہے کہ ان کو ہی سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ مگر محققین اور مدرسین کی جانب زیادہ توجہ نہیں ہے۔

ہمیں اس حقیقت سے باخبر ہونا چاہیے کہ اعلیٰ درجے کا کام وہی ہے جو تحقیق اور تصنیف کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ لیکن اس میں دل کڑا کر لیجیے کہ اس کا اجر آخرت میں موجود ہے۔ یہاں کسی بہانے سے کچھ مل جائے تو اس کی عطا ہے، الحمد للہ، وگرنہ صبر کیجیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں تو رزق کے معنی نہیں آتے، رزق کہتے کسے ہیں؟ ہمارے رزق کے تصور غلط ہونے کی وجہ سے بعض چیزیں جو رزق نہیں بلکہ فتنہ ہیں، ہم اسے رزق تصور کر لیتے ہیں، وگرنہ اس کائنات میں جو رزق کی حقیقت اور اصلیت ہے، وہ ہر ذی روح انسان تو کیا اس سے لاکھوں گنا بڑی دوسری مخلوقات ہیں، جن کے لیے اصلی رزق جو حیات کو قائم رکھنے والا ہے، وہ فطری طور پر خود فراہم کیا گیا ہے، قرآن مجید نے اس فلسفے کو بھی بیان کیا ہے۔

ہمارے اسلاف نے معیشت کے باب میں بھی بڑی تابندہ مثالیں یادگار چھوڑی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں ایک مستند اور صحیح روایت موجود ہے کہ امام صاحب کو مالی اعتبار سے

بہت فراغت حاصل تھی، ان کے والد سے وراثت میں ملنے والے اموال خوب نفع کماتے تھے اوران کے حلقۂ درس کے اساتذہ اور طلبہ کی ساری ضرورتوں کا غالب حصہ ان کے اپنے اموال تجارت ہی کے ذریعے سے پورا ہوتا تھا۔

ایک زمانے میں وہ بیمار ہوئے اور رائج طریقہ کے مطابق ان کا قارورہ اطباء کے ایک بورڈ کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے قارورے کے تجزیے کے بعد تعین کیا کہ امام اگر اپنی روٹی کے ساتھ سالن کا استعمال زیادہ کر دیں تو طبیعت کے اندر جو خشکی اور انقباض ہے، یہ ختم ہو جائے گا اور طبیعت کا انشراح قائم ہو جائے گا اور تجویز کیا کہ حضرت! ہماری درخواست یہ ہے کہ آپ اپنی چپاتی اور روٹی کے ساتھ سالن کا استعمال بڑھا دیں۔ تو انھوں نے فرمایا: پتہ نہیں بیس پچیس سال گزر چکے، میں نے تو شکل بھی نہیں دیکھی کہ سالن کیسا ہوتا ہے؟ دور جانے کی ضرورت نہیں قریب کی بات کرتا ہوں کہ یہ فقیر شیخ ابن باز علیہ الرحمہ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ان کا لباس مجلس میں بیٹھے ہوئے ڈیڑھ سو لوگوں میں سب سے زیادہ سادہ تھا۔

علوم نبوت کے طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی بود و باش کا ایک معیار قائم کریں جس میں سادگی اور قناعت ہو، پھر انہیں اس سادگی پر ناز ہو اور محض مجبوری ظاہر نہ کریں۔ کبھی کبھی کتاب الزھد کے ابواب کا مطالعہ بھی کیا کریں، کمالات علمیہ کا تعلق مادی دنیا کے ساتھ نہیں بلکہ ان کا تعلق تقویٰ اور زھد کی روح کے ساتھ وابستہ ہے۔ انبیاء کرام درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑتے، ان کی وراثت علم، تقویٰ اور خشیت الٰہی ہے۔ انبیاء اور صلحاء کی معیشت اور معاشرت کا عملی نمونہ اور ماڈل (Model) زہد اور قناعت کے سانچے میں ڈھل کر نظر آنا چاہیے۔

آپ لوگ بہت خوش قسمت ہیں کہ دینی درس گاہوں سے باقاعدہ فراغت کے بعد علوم اسلامیہ میں تخصص کے درجے میں شریک ہیں۔ علومِ نبوت کی اولین درس گاہ میں بھی یہ تخصیص موجود تھی کہ کس فرد کو کس شعبۂ علمی میں تخصص کی ضرورت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی طبقات المفسرین میں تفسیر قرآن میں تخصص کے حامل افراد ملتے ہیں۔ محمود شیت خطاب نے ایک کتاب ''سفراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے دو جلدوں میں لکھی ہے جو مؤسسۃ الریان سے شائع ہوئی ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

سفیروں کی مکمل معلومات درج ہیں، سفیر کن کو بنایا جاتا تھا؟ انہیں مختلف علاقوں کی زبانیں کیسے سکھائی جاتی تھیں؟ پھر وہ وہاں رہتے ہوئے اور واپس پلٹ کر کیا رپورٹنگ کرتے تھے؟ اس کی بنیاد پر اسلامی ریاست کی حکمت عملی کیسے تشکیل پاتی تھی؟ آپ ﷺ نے اس طرح کے متخصصینِ علوم وفنون ریاست کے دوسرے اداروں کے لیے بھی تیار کیے، جن کا بغور مطالعہ کیا جانا چاہیے۔

مطالعہ کی رغبت:

اس علمی رسوخ اور کمال کے تصور کے ساتھ ساتھ ایک اہم بات مطالعہ کی رغبت ہے۔ ہمارے بعض آئمہ ایسے گزرے ہیں کہ ان کی پوری زندگی بچپن سے لے کر وفات تک مطالعہ، تدریس، تحقیق اور تصنیف میں گزری ہے۔ ان میں سے بعض کے لکھے ہوئے کام کو اگر تقسیم کیا جائے تو چونسٹھ صفحے ایک دن کے بنتے ہیں۔ ہم دیکھیں کہ شاید اتنے صفحات ہم روزانہ پڑھ بھی نہ سکتے ہوں۔ مطالعہ ہی ایک ایسی چیز ہے جو آدمی کو کوئی قابلیت عطا کرتا ہے۔ اگر طالب علم خود مطالعہ میں پیچھے ہے تو دیگر قیمتی اسباب اور پورا ماحول اسے کوئی زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ فروغ مطالعہ میں مسلمانوں کا کوئی شریک وسہیم نہیں رہا مگر آج معاملہ مختلف ہے۔

آج مطالعے کا معاملہ ہمارے ہاں بڑا مایوس کن ہے مگر ہمارے مقابلے میں مغرب میں مطالعہ وتحقیق کی روایت زیادہ مستحکم ہو رہی ہے۔ ماضی قریب میں درجنوں مستشرقین نے ہماری تراث کی بڑی بڑی کتابوں کو بڑی محنت سے ایڈٹ کیا ہے۔ مگر ان کی یہ ساری محنت ہمارے ذخیرے سے متضاد اور متناقض چیزوں کی تلاش کے لیے تھی، جس کے نتیجے میں انھوں نے منفی ذہن سے اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ پر بے جا اور ناروا تنقید کی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اپنے مقدمہ سیرۃ النبی ﷺ میں مارگولیتھ (Margoliouth) کا ذکر کیا ہے کہ جس نے مسند امام احمد بن حنبل کی چھ ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف متعدد مرتبہ اس دقتِ نظر سے پڑھا ہے کہ ہم میں سے کوئی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

اب مقابلہ کیجیے ہم میں سے کتنے ہیں جنھوں نے بائبل کے عہد نامہ قدیم اور جدید کا اس دقتِ نظر اور توجہ سے مطالعہ کیا ہے۔ مارگولیتھ ایک مستشرق ہے جو دین کا دشمن ہے۔ وہ کسی چیز سے استدلال حاصل کرنا چاہتا ہے، استدلال کی نوعیت کیا تھی؟ آپ کو پتہ ہے کہ مسند کے اندر تو صحابہ وار

حدیثیں جمع کی جاتی ہیں۔ایک ایک راوی کی مرویات ایک جگہ جمع ہیں۔تو وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ایک ہی شخص کی مرویات کے اندر ایک موضوع پر کہیں تضاد تو نہیں ہے یعنی وہ اس منفی نقطۂ نظر سے اس کا مطالعہ کررہا تھا کہ ایک شخص ایک موقع پر ایک بات کہتا ہے کہیں دوسرے موقع پر دوسری بات تو نہیں کہہ رہا، اوراس کو بنیاد بنا کر ذخیرۂ علمی کی تردید کے لیے، ایک اسلوب اور اساس فراہم کرنا چاہتا ہے۔

ایک شخص آپ کے دین کا دشمن ہے اوراس کی نیت میں فساد موجود ہے۔وہ آپ کی کتاب کو متعدد بار بالاستیعاب پڑھتا ہے۔(ہم میں سے ہر شخص سوچے، میں پوچھنا نہیں چاہتا) ایک لمحے کے لیے اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیں مجھ سمیت ہم نے کتنی دفعہ اس کتاب کو پڑھا ہے اور باقی متون کے ساتھ بھی ہمارا طرزِ عمل کیا ہے؟ یہ رسوخ فی العلم اور یہ اعتماد کیسے پیدا ہوگا؟ آپ وہ لوگ ہیں جو اس علم وتحقیق کی عمارت میں بنیاد کی اینٹ کی حیثیت رکھتے ہیں۔اگر آپ نے تساہل سے کام لیا تو اس کے اثرات مہلک ہوں گے، اور اگر آپ نے اپنی علمی اور تحقیقی ذمہ داری کو پہچان لیا تو پھر دنیا کی کوئی تہذیب آپ کا مقابلہ ان شاء اللہ نہیں کرسکے گی۔واعظین اور مبلغین کے پاس اس کام کے لیے وقت موجود نہیں ہے اور نہ ہی ان کے سامعین انھیں اس قابل چھوڑتے ہیں کہ وہ اس قسم کا سنجیدہ کام کرسکیں۔

مسلمانوں کے علمی تمدن نے اس قدر ترقی کی کہ ہمارے اسلاف نے کمال حزم واحتیاط کے ساتھ اور عین اصول تحقیق کو سامنے رکھتے ہوئے وہ وہ کام کردکھلائے کہ دنیا کی کوئی اور تہذیب اور تمدن اس کام کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔دنیا میں اب ایسی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں جن میں مختلف تہذیبوں کے علمی سرمائے کا مقابلہ ہے۔ان میں سے ایک کتاب جو تقریباً تیس سال پہلے سامنے آئی وہ (History of Civilizations) ہے جو وِل ڈیورانٹ نے لکھی ہے جس کا عربی ترجمہ بھی ہوچکا ہے۔اس کتاب میں مسلمانوں کے باب (Chapter) میں مصنف نے جو علمی احسانات گنوائے ہیں اوران کی جن خدمات کا اعتراف کیا ہے۔وہ لکھتا ہے کہ مسلمانوں میں ہی سب سے پہلے ابن بیطار نے جڑی بوٹیوں اور نباتات کا علم سیکھا، یا جغرافیہ میں ادریسی نے دنیا کا پہلا نقشہ بنانے کی خدمات انجام دیں، ابن رشد اور غزالی جیسے فلسفی پیدا ہوئے، جابر بن حیان اور ابن بطریق کی سائنسی خدمات کس

قدر ہیں؟ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ کام وِل ڈیورانٹ یا ایک اور مصنف جارج سارٹن نے ایک علمی تحقیق کے طور پر کیا۔ان کا مقصود وہ نہیں، جو ہمارا مقصود ہے کہ اس دنیا میں دین کی دعوت کو عام کرنے کے لیے جو علمی وسائل ممکن ہو سکتے ہیں ان سے استفادہ کیا جائے۔مسلمان آج سے بارہ سو سال پہلے جو کام کر رہے تھے، افسوس وہ آج نہیں کر رہے ہیں۔

فتنۂ ارتداد اور ہم:

مسلمانوں کی تاریخ میں دو بڑے ارتداد کے فتنے رونما ہوئے ہیں۔ایک فتنۂ ارتداد اسلام کے ابتدائی دور میں سر زمین عرب میں پیدا ہوا جسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی کمال حکمت عملی اور جرأتِ ایمانی سے ملیا میٹ کر دیا، دوسرا فتنۂ ارتداد ہسپانیہ اور سپین میں پیدا ہوا کہ ۱۴۹۲ء سے پہلے جہاں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان آباد تھے ان سب کو زبردستی عیسائی بنایا گیا اور پورے ملک سے مسلمانوں کے آثار کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔لیکن ان دو واقعات کے علاوہ دوسری صدی ہجری میں معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کی طرف سے جو فکری اور اعتقادی ارتداد کی تحریک سامنے آئی وہ کس قدر شدید تھی، جس کی بنیاد یونانی علم کلام اور منطق پر تھی۔دیکھئے اس بہت بڑے فتنہ کا سدباب امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کس طرح کیا کہ ارسطو کے علمِ کلام اور منطق کی دھجیاں بکھیر دیں۔ابن تیمیہ نے قرآن مجید کے استقرائی اسلوب اور طریق سے کام لیتے ہوئے، یہ علمی کارنامہ سرانجام دیا۔

میرے عزیز ساتھیو! یہ ارتداد ظاہر (Visible) تھا لیکن اس وقت امتِ مسلمہ جس ارتداد کے چنگل میں ہے یہ کمبخت دکھائی بھی نہیں دیتا کہ لوگ نام کی حد تک تو بظاہر مسلمان ہیں لیکن عملی مظاہر کے اعتبار سے حکمرانوں سے لے کر عوام تک بری طرح بے عملی اور ارتداد کی دلدل میں پھنس چکے ہیں۔ جس کی مختلف شکلیں جدیدیت، مادیت، لادینیت، الحاد، سیکولرازم اور تجدد پسندی کے نام سے ہمارے سامنے ہیں۔علوم دینیہ کے طلبہ کی ذمہ داری ہے کہ ان فتنوں کی نوعیت اور حقیقت کا ادراک کریں اور پھر سلف صالحین اور محدثین کے منہج پر چلتے ہوئے ان کی سرکوبی کے لیے کمربستہ ہوں۔اس بڑے کام کا بیڑا اٹھانے کے لیے لازمی ہے کہ ہم علوم کے دائرے میں راسخ ہوں اور عصر حاضر کے اسلوب میں کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔اس کے لیے آپ کو چاہیے کہ برصغیر میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، مجدد

الف ثانی رحمہ اللہ کے خاندان کے سارے اکابر سے سیکھیں کہ فکری ارتداد کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے۔

اردو خواں دنیا کے لیے ہماری خدمات کیا ہیں اور آپ کو معلوم ہے اردو داں دنیا کتنی ہے؟ اس وقت دنیا کی کل آبادی چھ ارب ہے جس میں ایک چوتھائی مسلمان ہیں۔ پہلے اتنے نہیں تھے، اب اللہ کا فضل ہے پہلی دفعہ پوری دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک چوتھائی یعنی ڈیڑھ ارب ہے اور ان ڈیڑھ ارب مسلمانوں میں ایک ارب مسلمان کسی نہ کسی سطح پر اردو سمجھتے اور بولتے ہیں۔

اس لیے دعوت وتذکیر کے نقطۂ نظر سے جو علمی میدان ہے اس میں بہت زیادہ ضرورت ہے کہ خود اردو زبان کو بھی حقیر نہ سمجھیں اس کے اندر کام کرنے کی بہت زیادہ وسعت اور ضرورت موجود ہے۔

پھر ایک اور طرح سے سوچیے! انجیل کے اٹھارہ سو (۱۸۰۰) سے زیادہ زبانوں میں ترجمے ہیں۔ میں ایک دفعہ مجمع ملک فہد مدینہ میں اپنے کرم فرما ڈاکٹر ف، عبدالرحیم صاحب سے ملا جو ابھی تک کُل چالیس زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم شائع کر چکے ہیں ویسے ایک سو دس زبانوں میں پورے ترجمے موجود ہیں اور جزوی طور پر کیے جانے والے تراجم کو بھی شامل کرلیا جائے تو یہ تعداد ۱۳۵ ہو جاتی ہے۔ مجھے ہندوستان میں دہلی جانے کا اتفاق ہوا، وہاں پر لوٹس ٹمپل کے نام سے ایک بہائی مرکز ہے، جس کے زمین دوز ہال میں بہاء اللہ کی مناجات کی کتاب اقدس کے آٹھ سو زبانوں میں طبع شدہ تراجم موجود تھے۔ پیش نظر رہے کہ اس وقت دنیا میں رائج زبانوں کی تعداد ۶۷۸۰ ہے۔ لیکن آپ نے اس بارے میں کبھی سوچا ہے کہ یہ لوگ کہاں سے آئیں گے جو اس بات کا ادراک پیدا کریں، کہ میں نے دنیا کی رائج زبانوں میں سے کسی ایک زبان کو سیکھنا ہے اور اس میں قرآن وسنت کے نور ہدایت کو منتقل کرنا ہے۔

زبانوں کا علم حاصل کرنا بھی ہماری ایک ترجیح ہونا چاہیے۔ چودہ سو برس قبل اگر رسول کریم ﷺ صحابہ کو دوسری زبانیں سیکھنے کا کہہ سکتے ہیں تو ہم اس فرض سے دور کیوں ہیں۔ عالمی سطح پر اسلام کی دعوت کو پھیلانے کے لیے اس کی شدید ضرورت ہے۔ نیز مستشرقین کی ہرزہ سرائیوں کا جواب دینے کے لیے انگریزی کے علاوہ فرانسیسی، جرمن اور سپینش زبانوں کا سیکھنا ناگزیر ہے۔

میں آپ کو تقابل بتانا چاہتا ہوں۔ مجھے ایک محاضرہ کے سلسلہ میں ایران جانے کا موقع ملا تو میری حیرت کی انتہا تھی کہ وہاں پر ایک طالب علم کو جو سند فراغت دیتے ہیں وہ بعض صورتوں میں ستائیس سال کے بعد ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آٹھ سال ضائع کر رہے ہیں۔ چھ سال کا نصاب ہونا چاہیے اور چھ والا چار میں ہونا چاہیے۔ عورتوں کی حد تک تو سمجھ میں آتا ہے۔ یہ اختصار پسندی کا ذوق بھی ہم میں پیدا ہوا اور مجھے تو یہ بھی ہلاکت خیز معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ بحیثیت معلّم اور جو آپ کے متعلم اور تلامذہ تھے، وہ زندگی بھر مرنے تک اسی نبوی کلاس روم میں رہتے تھے۔ ان کے ہاں فراغت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ ماں کی آغوش سے قبر کی گود تک علم حاصل کرو۔

مجھے معلوم ہے کہ سب لوگوں میں یہ نہیں ہو سکتا ہے۔ طبائع کے اختلاف کے لحاظ سے ممکن ہے کہ کچھ وقت کے لیے کچھ طلبہ کے جذبات میں انگیخت ہو کہ پروفیسر صاحب کی گفتگو سننے کے بعد شاید کسی کا عزم پختہ ہو جائے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر کوئی یہ داعیہ اپنے اندر پیدا کر لے اور یہ انقلاب پانچ چھ فٹ کے وجود میں لے آئے تو اس انقلاب کے بعد پوری دنیا میں انقلاب لانا ناممکن نہیں ہے۔ اللہ راستے کھول دیتا ہے۔ پھر اللہ کا فیصلہ ہے کہ آدمی اگر اس دینی احتیاط کے ساتھ اور عزم مصمم کے ساتھ، تزکیے اور اخلاص کے ساتھ اور زہد و تقویٰ کی اس کیفیت کے ساتھ مسنون زندگی اختیار کر لیتا ہے تو کوئی وجہ ہی نہیں کہ دنیا اس سے متاثر نہ ہو۔ ہماری تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

امتِ واحدہ میں آج اس جذب و شوق اور ہمت و ولولہ والے کتنے لوگ ہیں۔ ایک آدمی کام کرتا ہے اور کام ہوتا چلا جاتا ہے۔ اساتذۂ کرام کو اپنی تدریس کے دوران میں مسلسل اور مستقل اس پر توجہ دینا چاہیے کہ کون سے طلبہ میں قدرت نے فقاہت، ذکاوت، فطانت اور صلاحیت رکھی ہے، انھیں بطور خاص وسعت مطالعہ اور استخراج نتائج کا خوگر بنانا چاہیے۔ تقابلی مطالعہ کے لحاظ سے اس کا آغاز فقہ المقارن سے ہونا چاہیے جسے بڑھتے ہوئے تقابل ادیان اور ان کے مطالعہ کی شکل اختیار کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں کمپیوٹر اور نیٹ کی دنیا سے واقفیت ناگزیر ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنے وقت سے بہت زیادہ وقت بھی لیا اور بڑے غیر مربوط انداز میں بہت سی باتیں آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا مدعا آپ ضرور

سمجھ گئے ہوں گے کہ علوم نبوت کے طلبہ کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں۔ان کو کس طریقے سے اپنے متون اور فنون میں رسوخ حاصل کرنا ہے کس طریقے سے ایک زاہدانہ اور مسنون زندگی گزارنا ہے؟ کس اسلوب سے عربی زبان اوراس کے ادب وانشاء میں کمال حاصل کرنا ہے؟ طلبہ کو مکالمے کی مشق کرنا ہے جو بالآخر بین المذہبی مکالمے میں سہولت پیدا کرے گی۔تحریر اور تقریر ہر دو کی اعلیٰ درجے کی مشق بہم پہنچانا چاہیے۔اپنی شخصیت کی تہذیب، اخلاق واطوار کی تعمیر اور سیرت کی تشکیل کرنا ہوگی۔اس ساری علمی تگ ودو کا مقصود شخصی وجاہت اور ذاتی منفعت کی بجائے محض اور محض رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہیے۔

عزیزان گرامی قدر! یہ وہ سارے امور ہیں جو علوم نبوت کے طلبہ کی ذمہ داریاں، مطالبات اور فرائض ہیں، اور میں بھی ایک عاجز طالب علم ہوں۔ یوں سمجھئے کہ میں اپنا سبق سنانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، میں کسی انکسار کے بغیر آپ سے یہ حقیقت عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے دین کے ایک طالب علم اور خادم کی حیثیت سے موت دے، اور یہی میری زندگی کا افتخار ہے۔

حضرات گرامی! میں علم وتحقیق کی اس منفرد درس گاہ کے منتظمین کا شکر گزار اور احسان مند ہوں کہ انھوں نے ایک حقیر اور کم علم شخص کو یہ عزت اور سعادت بخشی کہ وہ ''علوم نبوت کے طلبہ کی ذمہ داریاں'' جیسے عظیم اور وسیع موضوع پر اظہار خیال کر سکے۔اپنی اس گفتگو کے دوران حق تعالیٰ نے مجھے جن باتوں کو عرض کرنے کی توفیق ارزاں کی ہے، اس کا اولین مخاطب تو خود میری اپنی ذات تھی، اگر اس گفتگو میں علمی اور عملی ترغیب اور تشویق کا کوئی پہلو موجود ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

تربیت اوراس کے اہم طریقے

الاستاذ حافظ محمد شریف حفظہ اللہ

خطبہ مسنونہ کے بعد:

ما كان لبشر أن يوتيه الله الكتاب والحكم والنبوة ثم يقول للناس كونوا عبادا لي من دون الله ولكن كونوا ربانيين بما كنتم تعلمون الكتاب وبما كنتم تدرسون . ولا يأمركم أن تتخذوا الملئكة والنبيين أربابا أيامركم بالكفر بعد إذ أنتم مسلمون .

''کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب، حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ (اس کو یہ کہنا سزاوار ہے کہ اے اہل کتاب) تم (علمائے) ربانی بن جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔اوراس کو یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنالو۔ بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اسے زیبا ہے کہ تمہیں کافر ہونے کو کہے''۔(آل عمران ۷۹،۸۰)

تمہیدی کلمات:

عزیز بھائیو! پیارے بیٹو! اس مبارک موقع پر میں آپ سب سے ملاقات پر بہت زیادہ خوشی محسوس کررہا ہوں کیونکہ آپ کی رفاقت اور صحبت میں ایک وقت گزرا ہے، شاید ایسے پروگرام کم ہی بنتے ہیں کہ اپنے سب تلامذہ اور بھائیوں کو ایک ہی نظر دیکھ لیں اور نہ جانے دوبارہ اس طرح کے مواقع اللہ کی طرف سے میسر ہوں یا نہ ہوں۔ان لمحات میں آپ حضرات کو دیکھ کر میں بہت ہی خوشی محسوس کررہا ہوں، آپ کو دیکھنے سے دل کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوئی۔

آپ خوب جانتے ہیں کہ جب کوئی کھیتی بونے والا اپنے کھیت اور باغ میں لہلاتی کھیتی، مہکتے ہوئے پھول اور پکتے ہوئے پھل دیکھتا ہے تو طبعی طور پر وہ خوش ضرور ہوتا ہے، جب مالی اپنے

ہاتھ سے باغ میں لگائی ہوئی انگوریوں کو تناور اور پھل دار درخت کی صورت میں دیکھتا ہے تو خون پسینہ کی محنت اور مشقت کو بھول جاتا ہے۔ مجھے بھی اس بات کی بہت ہی مسرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دین کے لیے منتخب فرمایا اور آپ حضرات مختلف جگہ پر اللہ کے دین کا کام کر رہے ہیں آپ کے کارنامے اور خدمات دیکھ اور سن کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی جوانی، اور علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور اس نعمت کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔

صحیح بخاری کی حدیث ہے، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ ''نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس، الصحة والفراغ'' ((صحت اور فراغت دو ایسی نعمتیں ہیں کہ جن میں اکثر لوگ خسارہ اٹھا رہے ہیں)) اور شباب ایک ایسی قوت ہے جس میں انسان اللہ کی توفیق سے بہت کچھ کر سکتا ہے۔ یہ قوتیں بہت بڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ دعائیں بھی کرتے رہا کریں کہ " اللهم متعنا بأسماعنا وأبصارنا وقواتنا ما أحييتنا واجعله الوارث منا" (اے اللہ ہمیں اپنے کانوں، آنکھوں اور (دیگر) قوتوں سے فائدہ پہنچا اور ان کو ہمارا وارث بنا دے)

آپ حضرات ماشاء اللہ مجھ سے قبل کبار مشائخ اور علماء کے بیانات اور دروس سماعت فرما رہے ہیں اور نادر علمی فوائد چن رہے ہیں میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو نئی ہو بلکہ آپ عمر کے اس مرحلے میں ہیں کہ زیادہ سے زیادہ پڑھتے ہیں، مطالعہ کرتے ہیں اور آگے بڑھنے والے ہیں ایسے ہوتا بھی ہے اور ہمیں آپ حضرات سے امید بھی ہے کہ ایسے ہی ہوگا کہ بہت سے شاگرد اساتذہ سے بڑھ جاتے ہیں، بہت سے بیٹے اپنے آباء واجداد کا ورثہ ہوتے ہیں اور ان کا نام روشن کرنے کا سبب اور باعث بن جاتے ہیں۔ میں ایک تو آپ حضرات کو دیکھنے کے لیے ہی حاضر ہوا ہوں اور پھر آپ سے ہی کچھ مشورے اور تجاویز لینے کے لیے آپ کے سامنے بیٹھا ہوں اس سے پہلے چند باتیں میں عرض کیے دیتا ہوں۔

تربیت کی تعریف اور اہمیت:

یہ موضوع نہایت عظمت واہمیت کا حامل ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ چیز بیان کرنے سے
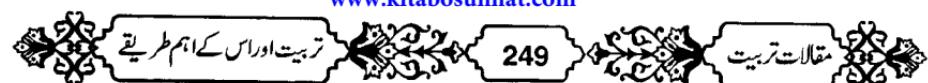
تعلق نہیں رکھتی بلکہ یہ چیز عمل، کردار اور سیرت سے تعلق رکھتی ہے، یہ سفید کاغذ میں رنگ بھرنے کا نام ہے اس لئے کہتے ہیں کہ تربیت کا لفظی معنیٰ بھی یہی ہے کہ ''تبليغ الشيء إلى كماله شيئا فشيئا'' کہ کسی چیز کو آہستہ آہستہ، تدریج کے ساتھ اس کے کمال اور تمام کی حد تک پہنچا دیا جائے اس کو تربیت کہتے ہیں اور اس دنیا کی ہر چیز تربیت اور تہذیب کی محتاج ہے۔ زمینوں اور کھیتوں کو اگر بے ہنگم اور کانٹ چھانٹ کے بغیر چھوڑ دیا جائے تو وہاں گھاس پھوس اور جھاڑیاں اُگ آتی ہیں۔ جانوروں کی اگر صحیح تربیت اور پرورش کر لی جائے تو ہاتھی اور اونٹ جیسے قوی جانور بھی انسان کے خدمت گزار نظر آتے ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے، اس کائنات کی سب سے قیمتی چیز ہے اس لیے سب سے زیادہ تربیت کا محتاج ہے۔ اگر انسان بگڑ جائے اور اس کی صحیح تربیت نہ ہو تو یہ درندہ صفت، وحشی جانور اور سفاک بھیڑیا اور قاتل بن کر انسانیت کی تذلیل کرتا پھرتا ہے۔ اور اپنے مقام سے گر کر ''أولئك كالأنعام بل هم أضل'' کا مصداق ٹھہرتا ہے۔

اسلامی تربیت اسے کہتے ہیں کہ ایک ایسی شخصیت کی تشکیل کی جائے جو اپنے قول وعمل، اپنے اخلاق اور سلوک میں مثالی ہو۔ شاید آپ کے ذہن میں یہ بھی ہو کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہو۔ کسی بھی چیز کا کمال یہ ہوتا ہے کہ جس مقصد کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے وہ اس کو پورا کرے۔ کوئی مشینری آپ بناتے ہیں اگر وہ اپنے مقصد کو پورے طریقے سے ادا کر رہی ہے اور جس کام کے لیے اس کو بنایا گیا ہے، اسے پوری طرح انجام دے رہی ہے تو آپ کہیں گے کہ یہ بڑی کامل چیز ہے تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس چیز کے لیے پیدا کیا ہے اس میں وہ کامل ہو تو آپ سمجھ لیں کہ اس کی تربیت صحیح ہوئی ہے اور وہ کامل ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے تو کامل بندہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں اپنی زندگی گزار رہا ہو۔

تو تربیت کا ہدف یہ ہوا کہ آپ ایسے انسان تیار کریں جو اللہ کی عبودیت میں کامل ہوں اور لوگوں کے لیے اپنے کردار، گفتار، اور سلوک میں ایک مثالی حیثیت رکھتے ہوں۔ تربیت کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ جو حضرات اس مشن کو آگے لے کر چلنے والے ہوں وہ سمجھ لیں کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور باپ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ مرتبہ فضیلت کے اعتبار

سے بھی اور ذمہ داری کے اعتبار سے بھی چھوٹا نہیں ہے۔ پیغمبر اور باپ۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ" إنما أنالكم بمنزلة الوالد "(میں تمہارے لیے باپ کے مرتبہ میں ہوں)(أبو داؤد ، کتاب الطهارة، باب كراهية استقبال القبلة رقم : ۸) اور ایک قراءت بھی ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی "النبي أولىٰ بالمؤمنين من أنفسهم وأزواجه أمهاتهم وهو أبو هم "کہ آپ کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں۔اور آپ مومنوں کے باپ ہیں وہ شخص صحیح تربیت کرسکتا ہے جو اپنے آپ کو پہچان لے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا وارث بھی ہوں اور میں اپنے طلبہ، عام لوگوں اور مخاطبین کے لیے باپ اور والد کی حیثیت رکھتا ہوں۔آپ جانتے ہیں کہ پیغمبر میں جو خصوصیت ہوتی ہے اور ایک باپ کے اندر جو بیٹے کی رہنمائی کی تڑپ ہوتی ہے، جب تک وہ انسان کے اندر پیدا نہ ہو، اتنی دیر تک وہ کسی کی تربیت کے خواب نہ دیکھے، وہ کسی کی تربیت نہیں کرسکتا ہے اس لیے ہمیں اپنے اندر وہ اخلاص پیدا کرنا چاہئے اور اپنے اندر وہ خیر خواہی اور لوگوں کی محبت پیدا کرنا چاہیے، وہ جذبہ اور تڑپ پیدا کرنی چاہیے کہ ہم نے ان لوگوں کو جہنم سے بچا کر جنت کی طرف لے جانا ہے اور شیطان کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبودیت اور غلامی کی طرف لے جانا ہے۔

معرفت الٰہی پر تربیت:

تربیت کے لیے ضروری ہے کہ دیکھیں آپ لوگوں کی کس انداز سے بہتر تربیت کر سکتے ہیں۔سب سے بہترین چیز یہ ہے کہ لوگوں کے اندر اللہ ذوالجلال کی صفات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت پیدا کریں۔ میں دوبارہ یہ الفاظ دہراتا ہوں کہ اپنے طلبہ میں اور اپنے سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں اللہ کی معرفت اور پہچان پیدا کریں اور اس پہچان کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہوں اس لیے کہ اللہ کی پہچان اللہ کی صفات سے ہوتی ہے اور سب سے زیادہ یہ انداز قرآن کریم نے اختیار کیا ہے۔آپ قرآن کریم کو اگر سرسری نظر سے بھی دیکھیں تو آپ اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی صفات اور خوبیاں پائیں گے اور اللہ ذوالجلال کی عظمت اور قدرت کے ایسے ایسے مظاہر قرآن مجید میں جگہ جگہ آپ کو نظر آئیں گے کہ اگر واقعتاً انسان اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات کی روشنی میں پہچان لے تو پھر رات کے اندھیرے میں، خلوت میں، کسی پہاڑ کی چوٹی پر اور کسی سمندر کی تہہ میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کی

نافرمانی نہیں کرتا۔ اسی چیز کے اوپر آپ اپنے طلبہ اور لوگوں کی تربیت کریں۔ دیکھیں جب اللہ کی معرفت دلوں میں پیدا ہو جائے تو پھر صرف اللہ سے محبت اور اس کا خوف رہ جاتا ہے اور لوگوں کی محبت اور ان کا خوف دل سے نکل جاتا ہے پھر اسی سے پیار ہوتا ہے جس سے اللہ کہتے ہیں اور اسی سے محبت ہوتی ہے جس سے اللہ کہتے ہیں۔ اللہ کا ڈر اور محبت یہ ایسا امتزاج ہے کہ جب انسان کے اندر یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو سمجھ لو کہ اس نے زندگی کا مقصد پا لیا۔ آپ نے دیکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اپنے شاگردوں کی بچپن سے ہی اس چیز پر کیسے تربیت کرتے تھے؟ آپ کو وہ حدیث ضرور یاد ہوگی جو آپ نے جامع العلوم والحکم میں بھی یاد کی تھی اور بعد میں آپ نے کئی دفعہ اپنے طلبہ کو پڑھائی بھی ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں آپ کے پیچھے تھا تو آپ نے فرمایا: ''یا غلام إني أعلمك كلمات'' اے بچے! نوجوان! میں چند کلمات آپ کو سکھاتا ہوں اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ابھی بالغ بھی نہیں تھے۔ جب رسول اکرم ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے ہیں تو ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں بلوغت کے قریب تھا لیکن آپ کے اندر کس انداز سے اللہ کے رسول نے اللہ تعالیٰ کی پہچان داخل کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں اے بچے! میں چند کلمات تمہیں سکھاتا ہوں ان کلمات کا آپ کو بہت فائدہ ہوگا۔ کیا سکھایا تھا؟ ''احفظ الله يحفظك'' یہ چھوٹا سا جملہ ہے لیکن اگر آپ اس کو اپنے اندر اتار لیں اور اس کو عملاً لوگوں کے اندر اتار دیں، تو پھر اللہ کی سرکشی، نافرمانی، خیانت، چوری، بددیانتی، تصنع، بناوٹ، ریاکاری، حقیر چیز کے لیے اپنے اخلاق اور ایمان کو بیچ ڈالنا، اور تھوڑی سی قیمت اور سستی شہرت کے لیے اپنی آخرت کو برباد کر لینا پھر یہ چیزیں انسان کے ذہن سے نکل جاتی ہیں۔

''احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك وإذا سألت فاسئل الله وإذا استعنت فاستعن بالله واعلم ان الامة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشيء لم ينفعوك إلا بشئ قد كتب الله لك وإن اجتمعوا على أن يضروك بشيء، لم يضروك إلا بشيئى قد كتبه الله عليك رفعت الأقلام وجفت الصحف'' (جامع ترمذی: صفة القيامه، حدیث نمبر ٢٥١٦ مسند أحمد (٢٥٣٧)) (اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی، حقوق اور حدود) کی حفاظت کرو وہ تمہاری حفاظت

فرمائے گا، اللہ کی حفاظت کرو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے اور جب مانگو تو صرف اللہ تعالیٰ سے، مدد طلب کرو تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے اور جان رکھو! کہ اگر ساری امت بھی جمع ہو کر آپ کو کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو تیرے حق میں اللہ تعالی کے لکھے ہوئے کے علاوہ فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور اگر سب مل کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو اللہ کے لکھے ہوئے کے علاوہ کوئی نقصان نہیں دے سکتے، (تقدیر کے) قلم اٹھائے جا چکے اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں)

محمد رسول اللہ ﷺ کی تربیت کا انداز اور اسلوب یہی ہے، آپ بھی یہی انداز اپنانے کی کوشش کریں اپنے اسباق، دروس اور خطبات میں تربیت کی ابتدا اسی نکتہ سے کریں۔ آپ کسی برائی کی شدت اور قباحت کے بارے جتنا مرضی بیان کرتے رہیں اس کا کوئی فائدہ نہیں، جب تک انسان کے دل کے اندر یہ تصور پیدا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے، وہ مجھے دیکھ رہا ہے، وہ پکڑتا ہے' وہ محبت کرتا ہے، وہ آپ کی حفاظت کرتا ہے' سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے۔ ان صفات سے اللہ تعالیٰ کو پہچانیں تو پھر آپ اللہ ذوالجلال کے محبوب بندوں میں ہو جائیں گے۔ رسول اکرم ﷺ کے صحابہ اکرام کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ ضرور اس بات کا مشاہدہ کرتے ہوں گے کہ یہی وہ چیز تھی جس نے صحابہ کرام کے کردار اور گفتار کو مثالی بنا دیا۔ آپ جانتے ہیں کہ تین صحابہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے ان میں سے ایک بڑی عظیم شخصیت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ بڑے خطیب، فصیح و بلیغ، بہترین شاعر، قوت بیان کے مالک، اور ان کو اس چیز پر ناز بھی تھا۔ جب رسول اکرم ﷺ تبوک سے واپس ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ کعب کیا عذر تھا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ! آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے مجھے بیان کی قوت دی ہے اگر میں اپنا عذر بیان کروں اور الفاظ کا انتخاب کروں تو آپ بھی سچ مان جائیں گے کہ واقعتاً یہ معذور ہے اور دوسروں کی طرح آپ میرا عذر بھی قبول کر لیں گے لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ کے سامنے تو میں غلط بیانی کر سکتا ہوں، جھوٹ بول لوں گا لیکن اللہ ذوالجلال کے سامنے کیا جواب دوں گا؟ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے آپ کو بتلا دے گا۔ ان کو یہی تربیت دی گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ یا لوگوں کے سامنے تو اپنے آپ کو سچا بنا سکتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے کیسے اپنے آپ کو سچا بنائیں گے۔ میرے بھائیو! یہ تربیت کب پیدا ہوتی ہے؟ جب آپ اپنے طلبہ کے اندر

ایمان اور اللہ کی معرفت، اس کی صفات کے ذریعے پیدا کرنے کی کوشش کریں جب اس کو یہ احساس ہو کہ إن اللہ کان علیکم رقیبا۔ (یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے) تو پھر دنیا کی نگرانی اور مراقبے کی ضرورت نہیں پڑتی

سچائی پر تربیت:

تربیت کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ آپ اپنے طلبہ کی تربیت سچائی پر کریں خود سچ بولیں اور عملاً طلبا کو سچ بولنا سکھائیں۔ آپ کے اندر اتنی شدت' ہیبت اور خوف نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی طالب علم آپ کی سزا اور غصے سے بچنے کے لیے جھوٹ بول دے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بچوں کی تربیت کیلئے یہ ایک مہلک چیز ہے۔ بلکہ آپ طلبہ کو یہ چیز سکھا دیں اور ان کے دلوں میں اتار دیں کہ اگر سچ بولیں تو شاباش ملے گی تو پھر بچہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ اگر اس کا ذہن یہ ہو کہ اگر استاد جی کو پتہ چل گیا کہ نماز سے پیچھے رہ گیا ہے تو وہ کوئی عذر بھی نہیں سنیں گے اگر چہ وہ ایک معقول شرعی عذر ہی کیوں نہ ہو بلکہ لاٹھی پکڑ کر مارنا شروع کر دیں گے، تو جب آپ کے طلبہ کے ذہن میں آپ کی یہ شخصیت ہوگی تو وہ یہ سمجھے گا کہ چلو اللہ سے معافی مانگ لیں گے، وہ تو معاف کر دے گا اور میرا عذر قبول کر لے گا لیکن استاد صاحب میرا عذر قبول نہیں کریں گے۔ جب شاگرد کے ذہن میں استاد کی یہ شخصیت ہو تو اس کی تربیت کیا ہوگی؟ کیا وہ بے وضو نماز نہیں پڑھے گا؟ کیا وہ جھوٹ نہیں بولے گا کہ میں نے تہجد پڑھ لی ہے۔ کیا وہ ایسی حالت میں ہی جا کر تکبیر اولیٰ میں شامل نہیں ہو جائے گا جس حالت میں نماز ادا کرنے کو بعض ویسے ہی ارتداد اور کفر کہتے ہیں؟ اس لیے ضروری ہے کہ آپ طلبہ کے ساتھ اس طرح محبت، شفقت اور الفت سے پیش آئیں کہ شاگرد کو یقین ہو کہ استاد واقعی ایک باپ کی طرح ہے اور پیغمبر ﷺ کا حقیقی وارث ہے۔

مجھے اس چیز کا بہت افسوس ہے اور میں نے یہاں شہر میں قراء اور علماء کے ایک اجتماع میں اس چیز کا اظہار بھی کیا تھا۔ کہ مجھے رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی کی تربیت میں یہ نظر نہیں آتا کہ کسی کو سبق یاد نہ ہوا اور اس کو قرآن حفظ نہ ہوا ہو تو صحابہ کو رسول اکرم ﷺ نے مار مار کر کسی کی ٹانگ توڑ دی ہو، کسی کا بازو توڑ دیا ہو، کسی کا سر پھوڑ دیا ہو، کسی کی آنکھیں ضائع کر دی

ہوں، اوراحمق والدین کی جہالت اوراس استاد کی حماقت اور قساوت کی وجہ سے کسی نے اپنے اوپر پٹرول چھڑک کر اپنے آپ کو آگ لگالی ہو، کیا یہ قرآن سکھانے کے انداز ہیں؟ کیا یہ دین اور سنت پر تربیت کے انداز ہیں؟ ہم نے سارا اسلوب اور طریقہ، نماز کا طریقہ، وضو کا طریقہ، عقیدہ اور ایمان رسول اکرم ﷺ کی سنت سے لیا۔ لیکن یہ جو پڑھانے کا طریقہ ہے، تعلیم اور تدریس کا طریقہ ہے، یہ پتہ نہیں کہاں سے لیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اکرم ﷺ کی خدمت کی ہے اوران دس سالوں کے اندر میں نے رسول اکرم ﷺ کو نہ تو اپنے سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ یہ کیوں کیا ہے اور نہ یہ سنا ہے کہ یہ کیوں نہیں کیا۔

اس کا مقصد یہ بھی نہیں کہ تادیب اور تنبیہ کے لیے بچے کو کچھ نہ کہا جائے، مناسب حد تک جب کہ مار اور سزا مفید ہو اس کی اجازت ہے۔ اس کی تعلیم بھی رسول اکرم ﷺ نے دی ہے "مروا صبیانکم بالصلوۃ وھم أبناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم أبناء عشر سنین" (اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور انہیں نماز پر سزا دو جب وہ دس سال کو پہنچ جائیں)(أبو داؤد : کتاب الصلوۃ ، باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ (٤٩٥))

تو میرے عزیزو! آپ اپنے طلبہ کے سامنے اپنی وہ شخصیت پیش کریں کہ وہ آپ کو اپنا خیر خواہ بھی سمجھتے ہوں، محبت کرنے والا بھی سمجھتے ہوں اوراس ڈاکٹر کی طرح آپ کی شخصیت ہو۔ جس کی ساری توجہ مریض کی بھلائی اور خیر خواہی پر مرکوز ہوتی ہے اور سمجھدار مریض جانتا ہے کہ ڈاکٹر میرا خیر خواہ ہے اور یہ جان بچانا چاہتا ہے۔ اسی لیے مریض کڑوی دوائی نگلنے، انجکشن اور اپریشن کی تکلیف کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ سچ پر تربیت ہوگی تو آپ طلبہ کی نفسیات کو سمجھ سکیں گے، آخر طلباء کی نفسیات کیوں بن جاتی ہیں کہ اگر ہم استاد یا ناظم صاحب سے سچا عذر بیان کریں گے ہمیں چھٹی نہیں ملے گی اور اگر ہم جھوٹ لکھ کر دے دیں تو ہمیں چھٹی مل جائے گی تو پھر استاد کس چیز پر تربیت کر رہے ہیں کہ جھوٹ بولو اوراس کو اپنی زندگی کا حصہ بنالو۔

صبر وضبط:

اسی طرح آپ تربیت سے طلبا کے اندر صبر اور ضبط پیدا کریں، خود اپنے اندر بھی یہ خوبی

پیدا کریں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کئی دفعہ شاگرد سے اگر استاد کی شان اور ادب کے خلاف کوئی بات ہو جائے، تو استاد غضبناک ہو جاتے ہیں، اور اس کا ری ایکشن اتنا شدید ہوتا ہے کہ ایسے لگتا ہے کہ شاید استاد اس وقت حالت اعتدال میں ہی نہیں ہے اور پھر اس غصے کے اندر ہاتھ، زبان، ٹانگیں لاٹھی جو ہاتھ میں آئے اس کو چلاتا ہے۔ اب اس بچے کی کیا تربیت ہوگی کہ جو استاد کسی کی غلطی کو ضبط نہ کر سکے، اور صبر نہ کر سکے اپنے ہاتھ اور زبان پر کنٹرول نہ کر سکے اور سوچ نہ سکے کہ میں اس کو کس طریقے سے سزا دوں تو اس کو کیا عبرت حاصل ہوگی؟

بھائی آپ کو پتہ ہے کہ صرف ڈنڈے کی سزا ہی انسان کو ادب نہیں سکھاتی کئی دفعہ ایک لفظ ایسا ہوتا ہے یا استاد کا انداز اور اسلوب ایسا ہوتا ہے کہ استاد کا ایک کلمہ شاگرد کی زندگی کو بدل دیتا ہے۔ یہ تب ہوگا کہ جس وقت استاد شاگرد کے ہاں ایک محبوب ترین ہستی اور بہترین نمونہ ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت کعب بن مالک کو کیا سزا دی تھی؟ کیوں بھئی! ان سے قطع تعلقی کی تھی اور یہ ان کے اوپر اتنا شاق گزرا کہ قرآن مجید اس کی تعبیر کرتا ہے کہ ''ضاقت علیھم الأرض بما رحبت'' زمین ان پر اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی۔ آپ نے ان کو کوئی جسمانی سزا نہیں دی اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اپنے شاگردوں، ٹریننگ یافتہ مجاہدین سے کہیں کہ کعب کو ذرا لمبا کرو اور سزا کے جو طریقے تمہیں سکھائے ہیں، سارے اس پر آزماؤ کہ یہ پیچھے کیوں رہ گیا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے صرف یہ کہا کہ اب ان سے کوئی بولے نہیں۔ اب ان کیلئے تو یہ بڑی سزا تھی۔ دیکھیں باپ اگر بیٹے سے مقاطعہ کردے تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ بیٹا کتنے دن صبر کرے گا؟

تو بھائیو! آپ اپنے اندر صبر، ضبط نفس اور اپنے اوپر کنٹرول کی طاقت پیدا کریں۔ آپ یہ حدیث پڑھتے، سنتے اور سناتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ سے ایک آدمی نے پوچھا کہ وصیت فرما دیجئے پھر پوچھا، پھر پوچھا۔ بعض روایات میں ہے کہ ایسی وصیت فرما دیجئے کہ اللہ مجھے جنت کے قریب کردے، ایک رویت میں ہے کہ ایسی وصیت کردیں کہ اللہ مجھے جہنم سے دور کردے۔ آپ کیا کہتے رہے؟ یہی کہتے رہے کہ غصے میں نہ آیا کرو (صحیح البخاری: کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب (٦١١٦)) کیونکہ جب غصے میں آئے گا تو اس کے سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں مفلوج ہو جائیں

گی بلکہ اسے چاہیے کہ اسی وقت سزا دینے کی بجائے وہ کچھ انتظار کر لے اور سوچ لے کہ اب میں کس طریقے سے اس بچے کی اصلاح کر سکتا ہوں، یہ بھی سوچے کہ اگر تمام طلباء کے سامنے اس کو ڈانٹ دوں اور سزا دوں یہ زیادہ مؤثر ہوگی یا اس کو الگ بلا کر اس کو اس کی شخصیت اور مقام کا احساس دلاؤں، اور اپنے تعلق کا واسطہ دے کر اگر اس کو سمجھانے کی کوشش کروں تو اس کی سزا یہ زیادہ موثر ہوگی۔ آپ اپنے اندر اس جذبہ صبر اور ضبط نفس کو پیدا کریں۔

یہ چیزیں کیونکہ آپ کی طبیعت اور لاشعور کا حصہ نہیں۔ ممکن ہے کہ دورانِ تعامل آپ بھول جائیں، اس لیے کہ یہ ایک انسان کے اپنے لاشعوری عمل اور اپنی شخصیت کے طبعی خصائص ہیں۔ لیکن اس کے اوپر آپ ٹریننگ اور محنت کریں گے تو یہ چیزیں آپ کے اندر بھی پیدا ہو جائیں گی۔ رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث آپ کو یاد ہوگی "إنما العلم بالتعلم والحلم بالتحلم" کہ علم سیکھنے سے اور بردباری تحمل سے حاصل ہوتی ہے۔ (سلسله صحيحه ١/ ٦٧٠ (٣٤٢)) یعنی پہلے تو انسان کئی چیزیں تکلف سے سیکھتا ہے، تفعل کا خاصہ تکلف ہے کہ پہلے تکلف سے سیکھتا ہے پھر آہستہ آہستہ وہ اس کی عادت بن جاتی ہے لہٰذا آپ یہ چیزیں شروع میں تکلف سے بار بار اس پر عمل کریں پھر یہ آپ کی عادت بن جائے گی اور بلا تکلف آپ سے ان چیزوں کا صدور ہوگا، اور پھر اس کا فائدہ بھی ہوگا۔

سبق کی تیاری اور مطالعہ:

تربیت کے لیے ایک بہت ہی ضروری چیز یہ ہے کہ آپ اپنے طلباء کو جو چیز پڑھاتے ہوں، حدیث ہو یا تفسیر، یا نحو وصرف کے قواعد ہوں یا اصول حدیث، اصول فقہ میں سے کوئی چیز ہو۔ پہلے آپ خود اس کو اچھی طرح پڑھیں اور علی وجه البصيرة سمجھ لیں پھر اپنے طلباء کو جب آپ سمجھائیں گے ایک تو آپ اچھے طریقے سے اس بات کو ان کے ذہن میں داخل کر سکیں گے اور دوسرا طلباء کو احساس ہوگا کہ اس شیخ کی بات میرے ذہن میں چلی گئی ہے اور اس کی سمجھ آ گئی ہے اور واقعتاً اللہ تعالیٰ نے اس استاد کو بڑی استعداد اور صلاحیت دی ہے کہ علم بھی ہے اور بتانے کا طریقہ بھی ہے یہ چیز میں اس لیے آپ حضرات سے عرض کر رہا ہوں، آپ نے بھی زندگی مدارس یا سکولوں کے اندر گزاری ہے۔ اس استاد کا احترام، اس کی ہیبت اور اس کی محبت طلباء کے اندر ہوتی ہے جس کے بارے میں

طلباء کو علم ہو کہ یہ شخص واقعتاً عالم ہے اور جو ہمیں پڑھا رہا ہے اس کو خود بھی اس کی سمجھ ہے اور صحیح طریقے سے ہمارے ذہن میں اُتار رہا ہے۔

اگر طالب علم کو پتہ چل جائے کہ استاد صاحب جو کچھ بتا رہے ہیں یہ ہمیں غلط بتا رہے ہیں ،ان کو خود پتہ نہیں اور طلباء ایک طرح کی استعداد کے نہیں ہوتے حاشیہ دیکھ لیتے ہیں، شروح پڑھ لیتے ہیں اور کئی دفعہ اچھے ذہین طلبہ صرف متن کو بھی سمجھ لیتے ہیں، اب طالب علم اس چیز کو سمجھ رہا ہو اور استاد یا تو غلط بتا رہا ہو یا تکلف سے بتانے کی کوشش کر رہا ہو لیکن طالب علم کو پتہ چل گیا کہ استاد جی کو خود اس کی سمجھ نہیں اب اس استاد کا وقار، ہیبت اور اس سے محبت طلباء کے دلوں سے ختم ہو جائے گی۔ پھر وہ کوشش کرے گا کہ میں ڈنڈے سے اپنی ہیبت پیدا کروں۔ کئی جگہ پر اس طرح کی صورت حال سامنے آئی کہ کوئی استاد ایسا ہے جو پہلی کلاس کو بھی نہ پڑھا سکے اب طلبا اس کا کیا احترام کریں گے؟ اب احترام کروانے کا کیا طریقہ ہے کہ وہ ڈنڈا چلائے۔ بتایئے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

یہ ذمہ داری مدرسے کی انتظامیہ پر بھی ہے اور اس شخص کے اوپر بھی ہے کہ جو اس کا اہل نہیں تھا وہ اس منصب کے اوپر آخر بیٹھا کیوں ہے؟ یا پھر اس کو چاہیے کہ وہ اچھی طرح اس چیز کا مطالعہ کر لے اور اس چیز کو خوب سمجھ لے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کوئی مسئلہ آتا ہے، وہ اصول حدیث یا اصول فقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک کتاب کو آپ دیکھیں گے تو سمجھ نہیں آتی ،اچھی طرح ذہن میں بیٹھتا نہیں ۔ پھر آپ اس کے متعلقہ ایک اور کتاب دیکھ لیں، تیسری دیکھ لیں ، چوتھی دیکھ لیں۔ چار پانچ جگہ پر جب وہ مسئلہ آپ پڑھتے ہیں تو وہ اچھی طرح آپ کے ذہن میں بیٹھ جاتا ہے پھر وہ طلباء کو سمجھانا اور طلبہ کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے'' قل هذہ سبیلی أدعو إلی اللہ علی بصیرۃ ''(یوسف : ١٠٨) کہ بصیرت ہو تو آدمی بات کو صحیح انداز سے پہنچا سکتا ہے اور اس کا فائدہ بھی ہوتا ہے، بصیرت مطالعہ، محنت اور ایک ایک چیز کو مختلف شروح اور جگہوں میں دیکھنے سے اور سب سے پہلے اللہ کی توفیق سے پیدا ہوتی ہے۔

اللہ سے بھی دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ سینہ کھول دے اور ساتھ ساتھ آپ محنت کیا کریں کیا۔ استاد اتنا ہی ڈل دماغ ہے کہ اسے طلبہ کی پیشانی سے پتہ نہیں چلتا کہ میری بات سمجھ رہے ہیں کہ

نہیں ؟ کیا آپ نے اسے محسوس نہیں کیا ہے کہ جب آپ ایسی چیز طلبا کو بتلائیں جس کی خود آپ کو بصیرت ہے، آپ کی پیشانی طلبہ کے سامنے ہوتی ہے اور طلبہ کی آپ کے سامنے ہوتی ہے، پتہ چل جاتا ہے کہ میں نے واقعتاً طلباء کو مطمئن کر دیا ہے اور اگر اِدھر اُدھر کی لگا کر آپ ان کو مطمئن کرنے کی کتنی کوشش کر لیں تو ''تخبرك العينان ما القلب كاتم'' (دل میں چھپی ہوئی بات کا آنکھ سے پتہ چل جاتا ہے) طلبہ کبھی مطمئن نہیں ہوتے اور ایسے استاد کی ہیبت، محبت وقار اور کرامت سب چیزیں خاک میں مل جاتی ہیں۔

اس لیے میں تربیت کے حوالے سے یہ بات پر زور انداز میں کہتا ہوں کہ آپ کے اندر مطالعہ میں قطعاً غفلت اور سستی پیدا نہ ہو۔ حدیث پڑھانی ہے تو یہی نہیں کہ بلوغ المرام کی حدیث دیکھی اور اس کا ترجمہ کسی مترجم کتاب میں دیکھ لیا اور کہا چلو ٹھیک ہے اور جا کر پڑھانا شروع کر دیں، اور مشکوۃ پڑھا رہے ہیں عبارت دیکھ لی، ترجمہ دیکھ لیا اور جا کر پڑھانا شروع کر دیا۔ نہیں میرے بیٹو اور میرے عزیزو! اس طریقے سے آپ اپنا وقت تو گزار لیں گے لیکن اپنے مشن میں ناکام ہوں گے اور اپنی ذمہ داری اور فرض کو کما حقہ ادا نہیں کریں گے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ جب اللہ کو اپنا نگہبان سمجھتے ہوئے اس فرض کو ادا کریں گے تو میرا خیال ہے کہ پھر آپ ایسا نہ کریں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ ''إن الله كان عليكم رقيبا'' کہ اللہ تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے کہ یہ شخص بغیر مطالعہ اور اطمینان کے لڑکوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ بے چارے خاموش ہو جائیں گے مدارس کا جس طرح نظام ہوتا ہے کہ شکایت بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن آخر ایک دن تو ایسا آنے والا ہے یہ چیز قرآن کریم نے بار بار ہمارے اندر پیدا کی ہے إن ربك يفصل بينهم يوم القيمة (آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا)۔

یہ احساس ذمہ داری ہمارے اندر اگر پیدا ہو جائے تو پھر اس چیز میں غفلت یا سستی کا مظاہرہ انسان نہیں کرتا۔ اس لیے آپ بہت زیادہ مطالعہ کیا کریں۔ جو سبق پڑھانا ہو مختلف انداز میں، مختلف کتابوں میں، مختلف شروح کا مطالعہ کریں تو پھر ان شاء اللہ بہترین نتائج سامنے آئیں گے ''والذين جاهدوا فينا لنهدينهم سبلنا' (العنکبوت : ٦٩) اللہ تعالیٰ پھر راستے کھولتا ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے آپ کو صحت اور جوانی دی ہے، چند سال محنت کر لیں پھر ساری زندگی یہ محنت آپ کے کام آئے گی اور اگر اب آپ محنت میں چور بن گئے تو پھر آخر تک اسی چیز اور مصیبت میں پھنسے رہو گے یہ کتاب مجھے دے دو، یہ نہ دو، یہ ذرا مشکل ہے، یہ دے دو یہ ذرا آسان ہے پھر ساری زندگی انسان اپنے آپ کو اس مشکل سے نکال نہیں سکتا۔

احترام باہمی:

تربیت کے حوالے سے ایک اور اہم چیز آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایسی مثالی شخصیت پیدا کریں کہ جو لوگوں کے لیے نمونہ بنے، آپ کا بڑوں کا اور علماء کا احترام کرے اور جس جامعہ اور مدرسہ میں آپ پڑھا رہے ہیں اس کے نظم کا احترام اور پابندی کرے تو لازم ہے کہ باہمی احترام اور محبت کی فضا قائم کریں، اپنے ساتھی اساتذہ سے احترام اور حسن سلوک سے پیش آئیں، طلباء کے سامنے ان کے نقائص بیان نہ کریں اگر آپ ایسا کریں گے تو پھر اللہ کا ایک قانون اور سنت ہے کہ جو دوسروں کا احترام نہیں کرتا اس کا بھی احترام نہیں کیا جاتا۔ جن طلبہ کے سامنے آپ جس استاد کے بارے میں نازیبا الفاظ بیان کر رہے ہیں تو ان طلباء کی یہ تربیت ہو رہی ہے کہ استاد کے بارے میں ایسا رویہ اختیار کیا جا سکتا ہے اور آپ طلبہ کی ذہن سازی کر رہے ہیں تو جب آپ نے ایک استاد کے بارے میں طلبہ کی ذہن سازی کر دی تو کیا آپ طلبہ کے ذہن کو روک سکتے ہیں کہ وہ آپ کے بارے میں ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ اس لیے اس نصیحت کو یاد رکھیں کہ جب بھی آپ بڑوں کا نام لیں تو اپنے طلبہ کے سامنے بڑے احترام سے لیں تاکہ ان کی تربیت اس پر ہو۔

آپ نے ان مدارس کا ماحول ضرور دیکھا ہوگا جن میں اساتذہ باہم ایک دوسرے کا اور انتظامیہ کا احترام نہ کرتے ہوں اور اپنے طلبہ کے سامنے احترام کا جذبہ نہ رکھتے ہوں تو پھر اس مدرسے کے اندر انارکی، بداخلاقی اور بدمزاجی پیدا ہوتی ہے اور پھر وہ طلباء کسی کا بھی احترام نہیں کرتے۔ اسی طرح جب سلف میں سے کسی کا یا علماء میں سے کسی کا ذکر ہو تو آپ احترام کو ملحوظ خاطر رکھیں سب کے ساتھ دعائیہ کلمات کہنے کی عادت ڈالیں۔ جب کبھی آپ امام ابن حجر کا نام لیں تو اس طرح نہ کہا کریں کہ ابن حجر نے یوں کہا بلکہ کہیں کہ امام ابن حجر رحمہ اللہ یوں فرمایا، امام ذہبی رحمہ اللہ،

امام بخاری رحمہ اللہ. ہمارے استاد محترم حافظ محمد صاحب گوندلوی رحمہ اللہ کا یہ قول ہے کہ آپ اگر اس طرح احترام سے نام لیں گے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کے دلوں میں آپ کا احترام ڈال دیں گے۔ آپ کو صحیح بخاری کی یہ حدیث یاد ہوگی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کرتے ہیں تو فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس سے محبت کرو اور پھر فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں الہام کردو کہ اس آدمی سے محبت کریں۔ اور جس سے اللہ کو محبت ہو جائے تو لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت اور ہیبت بیٹھ جاتی ہے۔ لہذا دوسروں کو بڑا سمجھیں اور ان کا احترام کریں، انتظامیہ کا احترام کریں اور ان کے متعلق اچھا گمان رکھیں تاکہ آپ کے جامعہ اور ادارے میں ایک مثالی فضا قائم ہو جائے۔

تواضع اور انکساری:

تربیت کے لیے بہت ضروری چیز تواضع اختیار کرنا ہے۔ آپ حضرات اپنا مقام تو سمجھتے ہیں کہ شیطان کا سب سے زیادہ زور...... جس طرح چور...... اس طرح شیطان کا سب سے بڑا ہدف وہ ہیں جو اس کے لیے سب سے خطرناک ہیں، وہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کے وارث ہیں۔ اب اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ یہ خزانہ ہے اس کو لوٹ لوں اور کسی طریقے سے اس کو ضائع کرنے کی کوشش کروں، تو بھائیو! آپ اس کی حفاظت کی کوشش کریں۔ یہ ترفع اور کبر، اعجاب، اپنے آپ کو بڑا سمجھ لینا، اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھ لینا، اپنی بات اور اپنی رائے کو حرف آخر سمجھ کر دوسروں کی تنقیص کرنا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک عالم دین کے لیے بڑی مہلک چیز ہے۔

آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو اپنے پیغمبر سے بھی پسند نہیں کیا تھا۔ حضرت موسی علیہ السلام، اللہ کے پیغمبر ہونے کے باوجود انہوں نے صرف اتنا کہا۔ جب کسی نے پوچھا کہ اے موسیٰ! کیا کسی کو جانتے ہیں جو آپ سے بھی زیادہ علم رکھتا ہو؟ حالانکہ اگر ایک لحاظ سے دیکھیں تو یہ جواب اتنا بھی غلط نہیں تھا، کیونکہ ہر دور میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا پیغمبر ہی ہوتا ہے۔ پیغمبر سے زیادہ کوئی عالم تو نہیں ہوتا لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس وقت صرف ایک ہی نبی نہیں ہوتا تھا بلکہ ایک وقت میں ایک علاقے میں کئی کئی پیغمبر آجاتے تھے تو جب موسی علیہ السلام نے ان کے سامنے کہا کہ أنا .... میں سب سے بڑا عالم ہوں تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور فرمایا کہ جاؤ سیکھو تم سے بھی بڑا

عالم موجود ہے"وفوق کل ذی علم علیم " (ہر علم والے سے بڑھ کر عالم موجود ہے)

تواضع ،انکساری اپنے طلبہ کے سامنے بھی ،اختیار کریں ،طلبہ کے سامنے آپ کہتے پھریں کہ یہ بات جو میں نے آپ کو بتا دی ہے یہ کسی کتاب میں نہیں لکھی ہوئی ۔اب طالب علم کہیں گے کہ یہ کہتا ہے کہ میں نے سینکڑوں کتابیں پڑھی ہیں یہ تو حاشیہ میں لکھا ہوا ہے بے چارہ حاشیہ ہی پڑھ لیتا۔

ہمارے دور میں ایک صاحب ہوتے تھے ۔جب وہ کوئی مسئلہ بیان کرتے تو کہتے کہ اس مسئلہ میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے میری موافقت کی ہے ۔تو بھائیو! تواضع اختیار کریں اور حق کا اعتراف کیا کریں ۔اگر آپ کا ذہین طالب علم کسی مسئلہ میں آپ کی عبارت کی غلطی نکال دیتا ہے، کسی نام کی تصحیح کر دیتا ہے یا کسی مسئلہ میں آپ کی اصلاح کر دیتا ہے تو استاد کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے ،خوش ہونا چاہیے اور اس طالب علم کے لیے دعا کرنی چاہیے ۔یہ نہیں کہ اس کو عداوت بنالے کہ اب یہ تو میرے لئے مصیبت بن گیا ہے اور کلاس میں میرے وقار کو اس نے برباد کر دیا ہے تو یہ ایک حماقت ہوگی کیونکہ کسی باپ کا بیٹا بڑی صلاحیت اور لیاقت والا ہو تو باپ سب سے زیادہ اعتراف کرنے والا ہوتا ہے ۔ وہ تو لوگوں کو کہتا پھرتا ہے کہ میٹرک میں میرے بیٹے نے اتنے نمبر لیے ہیں اور بورڈ ٹاپ کرلیا ہے، باپ تو بڑے ناز سے لوگوں کے سامنے اپنے بچوں کی خوبی بیان کرتے ہیں ۔استاد کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے مجھے ایسے لائق اور ذہین شاگرد دیے ہیں ۔

پھر استاد معصوم عن الخطأ تو نہیں ہے ۔وہ پیغمبر تو نہیں کہ جس کا قول حرف آخر ہو ۔کیا استاد سے غلطی نہیں ہوسکتی ؟ وہ عبارت غلط نہیں پڑھ سکتا ؟ وہ کسی مسئلہ میں سہو اور خطا کا شکار نہیں ہوسکتا ؟ آپ جانتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے یہ صلاحتیں دی تھیں کہ اپنے اساتذہ کی غلطی نکال دیتے تھے اور استاد بھی ایسے نہیں تھے کہ ان سے عداوت بنالیں ، اگرچہ استاد نے اس وقت کہا کہ جیسے میں کہتا ہوں ایسے ہی ہے ۔کہا کہ کتاب اٹھا کر لاؤ اور جب کتاب اٹھا کر لائے تو کہا کہ واقعی جس طرح بخاری کہتے ہیں ویسے ہی کتاب میں لکھا ہے اور اعتراف کرلیا ۔اس لیے اگر کبھی اس طرح ہو جائے کہ طالب علم آپ کی اصلاح کر رہا ہے تو آپ اسکا شکریہ ادا کریں کیونکہ "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ "اس بچے کے ہاں آپ کی عزت میں کمی نہیں آئے گی بلکہ احترام اور زیادہ ہو جائے گا۔

اصل میں ہم سوچ لیتے ہیں کہ اگر میں نے طلبہ کے سامنے مان لیا کہ اس نے جو بتایا وہ صحیح ہے اور جو میں نے بتایا ہے وہ صحیح نہیں ہے تو اس سے میرے مرتبے میں کمی آجائے گی حالانکہ وہ اس اقرار سے طلبہ کے نزدیک محبوب بن جاتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ حق کا معترف ہے اور حق کی طرف لوٹنے والا ہے۔ ائمہ کے کتنے فتوے ہیں کہ جن کو پہلے علم نہ تھا اور بعد میں علم ہوا تو انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا۔ امام ابن وہب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں امام مالک کے پاس تھا کسی نے مسئلہ پوچھ لیا کہ وضو میں پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا کیا حکم ہے؟ امام مالک رحمۃ اللہ فرمانے لگے کہ ''ھذا لیس بشیء '' کہ یہ کوئی چیز نہیں یعنی اس بارے میں کوئی حدیث نہیں ہے۔ آپ ادب بھی دیکھیں، ان کے شاگرد امام ابن وہب کہتے ہیں کہ جب لوگ چلے گئے اور امام مالک رحمہ اللہ اکیلے رہ گئے تو میں ان کے پاس گیا میں نے ان سے کہا کہ استاد جی! اس بارے میں ایک حدیث ہمیں پہنچی ہے حدثني ليث بن سعد وابن لهيعة وعمرو بن حارث ان تینوں نے مجھے یہ حدیث بیان کی ہے یزید بن عمرو سے اور انہوں نے ابو عبدالرحمٰن الحبلی سے اور انہوں نے مستورد بن شداد سے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی خنصر (چھنگلی) سے پاؤں کی انگلیوں کو ملتے تھے۔ تو امام مالک رحمہ اللہ فرمانے لگے یہ بڑی اچھی حدیث ہے۔ اور اس سند میں لیث بن سعد، ابو عبدالرحمٰن اور یزید بن عمرو جیسے جہابذہ ہیں۔ عبداللہ بن وہب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ سے پھر کسی نے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا ہاں! انگلیوں کا خلال کرنا رسول اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ (دیکھئے مقدمہ جرح وتعدیل ص:۳۱، ۳۲، سنن البيهقي ۱/۷۶، ۷۷) اب اس حدیث کا شاگرد سے پتہ چلا اور انہوں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

آخر میں آپ حضرات کو یہ بات بھی کہتا چلوں کہ اب کوئی نئی چیز ہمارے سامنے نہیں ہے جس پر آپ کی تربیت کریں یا کسی علم کے زیور سے آپ کو آراستہ کریں۔ ہم نے کوشش کرکے آپ کو اس قابل بنا دیا کہ علم کے خزانوں کی چابیاں آپ کو تھما دیں، آپ کو عبارت پڑھنے کا سلیقہ، مسائل کو تلاش کرنے کا طریقہ اور علمی مراجع کی طرف رجوع اور ان سے استفادہ کرنے کا ہنر سکھا دیا۔ اب یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ علم کے خزانوں کو کھولیں، محنت کریں اور پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر

میں برکت فرمائے اور صحت سے نوازے اور آپ کو اس صحت اور فراغت سے بھرپور فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے اپنی زندگی میں لہلہاتے کھیتوں اور مہکتے پھولوں کو دیکھ لیں اور ہمیں اطمینان وسکون نصیب ہو کہ دین کا کام ہو رہا ہے، اور اس امید کے ساتھ اللہ ذوالجلال کے پاس جائیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ان خدمات کو ہمارے گناہوں کا کفارہ بنادے اور ہمیں معاف فرمادے، اقامت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ آپ حضرات کے ہاتھوں سے پورا فرمائے۔

علمی ترقی کے حوالے سے آپ حضرات کو میری نصیحت ہے کہ علم کے میدان بہت وسیع ہیں۔ آدمی پوری زندگی طالب علم رہتا ہے اور کبھی اس سے سیر نہیں ہوتا اس لیے اپنی تدریسی اور دعوتی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ آپ مختلف موضوعات پر لکھنے کی کوشش بھی کریں۔ وقتاً فوقتاً آپ کے مضامین معاصر علمی جرائد اور اخبارات میں شائع ہونے چاہییں۔ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایم فل اور پی ایچ۔ ڈی میں داخلہ لیجئے۔ آپ کے مطالعہ میں باقاعدگی کی غرض سے ایک کتاب مقرر کر دیتے ہیں جو آپ آئندہ اجتماع تک مکمل پڑھ چکے ہوں اور یہ کتاب امام ابن القیم رحمہ اللہ کی ''زاد المعاد فی هدی خير العباد'' ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

پروفیسر نجیب اللہ طارق ﷾

حضرات گرامی علمائے کرام اور میرے اساتذہ کرام!

میں شاید کوئی نئی چیز آپ کے سامنے پیش نہ کرسکوں البتہ اس مجلس میں گفتگو کرنا جہاں میرے لئے ایک سعادت کا باعث ہے وہاں ایک امتحان بھی ہے لیکن میں خوش ہوں کہ اللہ تعالی نے مجھے آپ سے گفتگو کرنے کا موقع فراہم کیا۔ جس موضوع کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں اسے میں مختلف مواقع پر کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں۔ فارسی جاننے والے حضرات جنہوں نے فارسی پڑھی ہے وہ آنے والے شعر پر غور کریں

تن ہمہ داغ داغ شد

پنبہ کجا کجا نھم

یعنی پورا جسم چھلنی ہے، مرہم کہاں کہاں رکھوں؟

بے شمار دباؤ، پابندیاں اور رکاوٹیں ہمارے سامنے بھی ہیں، آگے پیچھے اور اوپر نیچے بھی ہیں، یہی کیفیت تھی جب علامہ اقبال نے برصغیر میں پاکستان بننے سے پہلے (یعنی ۱۹۳۰ء سے پہلے جس وقت ہم مسلمان نہایت کسمپرسی کی حالت میں تھے ہمارے اوپر ترقی، ملازمت اور آزادی کے تمام دروازے بند ہو چکے تھے اس وقت علامہ اقبال نے نوجوان مسلم کو خطاب کیا تھا اس خطاب میں مسلمان کا نام ''پھول'' رکھتے ہوئے چند اشعار) کہے تھے۔ آپ کے اشعار میں تھوڑی سی معنویت ہے غور کریں گے تو سمجھ آتی جائے گی۔

تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے، پا بہ گل بھی ہے

انہی پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

نہیں یہ شان خودداری، چمن سے توڑ کر تجھ کو

کوئی دستار میں رکھ لے، کوئی زیب گلو کر لے

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں

چمن میں غنچہ گل سے یہ کہہ کر اڑ گئی شبنم

مذاق جور گل چیں ہو تو پیدا رنگ و بو کر لے

☆ ڈیڑھ ارب سے زائد مسلمانوں پر مشتمل ''عالم اسلام''۔

☆ سرکاری طور پر اٹھاون اور غیر سرکاری طور پر اس سے بھی زیادہ اسلامی ممالک پر مشتمل ''اسلامی بلاک''۔

☆ خطہ ارضی کے بہترین خطوں پر مشتمل ''عالم اسلام''۔

☆ پوری دنیا کی معدنیات اور دولت پر مشتمل ''عالم اسلام''۔

☆ پوری دنیا میں سب سے زیادہ نوعمر قیادت پر مشتمل ''عالم اسلام''۔

☆ پوری دنیا اور تمام اقوام عالم میں خوش قسمت ترین قوم (جن کے پاس آج بھی مالک کائنات اللہ عزوجل کا پاک کلام قرآن مجید بالکل اصل حالت میں موجود ہے جس کے حاملین خوش قسمت عالم اسلام) کے خوش قسمت ترین افراد۔

شاید عالم دنیا میں رہنے والوں میں سے صرف مسلمان ہی ہیں جن کے پاس اللہ تعالی کا کلام صحیح حالت میں بغیر تحریف کے موجود ہے۔

اس کے باوجود مسلمان ہی سب سے زیادہ شکست خوردگی، کسمپرسی کی حالت میں دن گزارنے والے، جن کا ہر دن اگلے دن سے زیادہ شکست خوردہ اور مایوس کن ہوتا ہے۔آخر کیوں ؟ کیا یہ ہماری اپنی کوتاہیاں ہیں یا تقدیر کو بہانہ بنا کے بری الذمہ ہو جائیں۔

نہیں بات ہرگز ایسی نہیں ہے اس میں ہم برابر کے شریک ہیں۔

آیئے! عالم اسلام کی حالت کو مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے چند حقائق آپ کی خدمت اقدس میں پیش کروں گا۔

۱۔ عالم اسلام کی اقتصادی حالت۔

۲۔ عالم اسلام کی سیاسی وعسکری حالت۔

۳۔ عالم اسلام کی مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی حالت۔

ا۔ عالم اسلام کی اقتصادی صورت حال:

عالم اسلام جتنا آج مضبوط ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ دنیا کی تمام دولت اللہ تعالی نے مسلمانوں کو دی تاکہ مسلمان اس دولت کو استعمال کرتے ہوئے میرے دین کو پوری دنیا میں پھیلا دیں۔

”ھو الذی أرسل رسوله بالھدی ودین الحق لیظھره علی الدین کله “۔

لیکن افسوس کہ ہم اللہ تعالی کی ان دی ہوئی نعمتوں کو پہچان ہی نہ سکے۔ میں صرف پٹرول کی قوت آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

پوری دنیا میں جتنا پٹرول استعمال ہو رہا ہے اس کا ستر فیصد اخراج اسلامی ممالک سے پورا کیا جارہا ہے۔ پٹرول ایک اقتصادی دولت ہی نہیں بلکہ یہ ہمارا ایک عسکری ہتھیار بھی ہے اور شاید آپ حضرات کو یاد ہو کہ ۱۹۷۰ء میں شاہ فیصل مرحوم نے اعلان کر دیا کہ ہم امریکہ کو پٹرول کی سپلائی بند کر دیں گے اور شاہ فیصل نے سپلائی واقعی بند کر دی تھی۔

تیل کی سپلائی بند کرنے سے پہلے تاریخ کا ایک ایسا عجیب وغریب واقعہ رونما ہوا تھا اور شاید تاریخ اسلام میں یہ دونوں واقعات اپنی مثال آپ ہیں۔

آج جو اسرائیل ہمیں نظر آ رہا ہے یہ بہت بڑا ہے۔ اس میں بیت المقدس، جولان کی پہاڑیاں اور سینا کا علاقہ بھی شامل ہے۔ حالانکہ ۱۹۶۷ء تک بیت المقدس، جولان کی پہاڑیاں اور صحرائے سینا اسرائیل میں شامل نہ تھے بلکہ اسرائیل ۱۹۶۷ء میں ایک نقطہ کی مانند تھا۔

اتنا چھوٹا سا اسرائیل کہ اس نے صرف تیرہ دن جنگ لڑی اور تیرہ دنوں میں اس نے تین ممالک مصر، اردن اور شام کے خلاف محاذ کھولے (حالانکہ اس وقت یہ تینوں ممالک اسرائیل کو بڑی آنکھیں دکھا رہے تھے کہ الامان والحفیظ) اور ایسی مار ماری کہ اردن سے بیت المقدس، شام سے جولان کی پہاڑیاں اور مصر سے نہ صرف نہر سویز بلکہ صحرائے سینا بھی چھین لیا۔

یہ تاریخ اسلام کا ایک عجیب وغریب واقعہ ہے کہ وہ یہودی قوم جو پوری دنیا میں ذلیل وخوار تھی، ۱۹۴۸ء میں معرض وجود میں آنے والے اسرائیل نے اسلامی تہذیب وتمدن کا حشر نشر کر کے رکھ دیا۔اس واقعہ کے بعد شاہ فیصل مرحوم نے دیکھا کہ پورا یورپ اور امریکہ اسرائیل کی پشت پناہی کر رہا ہے اور یہ کہ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہا کہ ان کا پٹرول بند کر دیں۔آخر کار انہوں نے امریکہ اور یورپ کا بالفعل پٹرول بند کر دیا۔

اہل یورپ اور امریکہ کو اس وقت علم ہوا کہ مسلمانوں کو تو اب ہوش آ گیا ہے۔شاہ فیصل مرحوم نے تو بڑے درد دل کے ساتھ نعرہ لگایا تھا۔بہر حال اللہ کی طرف سے موت کا وقت مقرر تھا، اللہ رب العزت نے انہیں مزید زندگی کی مہلت نہ دی۔

شاہ فیصل مرحوم ہی کی زندگی میں ایک دفعہ امریکہ نے پروگرام بنایا کہ ہم سعودی عرب پر حملہ کریں گے تا کہ ان کے پٹرول کے ذخائر پر قبضہ کر لیں۔کسی نہ کسی طرح یہ اطلاعات اور خدشات شاہ فیصل مرحوم کو پہنچے تو انہوں نے ایک بہت بڑی دعوت کی جس میں امریکہ، برطانیہ اور تمام مسلم ممالک کے سفراء کو بلایا کہ آپ ہماری دعوت پر تشریف لائیں اور مزے کی بات اس میں یہ تھی کہ انہوں نے ان کی دعوت تپتے صحراء میں کی تھی۔اسی صحراء میں خیمے لگوائے، نیچے کوئی قالین نہ بچھوائے ، خیمے لگوانے کے بعد وہاں سب کو پہنچا دیا۔ریت پر بٹھا کر اونٹنیوں کا دودھ اور کھجوریں بطور تواضع کے سامنے رکھ دیں اور ان سے کہنے لگے کہ ہم بادیہ نشین ہیں۔ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تم فلاں فلاں قسم کے پروگرام بنا رہے ہو یاد رکھو! ہم تو دوبارہ اپنی ثقافت کی طرف لوٹ جائیں گے اور جس دن ہمیں ایک فیصد بھی خطرہ محسوس ہوا کہ تم ہمارے پٹرول پر قبضہ کرنے والے ہو تو ہم اسی دن تمام کنوؤں کو آگ لگا کر دوبارہ بادیہ نشینی کی طرف لوٹ جانے کیلئے تیار ہو جائیں گے۔

لیکن اہل یورپ وامریکہ سمجھ گئے ۔ادھر شاہ فیصل مرحوم کا انتقال ہو گیا۔اہل یورپ اور امریکہ نے سوچا کہ جس نے بادیہ نشینی کا نعرہ لگایا تھا وہ تو چلا گیا۔لہذا اب تیاری شروع کر دینی چاہیے تا کہ ان مسلمانوں کے تیل کے ذخائر پر قبضہ کر سکیں۔

آخر کار انہوں نے اتنی زبردست تیاری کی کہ اب صورت حال یہ ہے کہ جو تیل کی دولت

جو کہ اللہ تعالی نے ہمیں نوازی تھی اس میں سے ننانوے فیصد تیل امریکہ، ہالینڈ، فرانس اور برطانوی کمپنیوں کے کنٹرول میں ہے۔ یہ تیل پہلے بھی انہی کے پاس تھا اور آج بھی وہ اس کے کرتا دھرتا بنے ہوئے ہیں۔

افسوس کہ مسلمانوں کے پاس ڈرگنگ کی کوئی ٹیکنالوجی نہیں تھی ان کے پاس تیل نکالنے والے انجینئر نہیں تھے پورے عالم اسلام کے ممالک میں سے کسی ایک کے پاس بھی تیل نکالنے سے متعلقہ تعلیم دینے والا ادارہ یا یونیورسٹی بھی نہیں تھی جس میں طلباء کو بتایا جاتا کہ ڈرگنگ کیا چیز ہوتی ہے اور تیل کس طرح نکالا جاتا ہے بلکہ اغیار نے اس دولت کو نکالا۔ پھر استعمال ہی نہیں کیا بلکہ لوٹا اور ہمارا استحصال بھی کیا اور اس وقت ہم اس حالت میں ہیں کہ اگر بات کریں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ پٹرول کے ریٹ بھی وینز ویلا سے نکلتے ہیں۔ آئیے اس ذکر کو یہیں پر چھوڑتے ہیں۔ اب ذرا برصغیر کی طرف چلے آتے ہیں۔

برصغیر کو سونے کی چڑیا کہا جاتا ہے۔ یہ دنیا کا واحد خطہ ہے جہاں بے شمار دریا ہیں، سب سے زیادہ زرعی پیداوار، پھل اسی برصغیر میں ہوتے ہیں۔ مسلمانوں نے یہاں تقریبا ایک ہزار سال تک حکومت کی ہے۔

شاید آپ نے سنا ہو کہ پاکستان اور افغانستان کی سرحدی پٹی پر بعض علاقے ایسے بھی ہیں جن کے راستے سردیوں اور بعض موسموں میں بند ہو جاتے ہیں۔ اور یہ راستے برف باری سے نہیں بلکہ خوبانیوں کی کثرت سے بند ہوتے ہیں۔

میرے بھائی چلاس میں سکول ٹیچر تھے وہ اپنا واقعہ بتاتے ہیں کہ ایک دفعہ وہاں سے گزرتے ہوئے میں نے خوبانی کو اس طرح کھایا کو خوبانی درخت پر لٹکی ہوئی ہے میں نے اس خوبانی کو منہ میں ڈال کر چوس لیا۔ وہ اتنی رسیلی تھی کہ میرے منہ میں پانی بن گئی لیکن افسوس کہ ہمارے پاس اتنی بھی ٹیکنالوجی نہیں ہے کہ ہم اپنے ہی وطن کی خوبانی کو ان دور دراز علاقوں سے اپنے بڑے شہروں میں ہی پہنچا سکیں۔ زراعت، پھل، آم، انار، کنوں، چاول، زعفران اور پٹ سن یہ دنیا کے کسی علاقے میں اس قدر نہیں ہوتی جتنی ہمارے علاقوں میں ہوتی ہے۔

ستم یہ ہے کہ چاول ہماری پیداوار ہے۔لیکن رائس بنک فلپائن میں قائم ہوا۔انہوں نے سوچا کہ مسلمانوں کے پاس چاول نام کی چیز ہے کہ جس کیلئے ہر شخص ترس رہا ہے۔اور ویسے بھی آلو کے بعد پوری دنیا میں سب سے زیادہ کھائی جانے والی چیز اگر ہے تو وہ چاول ہی ہے۔فلپائن نے اسی چیز کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے نارووال اور نارنگ منڈی سے چاول کا بیج لیکر پوری دنیا میں کاشت کیا ہے۔

لیبارٹریوں میں ٹیسٹ کرنے کے بعد اس نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے اچھا، لمبا اور باریک چاول تو مل گیا لیکن جو خوشبو نارووال اور نارنگ منڈی کی چاول میں ہے وہ خوشبو دنیا کے کسی بھی خطہ میں پیدا ہونے والے چاول کی نہیں ہے۔

حضرات! ہمارا علاقہ جسے اللہ تبارک وتعالی نے اتنی نعمتوں سے نوازا ہے کہ ہمارے چاول اور ہمارے آم جیسا پھل دنیا کے کسی اور علاقہ میں نہیں پایا جاسکا۔پٹ سن کو دیکھ لیجئے بنگلہ دیش کے علاوہ دنیا کے کسی علاقہ میں نہیں ہوتی۔مسلمانوں کے پاس اتنی اقتصادی دولت ہے جب کہ کفار کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔جاپان کے پاس تو لوہے کا ایک کیل بھی نہیں ہے۔

ہالینڈ جو پوری دنیا میں ڈرگنگ کا بادشاہ گنا جاتا ہے۔(ہالینڈ کا دوسرا نام نیدرلینڈ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس زمین ہی نہیں ہے بلکہ انہوں نے سمندر میں مٹی ڈال ڈال کر اسے پر کرکے زمین بنائی ہے) اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے بلکہ زمین بھی نہیں ہے، مگر وہ ہماری تمام کی تمام دولت لے جاتے ہیں، بعد میں ہم سے لی ہوئی دولت ہی ہمیں مہنگے داموں فروخت کردیتے ہیں۔

پٹرول ہم سے لیکر ہمیں ہی بیچتے ہیں، ہماری ساری زراعت ہم سے لیکر ہمیں ہی مہنگے داموں واپس کردیتے ہیں۔ایک اور چیز جسے میں اسی کے ساتھ ملا دیتا ہوں کہ پوری دنیا میں سب سے بڑا پہاڑی سلسلہ ''ہمالیہ'' ہے۔

اے ہمالیہ ! اے فصیل کشور ہندوستان
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسمان

یہ وہ ہمالیہ ہے جسے دنیا کی چھت کہا جاتا ہے۔ یہ بھی ہمارے پاس ہے۔ اس پر بیٹھ کر اگر دنیا کو دیکھیں تو پوری کی پوری دنیا ہمارے نیچے۔ پھر دنیا کی سب سے بڑی اور اونچی چوٹی ''ماؤنٹ ایورسٹ'' جو آجکل ہندوؤں کے پاس ہے اور دوسری بڑی چوٹی K-2 ہمارے پاس ہے۔ تمام دریا سندھ، گنگا، جمنا اور برہما پوتر وغیرہ ہمالیہ ہی سے نکلتے ہیں۔ جس کا معتدبہ حصہ ہمارے پاس ہے اور اسی کو دنیا کی چھت کہا جاتا ہے۔

دنیا کا سب سے مہنگا اور اونچا محاذ جہاں آج بھی لڑائی ہو رہی ہے۔ سیاچن گلیشیر، کارگل وغیرہ ہمارے پاس ہے۔

بھائیو! ہم چاہتے تو پوری دنیا کو کنٹرول کر سکتے تھے۔ لیکن حضرات گرامی افسوس کہ اخباری خبروں کے مطابق اس پر بھی غیروں کے قبضے کی اطلاعات مل رہی ہیں۔ بلکہ وہ دشمن کے قبضے میں جا چکا ہے۔

ویسے تو اللہ رب العزت نے یہ سب کچھ ہمیں دے دیا تھا کہ چاہو تو اس پر بیٹھ کر پوری دنیا پر قبضہ کر سکتے ہو اور اللہ رب العزت نے فرمایا تھا: "ولا تهنوا ولا تحزنوا وأنتم الأعلون ـ" (آل عمران: ۱۳۹) "نتم الاعلون " کو اگر معنوی طور پر دیکھا جائے یا جغرافیائی طور پر دیکھا جائے اللہ تعالی نے ہمیں ''اعلون'' کر دیا تھا کہ سب کچھ ہمارے پاس تھا۔

لیکن افسوس کہ ہم اپنی چھت پر بھی کنٹرول نہ رکھ سکے کہ اس پر بھی آج غیروں کی نظریں ہیں۔

یہ بات کہ

طارق چوں بر کنارہ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کہ این کار تو از نگاہ خرد خطا ہست

تو اس نے جواب میں کہا تھا:

ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدا ما است

حضرات گرامی! ہم نے جغرافیائی حد بندیوں میں تقسیم ہو کر عالم اسلام کو صرف اسلامی

ممالک تک محدود کر رکھا ہے۔ حالانکہ عالم اسلام اسلامی ممالک تک محدود نہیں ہے۔ میرے خیال کے مطابق آج سب سے بڑا عالم اسلام ہندوستان ہے کیونکہ مسلمانوں کی سب سے بڑی طاقت ہندوستان میں ہے۔ وہاں مسلمانوں کی تعداد ۲۵ کروڑ ہے۔ وائس آف جرمنی نے ۲۰ مارچ ۲۰۰۴ء کو یہ رپورٹ دی کہ: ''مارچ ۲۰۰۴ء میں ہندوستان کے شہر جھاڑ کھنڈ میں اہلحدیث مسلمانوں کا اجتماع ہوا جس میں دس لاکھ کے قریب اہلحدیث مسلمانوں نے شرکت کی''۔ جبکہ ہمارے ہندوستان کے اہلحدیثوں نے اجتماع کے متعلق اخبارات میں جو خبر دی ہے وہ پندرہ لاکھ کی ہے۔

حضرات! من حیث القوم ہم ہندوستان کو بھی چند لمحوں کے لئے عالم اسلام میں شمار کر لیتے ہیں۔

چین وعرب ہمارا، ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے، سارا جہاں ہمارا
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

یہ ہماری اپنی بدقسمتی ہے کہ خود ہی اپنے آپ کو پست سے پست بناتے گئے۔ وگرنہ اللہ تعالی نے تو ہمیں دینے میں کمی نہ کی تھی۔

اگر آپ زمینی اور پہاڑی سلسلے سے نیچے اتر کر سمندروں کی طرف آجائیں تو دیکھیں گے کہ دنیا کی بہترین بندرگاہیں بھی ہمارے پاس ہیں سعودی عرب کو دو سمندر لگتے ہیں، بلکہ حد تو یہ ہے کہ دنیا کے دو براعظموں، یورپ وافریقہ کو آپس میں ملانے والی نہر سویز ہے اس پر بھی کنٹرول مسلمانوں کا ہے (یہ نہر کوئی میٹھے پانی کی نہیں بلکہ یہ دو سمندروں کو آپس میں ملاتی ہے)

اس کے باوجود ہمارے خلاف ہونے والی تمام سازشیں اور مسلمانوں کے خلاف استعمال ہونے والا سارا سامان نہر سویز سے ہو کر گزرتا ہے، اس نہر پر کنٹرول مسلمانوں کا ہے۔ لیکن ہم ان سے صرف پیسے لیتے ہیں کہ ہمیں اتنی رقم دے کر ہمارے خلاف بنائے ہوئے تمام پلان، پروگرام اور سازشیں یہاں سے لے کر گزر جاؤ۔ باقی تم جو چاہو کر لو۔ جبکہ غیر مسلم تو اپنے علاقوں سے جہاز بھی

نہیں گزرنے دیتے بلکہ کہتے ہیں کہ گزرنے سے پہلے تلاشی دو کہ پتہ چلے کہ تم کیا لے کر جا رہے ہو۔ بہر حال اللہ نے سمندر ہمیں دیئے۔

لیکن بھائیو! اللہ تعالی نے تو ہمیں دفاعی اور تجارتی نقطۂ نگاہ سے وہ وہ بندرگاہیں بھی دے دی تھیں...... جو شاید کسی کے پاس بھی نہیں تھیں اور نہ ہی ہیں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے پاس تو ان بندرگاہوں کا کنٹرول تک بھی نہیں رہا۔ کراچی کی بندرگاہ کو دیکھ لیجئے اس کا کنٹرول کس کے پاس ہے؟ اور گوادر کی بندرگاہ کی صرف ایک ہی برتھ ہے اور وہ بھی ہے تو چین کے پاس لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اب تو اس پر بھی امریکہ بہادر کی نظریں ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ آدھی دنیا کو فتح کرنے کے بعد بھی ہم میں اقتصادی لحاظ سے اتنی پستی ہوگئی ہے کہ اب ہم اپنی ہی اشیاء کے ریٹ خود نہیں رکھ سکتے؟ وہ جب چاہتے ہیں ہماری اشیاء کے ریٹ اپ کر دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں انہیں ڈاون کر دیتے ہیں۔

میرے علم کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے کہا کہ یہ دنیا، یہ اقتصادیات کے علوم ، چھوڑو جی ، نبی ﷺ نے اقتصادیات کی طرف بھلا توجہ کب دی تھی؟ آپ ﷺ نے بھی تو کافروں کے درہم و دینار قبول کر لیے تھے۔ لہٰذا ہم بھی امریکہ و برطانیہ کے ڈالر اور پاؤنڈ قبول کر لیتے ہیں۔ ہمارے پاس یہی ایک بہانہ ہے۔ آپ ﷺ نے کون سا اپنے درہم و دینار شروع کیے تھے، مکہ و مدینہ میں اپنی ذاتی کرنسی کا اجراء کیا تھا۔ لہٰذا علم اقتصاد کی طرف توجہ ہی نہیں دینی چاہیے۔

چلو مان لیتے ہیں ٹھیک ہے، نہیں توجہ دینی چاہیئے تو پھر اپنے اندر وہ تقوی ہی پیدا کر لیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھا۔ افسوس کہ ہمارے دینی طلباء تو اقتصادیات کو سرے سے پڑھتے ہی نہیں ہیں ۔''العلماء ورثة الانبیاء'' انبیاء نے صرف مسجدوں کی امامت تو نہیں کروائی تھی بلکہ انبیاء تو جرنیل بھی تھے، قاضی بھی تھے، ماہر اقتصادیات بھی تھے، یا کہہ دو کہ انبیاء تو صرف عبادات میں لگے رہے تھے۔ لہٰذا آج کے علماء صرف عبادات کے وارث ہیں۔ باقی سب کچھ ہم نے دوسروں کو دے دیا ہے۔

سیاست نواز شریف کرے یا بے نظیر، ہم تو اصل میں انبیاء کی عبادات کے وارث ہیں۔ رہا علم، اگر ہم نے اسے بھی محدود کر لیا تو یہ بات عقل مندی کی نہیں بلکہ ہمیں تو اقتصادی میدان میں آگے

بڑھ کر دنیا کو بتانا چاہیے کہ ہم اقتصادی طور پر بھی ایک نظام رکھتے ہیں۔

یہ تمام چیزیں دلیل ہیں اس بات کی کہ آج سے پہلے مسلمانوں نے ہر میدان میں آگے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی ہے۔

ہمارے ہاں البیرونی، ابن حیان اور ابن سینا کا بڑے زور وشور سے تذکرہ کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمان تھے اور سائنس وٹیکنالوجی کے علوم کے بانی تھے۔

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؂

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت وہ سیارہ

بھائیو! ہمیں ان سے کس طرح نسبت ہوسکتی ہے، کہا جاتا ہے کہ ایک گیڈر ایک جنگل میں آواز لگا رہا تھا کہ: ''پدرم سلطان بود۔ پدرم سلطان بود''۔ آگے سے شیر گیڈر سے دھاڑ کر پوچھتا ہے:

''تو راچہ، تو راچہ، تو راچہ''

یعنی گیڈر کہتا ہے کہ ''میرا باپ بادشاہ تھا، میرا باپ بادشاہ تھا''، تو شیر کہتا ہے کہ ''تمہارا باپ بادشاہ ہوگا، سو مرتبہ ہوگا اس نے دنیا فتح کی ہوگی مگر تو ذرا یہ تو بتا کہ تو کیا ہے؟ تو کیا ہے؟ تو کیا ہے؟''۔

واقعی ہمارے آباء نے بادشاہت کی ہوگی، دنیا فتح کی ہوگی، انہوں نے اس دنیا کی قیادت وسیادت کی ہوگی لیکن اب ہم کیا ہیں بھائیو! ہم تو اپنے گھروں میں بھی ڈر رہے ہیں، یعنی ہمیں تو اپنی بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔

(۲) عالم اسلام کی عسکری صورتحال:

آیئے اقتصادی صورتحال سے نکل کر ذرا عسکری صورتحال کی طرف آتے ہیں۔

عسکری صورتحال کی ایک جھلک تو میں نے آپ کو ۱۹۶۷ء کے حوالے سے شروع میں دکھا دی ہے کہ صرف تیرہ دنوں میں ہم سے ہمارا بیت المقدس، جولان کی پہاڑیاں اور صحرائے سینا چھین

لیا گیا۔

ہم کہتے ہیں کہ: ''ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا'' نہیں نہیں، یہ نہیں کہنا، بلکہ ''مسلمانوں کو کوئی شکست نہیں دے سکتا''۔

ان دونوں فقروں میں ذرا غور کریں تو آپ کو ان میں بہت بڑا فرق نظر آئے گا۔ مسلمانوں کو واقعی کوئی شکست نہیں دے سکتا لیکن ہمیں شکست دے سکتا ہے کیونکہ ہم وہ مسلمان ہی نہیں رہے جن کو کوئی شکست نہیں دے سکتا تھا۔ بھائیو! ان تمام باتوں کا پہلا مخاطب میں خود ہوں:

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
مَن اپنا پُرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا
تر آنکھیں تو ہو جاتی ہیں پر کیا لذت اس رونے میں
جب خون جگر کی آمیزش سے اشک پیازی بن نہ سکا
اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا

ہماری جماعت کے ایک بہت بڑے بزرگ ہیں، ان سے پاکستان کے حوالہ سے میری گفتگو ہوئی تو کہنے لگے نہیں نہیں، پاکستان کو کوئی خطرہ نہیں ہے''۔ تو میں نے ان سے کہا کہ بہت بڑا خطرہ ہے۔ ۱۹۶۸ء میں اصغر خان بنگلہ دیش کا دورہ کر کے آیا۔ اس نے اخبار والوں کو انٹرویو دیا کہ پاکستان ٹوٹ رہا ہے۔ لوگوں نے کہا اس بے چارے کو شاید پتہ ہی نہیں ہے کہ پاکستان ۲۷ رمضان المبارک، لیلۃ القدر کو بنا ہے۔ یہ کس طرح ٹوٹ جائے گا؟ یہ تو ٹوٹ سکتا ہی نہیں لیکن ٹھیک تین سال بعد پاکستان ٹوٹ گیا۔

بہر حال میں نے جب ان بزرگوں سے کہا کہ پاکستان خطرے میں گھرا ہو ہے تو وہ اس بات پر بضد رہے کہ پاکستان کو کوئی خطرہ نہیں ہے، تو میں نے ان سے کہا شاید پاکستان تو بیت المقدس سے بھی زیادہ معزز ہو گیا ہے کہ اسے کوئی خطرہ نہیں جبکہ بیت المقدس کو تو یہودی لے گئے ہیں۔

بھائیو! اسی کو کہتے ہیں کہ خطرے سے آنکھیں بند کر لینا۔ اگر خطرے سے آنکھیں بند کر لی

جائیں تو خطرہ نہیں ٹلتا۔ اگر کبوتر بلی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے تو بلی نے آنکھیں کبھی بند نہیں کیں۔

بہر حال بات کر رہا تھا عسکری صورتحال کی، میں آپ کو ایک فقرہ سناتا ہوں۔ ایک، دو، تین، چار، پانچ۔ ان کے کہنے میں صرف پانچ سیکنڈ لگتے ہیں۔ یہ آٹھ ستمبر کا واقعہ ہے کہ دو پائلٹ جا رہے تھے، رفیقی شہید یہ گنتی گن رہا تھا کہ اس کے ساتھ بیٹھا ہوا دوسرا پائلٹ (جس کا نام یاد نہیں) رفیقی سے پوچھ رہا تھا کہ یہ گنتی کیسی ہے؟ کیا تم پہلی کلاس میں پڑھ رہے ہو؟ تو رفیقی نے کہا نہیں نہیں بلکہ جب میں نے ایک کہا تھا۔ تو انڈیا کا ایک جہاز گرا دیا تھا، میں نے دس سیکنڈ میں انڈیا کے پانچ جہاز گرائے ہیں۔ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ وہ قوم جس کے بارے میں انڈیا کا جنرل، شاستری کو جا کر کہتا ہے۔ مہاراج مجھے دنیا کی کسی بھی قوم سے لڑا دیں، لڑنے کیلئے تیار ہوں البتہ پاکستان سے نہیں لڑسکتا۔

حضرات ۱۹۶۵ء میں اس قوم کا یہ حال تھا اور ۱۹۷۱ء میں اس قوم کا یہ حال ہوا کہ دنیا کی سب سے بدترین شکست ہمیں ہوئی۔ اس صورتحال کی آخر وجہ کیا ہے؟

شاید مجھے حافظ مسعود عالم صاحب یا مولانا عبدالرؤف صاحب نے بتایا تھا کہ (۱۹۶۵ء کی جنگ جس کا ابھی ابھی میں نے حوالہ دیا ہے اس کے بعد) ۱۹۶۷ء میں جب بیت المقدس کا واقعہ پیش آیا تو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بلیک آؤٹ کیا گیا کہ یہاں خطرہ ہے۔ اس وقت چونکہ پاکستان ۶۵ء کی جنگ کا ہیرو تھا، تو عربی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ لائٹیں جلا دو کیونکہ جب تک پاکستان موجود ہے اس وقت تک مکہ اور مدینہ کو بری آنکھ سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ حضرات اس وقت ہماری یہ حالت تھی کہ پاکستان اسلام کا بہت بڑا قلعہ سمجھا جاتا تھا۔

افغانستان سے غزنوی آئے، چلے گئے، خلجی آئے تھوڑے دن حکومت کی اور وہ بھی چلے گئے حتیٰ کہ قطب الدین ایبک (خاندان غلاماں) بھی یہاں حکومت کر کے چلا گیا (قطب الدین ایبک کا مزار آج بھی لاہور کی نئی انارکلی میں ہے۔) اور آخر میں مغلیہ خاندان بھی آیا اور چلا گیا حضرات گرامی! مغلیہ خاندان نے کیا کیا؟ شالامار باغ بنا گئے، لال قلعہ اور شاہی مسجد بنا دی۔ کسی بھی مغل بادشاہ نے یہاں صحیح اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش نہیں کی ہاں! اورنگزیب عالم گیر کو

چند لمحوں کیلئے نظر انداز کرتے ہیں کہ چلو اس کے فتاوی عالمگیری کو تھوڑی دیر کیلئے شرف قبولیت بخش دیتے ہیں کہ اس نے کچھ نہ کچھ تو کیا لیکن مزید کسی نے کچھ نہیں کیا۔ کیا مسلمان حکمرانوں کا مقصد یہاں صرف حملے کرنا تھا۔

بھائیو! اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج انگریزی اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے یہ بادشاہ دراصل ڈاکو تھے، لوٹ مار کرکے چلے جاتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جواب دو کہ اگر وہ واقعی اسلام کے ساتھ مخلص تھے تو یہاں پر اسلامی نظام حکومت کی آبیاری کیوں نہیں کی؟ ہندوستان کو فتح کر لینے کے بعد واپس کیوں چلے جاتے تھے؟ غزنوی آئے، سومنات فتح ہو گیا، پھر واپس چلے گئے۔ انہوں نے اسلامی حکومت کو قائم کیوں نہ کیا؟ کیا کسی نے روکا تھا؟ علیٰ ہذا القیاس، ہر کوئی آتا گیا اور فتح کرکے جاتا رہا۔

حضرات گرامی! یہ بہت تلخ حقیقتیں ہیں۔ میں ان تمام واقعات کو عسکری اعتبار سے اس لیے شمار کر رہا ہوں کہ یہاں ہندوستان میں فوج کشی کی گئی تھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ ظہیر الدین بابر نے ہندوستان میں جو سب سے پہلی جنگ لڑی تھی، اس میں اس نے شکست کس کو دی تھی؟ ابراہیم لودھی کو شکست دی تھی۔ ہماری حالت تو یہ تھی کہ افغانستان سے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت خود ہی دے رہے تھے۔

ہم نے عسکری میدان میں بہت جہاد کیا ہے، گل رعنا شہید کروادیا۔ ایسے ایسے ماؤں کے سپوت جن کو دیکھ کر رشک آتا تھا شہید ہو گئے۔ لیکن بھائیو! پوری دنیا نے ہمارا موقف رد کر دیا ہے۔ جہاد کشمیر دہشت گردی قرار دیا جا چکا ہے، افغانستان اب شجر ممنوعہ بن چکا ہے، وہاں سے جہاد کا قلع قمع کیا جا رہا ہے۔

آپ کو شاید علم ہو کہ اس وقت عیسائی بھی ایک جگہ جہاد کر رہے ہیں۔ وہ کونسا ملک ہے جہاں عیسائی بھی مسلمانوں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں وہ ملک سوڈان ہے۔ جنوبی سوڈان میں جنرل کرنک (General Krunk) باقاعدہ سوڈان میں بسنے والے مسلمانوں کے خلاف جہاد کر رہا ہے۔ اسے تو آج تک کسی نے دہشت گرد قرار نہیں دیا۔ حالانکہ اس نے جنوبی سوڈان کو مصیبت

میں ڈال رکھا ہے اور ہاں! ایک اور شخص بھی عیسائی تھا، جس نے اپنا ملک آزاد کروایا تھا۔ جنوبی افریقہ کا نیلسن منڈیلا، جسے بعد میں امن ایوارڈ بھی دیا گیا۔ بہر حال! ہم ہر میدان میں اتنے پیچھے رہ گئے ہیں کہ الامان والحفیظ۔

(۳) عالم اسلام کی سیاسی صورتحال:

اس وقت عالم اسلام میں تین قسم کی حکومتیں ہیں۔

۱۔ موروثی (شہنشاہی وملوکیتی) حکومتیں۔

۲۔ آمرانہ (ڈکٹیٹرشپ) حکومتیں۔

۳۔ جمہوری حکومتیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

ستة لعنتهم ولعنهم الله و كل نبي يجاب: الزائد في كتاب، والمكذب بقدر الله، والمتسلط بالجبروت ليعز من أذله الله ويذل من أعزه الله، والمستحل لحرم الله، والمستحل من عترتي ما حرم الله، والتارك لسنتي "(رواه البيهقي في المدخل ورزين في كتابه وانظر المشكوٰة باب الايمان بالقدر)

''چھ آدمیوں پر میں بھی لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت بھیجتا ہے اور ہر نبی کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

۱۔ کتاب اللہ میں اضافہ کرنے والا۔

۲۔ تقدیر الٰہی کو جھٹلانے والا۔

۳۔ زبردستی مسلط ہونے والا تاکہ جسے اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے اسے عزت دے اور جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے رسوا کرے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے حرم کو حلال سمجھنے والا۔

۵۔ میری اولاد میں سے جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے اسے حلال سمجھنے والا۔

۶۔ اور میری سنت کو چھوڑنے والا۔

شام، لیبیا اور عراق جیسے کچھ اور ممالک جہاں ڈکٹیٹر شپ ہے، ہم انہیں بھی اسلامی حکومتیں کہتے ہیں لیکن حاشا وکلا! یہ اسلامی ملک اور ان میں رہنے والے لوگ تو اسلامی ہو سکتے ہیں لیکن اسلامی حکومتیں نہیں کہہ سکتے ۔ ہمیں بہت ہی وہم ہے دروزی اور ابن سہری کہاں سے مسلمان بن گئے؟ میرے پاس علم کا دعویٰ نہیں اور نہ ہی ہے لیکن آپ ان کے عقائد تو پڑھ کر دیکھ لیں۔ مراکش اور تیونس، شاید چند ہی ساتھیوں کو پتہ ہو کہ یہ ہیں کہاں ۔ یہ مغربی ممالک ہیں اور یہاں بدترین قسم کی بادشاہت ہے۔ وہاں کا نظام اور ان کی عوام کی حالت حاشا وکلا ! آپ دیکھ لیں ،اخبارات میں تیونس اور مراکش کی بہت ہی کم خبریں آتی ہیں، آخر کیوں ؟

ہاں ! چند ممالک واقعی ایسے ہیں جن کی حالت قدرے بہتر ہے جن میں سعودی عرب ہے جہاں کی صورتحال قابل قبول اور بہت ہی اچھی ہے، دوسرا ایران ،تیسرا انڈونیشیا اور چوتھا ملائیشیا۔ ان کی صورتحال اچھی ہے۔

میرے علم کے مطابق سیاسی صورتحال کے لحاظ سے دنیا میں جو نظام چل رہے ہیں ان میں سے اس وقت بہترین نظام جمہوریت ہے بلکہ اسلام کا نظام تو اتنا جمہوری ہے کہ ملک اور صوبہ تو دور کی بات ہے یہ تو مسجد میں بھی جمہوریت نافذ کرتا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ: ''تم میں سے وہ آدمی لوگوں کی امامت نہ کروائے جسے لوگ ناپسند کرتے ہوں''۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جسے ایک یا دو آدمی ناپسند کرتے ہوں؟ یا جسے اکثریت ناپسند کرتی ہو، وہ امامت نہ کروائے؟ اسلام تو مسجد کے امام کو بھی جمہوری طور پر مقرر کرتا ہے، ملک کی سربراہی دور کی بات ہے اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ ہم:

''Government of the people,By the people, for the people''

کو لے کر اخبارات کے صفحات کالے کر دیتے ہیں اور بعد میں کہتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ'' کدھر گیا۔ اس کو کہا جاتا ہے کہ کلمہ حق کے ساتھ باطل نظریات کو پھیلانا کون کہتا ہے کہ ہم ایسی جمہوریت کے قائل ہیں جس میں سارا ملک ووٹ دے دے کہ نماز پڑھنا بند کر دو تو نماز بند کر دیں گے۔

بھائیو! موجودہ سیٹ اپ جب تک ہمارے پاس خلافت کا اسلامی نظام نہیں ہے سب سے

بہترین جمہوریت ہے جسے ہمارے علماء ''شجرۂ ممنوعہ'' قرار دے چکے ہیں۔ اور اس پر میں نے ایسی ایسی نظمیں سنی ہیں کہ: ''دوستو جمہوریت کفر دا نظام ہے''۔ تو میں نے ان سے کہا تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ سب سے پہلا کافر میں ہوا ہوں کیونکہ میں ووٹ ڈال آیا ہوں۔ پھر ووٹ بھی جمہوری نظام میں ،اب کیا کروں۔ یا تو دوبارہ اسلام لے آؤں اور دوبارہ کلمہ پڑھ لوں۔ جس طرح پچھلے دنوں کالا باغ میں بے شمار لوگوں کے نکاح ٹوٹے ہیں۔ اب تو ووٹ ڈالنے سے ہمارے نکاح بھی ٹوٹ جائیں گے کیونکہ میں نے تو ووٹ ڈالا ہے جبکہ میری بیوی نے نہیں ڈالا۔ دوستو! مسئلہ صرف اتنا سا ہے کہ ہم نے جمہوریت کو علمی انداز میں عوام الناس کے سامنے پیش ہی نہیں کیا۔

(۴) تھوڑی سی صورتحال تعلیم کے حوالے سے:

میں سمجھتا ہوں کہ جتنی علمی کتب ہمیں میسر ہیں، وہ ہمارے آباواجداد کو میسر نہیں تھیں۔ وہ کتب جن کو وہ دیکھنے کیلئے ترستے رہے، آج وہ لائبریری کی زینت ہیں بلکہ ان کتب کو ہر مبتدی بھی ہاتھ لگا سکتا ہے جنہیں دیکھنے کیلئے بڑے بڑے آئمہ وعلماء ترستے رہے کہ کہیں انہیں وہ کتاب نظر آ جائے۔ نیز جتنی تحقیقی اور علمی کتب اور مخطوطات اب شائع ہو رہے ہیں شاید اس سے پہلے کبھی بھی شائع نہ ہوئے ہوں۔

سوال یہ ہے کہ اس کے باوجود ہم پوری دنیا میں اپنا نظریہ منوانے میں کامیاب کیوں نہیں ہو رہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں ان چیزوں کے متعلق فیصلے صادر ہوتے ہیں وہاں ہمارا کوئی بھی نہیں ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب چند دن پہلے جامعہ سلفیہ (فیصل آباد) میں آئے تھے تو انہوں نے کہا تھا ''خیر کم من تعلم القرآن وعلمه''۔ خیر کثیر تو تم نے حاصل کر لیا۔ اب کچھ ''شر قلیل'' انگریزی بھی حاصل کر لو۔ کیوں؟ ''اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ کل کو ہمیں کسی ایسے علاقے میں جانا پڑے جہاں اس کی ضرورت ہو''۔

بھائیو! علمی میدان میں واقعتاً ہم بہت پیچھے ہیں حالانکہ ہمیں چاہیے تھا کہ ہم آگے بڑھتے اور ان کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جاتے لیکن افسوس کہ ہم نے انہی مدارس کو جہان سمجھ لیا ہے

حالانکہ

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر اس عالم رنگ و بو پر

زمین اور بھی ہے آسماں اور بھی ہیں

تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا

تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

ہم تعلیمی میدان میں اس قدر پیچھے ہیں کہ بس............

بھائیو! اب میں اپنی گفتگو سمیٹتے ہوئے صرف اپنے اہلحدیثوں تک محدود کر دینا چاہتا ہوں۔ میں نے جامعہ سلفیہ میں ایک سال تک ساتویں جماعت کے طلباء کو الاقتصاد الاسلامی پڑھائی لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ جب میں نے مطالعہ کے لئے لائبریری میں اس موضوع پر لکھی کتب کو دیکھا تو اہل حدیثوں کی لکھی ہوئی کوئی ایک کتاب بھی اس موضوع پر نہ مل سکی۔ شاید کچھ کام کیا ہو لیکن اگر کیا بھی ہے تو بہت ہی کم گفتگو کو سمیٹتے ہوئے میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں ذرا اس کا جواب دیجئے کہ:

''ہمارے اہلحدیثوں کے کسی ایک مدرسہ نے آج تک کسی ایک طالب علم کو بھی Ph.D کروائی ہے؟''

جواب ''نہیں'' میں ہی ملے گا حالانکہ ہمارے ایک فنکشن پر جتنا خرچہ ہو جاتا ہے اس سے تین طلباء Ph.D کر سکتے ہیں۔

میں ایک حقیقت بیان کرنے لگا ہوں کہ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ تعلیمی میدان میں ہمارے پاس کوئی Ph.D نہیں ہے جبکہ ہمارے دینی اداروں میں اتنے اتنے ذہین طلباء موجود ہیں کہ جو بھی سبق دے دو اسے فوراً زبانی یاد کر کے سنا دیتے ہیں، اگر اس قسم کے طلباء کی صحیح سرپرستی کی جائے تو ہمیں بہت اچھا رزلٹ مل جائے۔ اگر نہیں تو کہہ دیں کہ ''قد افلح المومنون'' یہ مکی سورت ہے جس
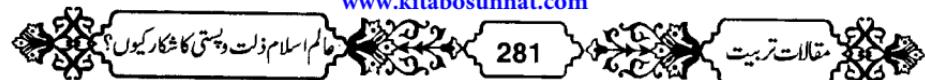
وقت مسلمان نہ تو تعلیمی میدان میں آگے تھے، نہ ہی ان کے پاس کوئی قیادت وسیادت یا حکومت تھی اس وقت مسلمانوں کی وہی حالت تھی جو آج کے مسلمانوں کی ہے۔

مکہ میں اچانک اعلان ہو جاتا ہے کہ "قد أفلح المومنون" یا اللہ کیا اسی کا نام کامیابی ہے کہ گلی گلی میں مسلمان مار کھا رہے ہیں؟ سیادت ابوجہل کے پاس، قیادت ابولہب کے پاس، جبکہ مسلمان دار ارقم میں محصور ہو چکے ہیں اور اے اللہ! تو آسمان سے آیت نازل فرما رہا ہے کہ "قد أفلح المومنون"۔

دوستو! ذرا اس پر غور کریں کہ اللہ کامیابی کسے قرار دے رہا ہے؟ اگر ہم صرف اس آیت پر ہی عمل کر لیں تو پھر واقعتاً کامیاب ہیں لیکن اس کے آگے نو یا دس آیات نہیں پڑھنا ان کو چھوڑ دینا ہے کیونکہ ان میں تو اللہ نے مومنین کی صفات بیان کر دی ہیں جس پر ہمیں عمل کرنا پڑے گا۔

آیئے ایک اور چیز، ہمارے مدارس سے کوئی بھی علمی کتاب نہیں نکل رہی، کیا پچھلے تیس سال سے ہمارے کسی مدرسہ نے علمی اور تحقیقی کتاب شائع کی ہے؟ جواب ''نہیں'' میں ہی ہوگا۔

بہر حال ہماری صورتحال یہ ہے کہ کوئی ادارہ اور جامعہ طلباء کو Ph.D نہیں کروا رہا۔ لیکن اب ماہنامہ ''محدث'' میں خبر پڑھی ہے کہ حافظ محمد شریف صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ ایم فل اور Ph.D کرنے والے طلباء کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کے اس عملی جذبے اور ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

البتہ مجموعی طور پر ہم بالکل پیچھے ہیں۔ پورے عالم اسلام کی یہ حالت ہے کہ نہ تو ہمارے پاس ٹیکنالوجی ہے، نہ ہی سائنس، فزکس اور کیمسٹری کا کوئی ادارہ ہے، بلکہ اب تو ہمارے پاس دین کا علم بھی کم ہے۔ لغت کی کتب کہاں سے شائع ہو رہی ہیں اور کون شائع کر رہا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ لغت کی کتب شائع کرنے میں آدھے سے زائد غیر مسلم ہوں لیکن ہم ہیں کہ اپنی اس چاردیواری میں محدود ہو چکے ہیں۔ یہ چیز ہمارے لیے کسی بھی طرح قابل رشک نہیں ہے۔

مضمون کا آخری حصہ تھا "وواجبنا" کہ ہمارے اوپر واجب کیا ہے؟ یہ بڑا ہی دردناک مسئلہ ہے۔ سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ ہماری تقصیر کو معاف کر دے۔ ہم اپنی

صلاحیتوں میں بہت تقصیر کر چکے، ہم پر واجب یہ ہے کہ ہم منہج نبوی کی طرف لوٹ آئیں۔ میں بازاروں میں جا کر کیوں تقریر نہیں کرتا اصل میں مجھے اپنی عزت کا ڈر ہے لیکن نبی ﷺ تو میلوں میں جا کر تقریر کیا کرتے تھے آپ ﷺ نے باقاعدہ پڑھایا تھا اور صفہ نامی چبوترے پر باقاعدہ طور پر یونیورسٹی قائم کی تھی۔ نبی ﷺ نے تو اپنے بچوں کی تربیت کی تھی لیکن افسوس کہ ہم تو اپنے بچوں کی بھی تربیت نہیں کر سکتے۔ حالانکہ یہی بچے کل کو عالم اسلام بننے والے ہیں۔

اللہ رب العزت سے پھر دعا گو ہوں کہ وہ ہماری تقصیروں کو معاف فرمائے، اللہ مجھے اور آپ سب کو دین اسلام کا صحیح خدمت گار بنا دے۔ (آمین)

مرکز التربیۃ الاسلامیہ ایک نظر میں

- فہم صحابہ وتابعین کے مطابق کتاب وسنت کی خالص دعوت کا علمبردار
- ہر قسم کے تعصب اور فرقہ وارانہ اختلاف سے بالاتر توحید کی بنیاد پر اتحاد امت کا داعی
- عرصہ دراز سے اسلامی دُعاۃ اور پختہ کار علماء کی تیاری میں مصروف عمل
- مدارس وجامعات کے لیے راسخ اساتذہ کی تیاری کے لیے مثالی دانش گاہ
- حقیقی دعوت کو عصر حاضر کے اسلوب کے مطابق بیان کرنے میں پیش پیش
- تعلیم وتحقیق کا عظیم الشان مرکز اور اصلاح وتربیت کا پُرسکون گہوارہ
- علوم کتاب وسنت کی ترویج، حفاظت اور اشاعت کے لیے کوشاں
- شرک وبدعت، فکری انحرافات اور خارجی افکار کے مقابلے میں سرگرم عمل
- معاشرے کی دینی، اجتماعی اور معاشرتی ضروریات کی فراہمی میں معاون ومددگار
- پس ماندہ وآفت زدہ طبقات اور فقراء ومساکین کی فلاح وبہبود کے لیے کوشاں

زیر انتظام: التربیہ انٹرنیشنل ٹرسٹ

W-44 گلستان کالونی، فیصل آباد، پاکستان